

بِالْعِلْمِ

بِالتَّوَجُّهِ
عَلَيْهِ

شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی

ڈاکٹر سید محمد یوسف

مرکزی اردو بورڈ

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





”تاریخ التاریخ“

موسوم به

الإعلان بالتوریه

اعلان سرزنش

لِمَنْ ذَمَّ أَهْلَ التَّوْرِیْخِ

به دشمنان اهل تاریخ

تالیف

شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السیخاوی

ترجمہ

ڈاکٹر سید محمد یوسف

پروفیسر و صدر شعبہ عربی، جامعہ کراچی



مرکزی اردو بورڈ

۳۶ جی، گلبرگ، لاہور

جملہ حقوق محفوظ
بار اول

137779

جون ، ۱۹۶۸ء

تعداد اشاعت ۱۱۰۰

8 / 72

قیمت ۸ روپے



ناشر ء

اشفاق احمد

ڈائریکٹر ، مرکزی اردو بورڈ

۳۶ جی ، گلبرگ ، لاہور

طابع

سید نظر علی شاہ

منتظم ، میزان پبلشنگ پریس

۲۷ بی ، شاہ عالم مارکیٹ ، لاہور

ترتیب

کاتبوں کی تاریخ ، ۲۱۱	کچھ ترجمے کی بابت ، ۹
اسیروں کی تاریخ ، ۲۱۲	سخاوی ، ۱۳
فقہا کی تاریخ ، ۲۱۲	مسلمان اور علم تاریخ ، ۱۵
قاریوں کی تاریخ ، ۲۲۱	تاریخ کی تعریف
(حدیث کے) حافظوں	از روئے لغت ، ۲۷
کی تاریخ ، ۲۲۱	تاریخ کی تعریف
محدثین کی تاریخ ، ۲۲۲	از روئے اصطلاح ، ۲۹
مورخین کی تاریخ ، ۲۲۲	تاریخ کا موضوع ، ۳۰
نحویوں کی تاریخ ، ۲۲۳	تاریخ کا فائدہ ، ۳۰
ادیبوں کی تاریخ ، ۲۲۳	تاریخ کی غایت ، ۱۰۹
لغت کے ماہرین	تاریخ کا حکم دلائل تاریخ کے
کی تاریخ ، ۲۲۳	حق میں ، ۱۱۵
شاعروں کی تاریخ ، ۲۲۳	تاریخ کو برا کہنے والوں کی
عابدوں اور صوفیوں کی	مذمت ، ۱۱۵
تاریخ ، ۲۲۷	مورخ کے لیے شرائط ، ۱۳۰
قاضیوں کی تاریخ ، ۲۲۹	تاریخ اور سنہ اسلامی کی ابتدا ، ۱۶۷
گانے والوں کی تاریخ ، ۲۳۱	تاریخ میں تصانیف ، ۱۷۹
شریفوں کی تاریخ ، ۲۳۱	سیرۃ النبی ، ۱۸۶
سخیوں کی تاریخ ، ۲۳۲	قصص الانبیا ، ۱۹۹
ذہین لوگوں کی	صحابہ کی تاریخ ، ۱۹۹
تاریخ ، ۲۳۲	تاریخ الخلفاء ، ۲۰۳
عقلمندوں کی تاریخ ، ۲۳۲	بادشاہوں کی تاریخ ، ۲۰۹
طبیعیوں کی تاریخ ، ۲۳۲	وزیروں کی تاریخ ، ۲۱۰

عاشقوں کی تاریخ ، ۲۳۶
سخاوی کی اپنی رائے میں تاریخ کی
کتابوں کی اقسام ، ۲۳۶
باب الابواب ، ۲۷۲
شہروں میں علم حدیث ، ۳۰۴
فہرست مورخین بہ ترتیب حروف
معجم ، ۲۳۳
کتب و فیات ، ۳۴۶

اشعریوں کی تاریخ ، ۲۳۲
بدعتیوں کی تاریخ ، ۲۳۳
شیعہ کی تاریخ ، ۲۳۴
بخیلوں کی تاریخ ، ۲۳۵
بہادروں کی تاریخ ، ۲۳۵
کانوں ، چندھوں ، اندھوں
اور کبڑوں کی تاریخ ، ۲۳۶
راہبوں کی تاریخ ، ۲۳۶
قرآن سن کر جان دینے والوں
کی تاریخ ، ۲۳۶

رُمُوز

الى آخره ، تا آخر	=	الخ
حاشیہ	=	ح
رحمہ اللہ	=	رح
رضی اللہ عنہ	=	رض
مطر	=	م
سابق	=	سبق
صفحہ	=	ص
صلی اللہ علیہ وسلم	=	صلعم
علیہ السلام	=	علسم
علیہ الصلوٰۃ والسلام	=	علصص
متوفی ، وفات	=	ف
لاحظ ، ملاحظہ کیجیے	=	لحظ
لاحق	=	لحق
انتہی قولہ ، اقتباس ختم	=	ق

کچھ ترجمے کی بابت

عربی سے اردو میں ترجمہ آسان بھی ہے اور دشوار بھی : آسان اس اعتبار سے کہ اردو بحیثیت ایک علمی زبان کے تمام تر عربی اور فارسی کی مرہون ہے (خود فارسی بھی عربی ہی کے زیر سایہ علمی زبان بنی ہے)۔ اس کا نتیجہ ہے کہ حسب ضرورت عربی کا پیوند اردو کے تانے بانے میں پوری طرح گٹھ جاتا اور مکمل طور پر رفو ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ عربی سے بالکل ہی اجنبیت نہ ہو۔ اگر یہ شرط مفقود ہو تو عربی سے اردو میں ترجمے کا کام دشوار ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اردو کا دامن علمی اصطلاحوں، تعبیروں اور سانچوں سے خالی ہے، پھر اردو کی ساخت بھی ایسی نہیں کہ عربی سے بچتے ہوئے اس دمی کی تلافی ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب ابھی یہ الجھن پیدا نہیں ہوئی تھی نہ صرف عربی فارسی سے بلکہ یورپ کی زبانوں سے بھی اعلیٰ معیار کے تراجم سامنے آئے اور مقبول ہوئے۔ اس کے برخلاف آج بیسویں صدی کے وسط میں یہ حال ہے کہ اگر عربی سے بچا جائے تو ہم از کم علمی تصانیف کا اردو ترجمہ ناقص رہ جاتا ہے اور اگر عربی سے مدد لی جائے تو 'پڑھے لکھوں' پر بار گزرتا ہے۔ الغرض، ثقافتی حالات کچھ ایسے بدلے ہیں کہ اب ترجمے کو قابل فہم بنانے کے لیے شعوری کوشش کرنا پڑتی ہے۔

'الاعلان بالتویخ' کا ترجمہ تو کچھ اور بھی دشوار تھا، اس لحاظ سے کہ گو اس کا موضوع تاریخ بلکہ 'تاریخ التاریخ' ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ تاریخ کے ڈانڈے ایک طرف علوم حدیث سے اور دوسری طرف ادب سے جا ملتے ہیں۔ یہ حقیقت جو اس دور میں اثر و بیشتر ہماری

نظر سے اوجھل رہتی ہے ، اس کتاب کے مطالعے سے پوری طرح سامنے آ جاتی ہے ۔ علوم حدیث کو (بالکل اسی طرح جس طرح علوم قرآن کو) علمی سطح پر عربی کے بغیر پڑھنے پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے اصطلاحات اور تعبیریں یعنی بیان کے مخصوص طریقے عربی سے مستعار لینے کے سوا چارہ نہیں ۔ اگر پڑھنے والے عربی سے مناسبت نہ رکھتے ہوں تو مترجم کا کام یہ ہونا چاہیے کہ اصطلاحات اور تعبیروں کو بدلنے کی غیر مفید اور بسا اوقات ناکام کوشش کرنے کے بجائے پڑھنے والوں کو نئی اصطلاحات اور تعبیروں سے روشناس کرائے اور رفتہ رفتہ مانوس بنا دے ۔ اس سے یہ ہوگا کہ کتاب کے خاتمے پر نہ صرف پڑھنے والے کی معلومات میں اضافہ ہوگا بلکہ اس کی عام علمی استعداد بھی قوی تر ہو جائے گی ۔ ادب کے ساتھ تاریخ کے رشتے کو بھی ترجمے میں نباہنا چنداں آسان نہیں ۔ متن کی لکیر کا فقیر ہو کر مکھی پر مکھی مارنا ادبیت کے خلاف ہے اور ادبیت کے پیچھے پڑ کر ترجمے میں آزادی برتنا دیانت کے خلاف ہے ۔ کمال یہ ہے کہ متن کے ابعاد ثلاثہ کے اندر اصلی رنگ روپ کا عکس اتر آئے ۔ میں حد کمال سے کتنی دور رہ گیا ہوں اس کا فیصلہ ناظرین کا حق ہے ۔

جب طباعت کا رواج نہ تھا تو کتابوں کے قلمی نسخے تیار کرنا اور انہیں بیچنا ایک نہایت ترقی یافتہ فن اور معزز پیشے کی حیثیت رکھتا تھا ، اسے وراقت کہتے تھے ۔ اس فن اور اس پیشے کی اپنی اصطلاحیں تھیں جن میں سے بہت سی اس کتاب میں ملیں گی مثلاً تسوید ، تبیض ، کتراسة ، جزء وغیرہ ۔ ان کے علاوہ کچھ وہ اصطلاحات ہیں جو تعلیم و تعلم کے طریقوں سے متعلق ہیں جیسے تخریج ، سماع ، اجازہ وغیرہ ۔ کچھ متعارف الفاظ ایسے بھی ہیں جن سے ایک اردو خواں کو دھوکا ہوگا ۔ جیسے ترجمہ (= سوانح) ، حافظ (= حافظ حدیث) ، ذیل (= تکملہ) وغیرہ ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حلقہٴ درس کا تشریحی انداز نہ پیدا ہونے پائے ، کتاب کی سالمیت اور تسلسل عبارت علیٰ حالہ قائم رہے ، ساتھ ہی پڑھنے والا ان اصطلاحات سے واقف اور مانوس ہو جائے ۔

الاعلان بالتویخ

عربی میں 'أعلام' یعنی اشخاص کے اسماء و القاب کے اختصار کا ایک طریقہ رائج ہے، وہ یہ کہ مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف پر 'ال' لگا دیتے ہیں مثلاً جمال الدین کے بجائے 'الجمال'؛ بدر الدین کے بجائے 'البدر'؛ نیز 'محمی الدین' کے بجائے 'المحیوی'؛ ولی الدین کے بجائے 'الولوی'۔ میں نے ان اسماء و القاب کو اختصار کے ساتھ ویسا کا ویسا رہنے دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقے کا عادی ہو جانا ایک اردو خواں کے لیے حدیث، اسماء رجال اور تاریخ کی کتابوں کے مزید مطالعے میں مفید ہوگا۔

رموز کی فہرست سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے بعض میرے اپنے وضع کردہ ہیں۔ ابھی اردو میں مختلف شکلیں رائج ہیں۔ اہل نظر 'بقاء اصلح' کی جنگ میں انہیں بھی شامل کر لیں۔

'الاعلان بالتویخ' دو مرتبہ طبع ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ مطبعة الترقی (ناشر: القدسی) دمشق سے سنہ ۱۳۳۹ھ (= ۱۹۳۰ م) میں۔ اس کی بیجا دو قلمی نسخوں پر ہے؛ ایک کی کتابت سنہ ۱۱۱۵ھ میں ہوئی اور دوسرے کی سنہ ۵۹۰۰ھ میں۔

مستشرق فرانز روزنتال (Franz Rosenthal) نے اس کا لیڈن کے مخطوطے (مطبوعہ فہرست میں نمبر ۴۶۷) سے مقابلہ کیا جو گیارہویں صدی ہجری کے آغاز کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ روزنتال کی تحقیق کے مطابق کتاب مطبعة العالی بغداد سے دوبارہ سنہ ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۳ م) میں شائع ہوئی لیکن دونوں اشاعتوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ میں نے ترجمہ کرتے وقت پہلی اشاعت کو اپنے سامنے رکھا ہے اور اس کے صفحات کا حوالہ دیا ہے۔

روزنتال نے اپنی کتاب 'A History of Muslim Historiography, Leiden, 1952.' میں 'الاعلان بالتویخ' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے، جس سے مجھے کہیں کہیں اختلاف ہے، البتہ انہوں نے انگریزی ترجمے کے ساتھ تعلقات کا اضافہ کیا ہے۔

جو متن میں وارد ہونے والے اسماء، مصنفین کی تاریخہائے پیدائش و وفات سے متعلق ہیں۔ عربی متن کی دوسری اشاعت میں ان تعلیقات کا عربی ترجمہ شامل ہے۔ یہ بڑی عرق ریزی کا کام ہے اور اب کسی کا اس سلسلہ میں مشقت اٹھانا تحصیل حاصل ہے۔ چنانچہ میں نے تاریخہائے پیدائش و وفات روزنتال ہی کی تعلیقات سے لے کر اردو ترجمے میں شامل کر دی ہیں۔ ان تعلیقات کی حد تک داد کے مستحق روزنتال ہیں۔

آخر میں جناب پروفیسر محمد منوّر صاحب (گورنمنٹ کالج، لاہور) کا شکریہ بھی واجب ہے کہ انہوں نے مرکزی اردو بورڈ کی جانب سے اس کتاب کے مسودے کو شروع سے آخر تک بغور پڑھا اور کہیں کہیں لفظی رد و بدل تجویز کیا۔

سید محمد یوسف

سخاوی

ربیع الاول سنہ ۵۸۳۱ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ رائج نظام کے مطابق تعلیم مکمل کی، فقہ، ادب، قرآن، حدیث اور تاریخ میں خاص مہارت پیدا کی۔ وہ اپنے شیخ ابن حجر کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ ابن حجر نے ان کو اپنی بیشتر تصانیف پڑھائیں اور انہیں روایت کرنے اور دوسروں کو پڑھانے کا مجاز کیا۔

شیخ کی وفات کے بعد سخاوی حج کو گئے اور حجاز کے علما سے ملے، بالخصوص الشافعی بن فہد اور ابو السعادات بن ظہیرہ سے بہت علمی استفادہ کیا، قاہرہ واپس آ کر تدریس و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد سنہ ۵۸۷۰ سے مکہ و مدینے میں اقامت اختیار کی، جہاں وہ بہتوں کو اپنے علم سے فیضیاب کرتے رہے تا آنکہ مدینے میں سنہ ۵۹۰۲ میں وفات پائی۔

آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں: 'الاعلان بالتوبیخ' کے علاوہ 'الضوء التلویح فی اخبار ابن القرن التاسع' بہت مشہور ہے۔

تعمیر المومنین ۱۰/۱۵۰

مسلمان اور علم تاریخ

’الاعلان بالتوبیخ‘ کا پس منظر

اسلامی دین اور معاشرے کی داخلی ضروریات نے جن علوم کو ایجاد کیا ان میں علم تاریخ بھی ہے۔ اسلام میں رسول اللہ کے قول و عمل اور صحابہ کے آثار کو جو مثالی حیثیت اور قانونی اہمیت حاصل ہے اس کی کسی دوسرے دین اور معاشرے میں نظیر نہیں ملتی۔ حال کے لیے ماضی کی اہمیت بلکہ تقدس کا، اور شریعت اور معاشرے کے تسلسل اور ارتقا کا جو نقش اول اول مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھا اس نے انہیں فوری طور پر حوادث و واقعات، سیر و سوانح اور اقوال و آثار کو محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شعور دلایا۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ ماضی کے علم کا ذریعہ ’خبر‘ ہے اور خبر کا وقار ’طریق روایت‘ سے متین ہوتا ہے، اس طرح کہ ایک عینی شاہد واقعہ کی خبر دے اور وہ خبر جانے بوجھے ثقہ راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچے۔ جو واقعہ خود اپنے سامنے نہ ہو اس کے بارے میں دوسرے انسانوں کے چشم دید بیان اور ان کے ضبط و عدالت پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی قابل اعتماد طریقہ عقل کے نزدیک متصور نہیں۔ انسان ہمیشہ سے اپنے روزمرہ کے معاملات میں شہادت پر بھروسہ کرتا آیا ہے، لیکن مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کے سامنے میں شہادت اور روایت کو محفوظ رکھا جائے اور اس کی چھان بین کی جائے۔

الغرض مسلمانوں نے اپنی مخصوص دینی ثقافت، قومی مزاج اور فطری عقل و ذہانت کے مجموعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اخبار مع

اسناد جمع کرنا شروع کیں۔ ان خبروں کے قالب میں جزوی واقعات ہوتے ہیں، ہر خبر مستقل ہوتی ہے، طرز بیان کم و بیش ادبی ہوتا ہے، بسا اوقات نظم و نثر ملی جلی ہوتی ہیں۔ البتہ اخبار کے مجموعے میں ربط و تسلسل مفقود ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو بس اتنا جتنا ایک قصیدے کے ابیات میں ہوتا ہے۔ ہر خبر کے ساتھ اس کی سند جداگانہ ہوتی ہے۔

خبر مع سند کا یہ طریقہ بالاتفاق اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے۔ اسلام سے پہلے نہ تو یہ طریقہ عربوں ہی میں رائج تھا اور نہ پڑوس کی تمدن قوموں میں۔ عربوں میں 'ایام' (جنگوں) سے متعلق قبیلوں کی اپنی روایات ہوتی تھیں، جو واقعات کو فخر و حماس کے رنگ میں پیش کرتی تھیں۔ سند کا کوئی اہتمام نہ تھا اور نہ کسی کو اتنی فرصت تھی کہ ان روایات کی صحت کو علمی طریقے پر جانچے، ان کا مقصود تو صرف مسلسل جہد للبقا میں لہو گرمانا تھا۔ یمن کئی صدیوں تک تجارت، تمدن اور حضارت کا مرکز رہا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں کسی تاریخی روایت کا پتا نہیں چلتا۔ ایران اور یونان میں، جیسا کہ آگے آئے گا، کتابت کے ذریعے تاریخ کو محفوظ کرنے کا رواج تھا لیکن سند کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ دونوں قوموں کے یہاں تاریخ ٹھوس حقائق اور مستند واقعات سے عبارت نہ تھی بلکہ دیو مالا، خرافات اور ہر قسم کی خیال آرائی اور گھڑنت پر مشتمل تھی۔

خبر مع سند کے طریقے کو دین اور شریعت کی خاطر مسلمانوں نے سب سے پہلے حدیث کے لیے استعمال کیا، چنانچہ اس کا بھی معیار وہی رکھا جو شریعت میں قابل اعتماد ہو۔ اس معیار کو بروئے کار لانے کے لیے کئی اور علوم وجود میں آئے، جن میں تاریخ اور اسماء رجال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سند بے معنی ہے اگر رجال سے واقفیت نہ ہو اور رجال سے واقفیت غیر مکمل اور غیر مفید رہے گی تاوقتیکہ ان کے زمانے کے تمام حالات نظر میں نہ ہوں۔ اس نقطے کی پوری وضاحت 'الاعلان بالتويخ' میں ملے گی، لسانی علوم، لغت و شعر و ادب کا بھی قرآن و

حدیث سے ایسا ہی تعلق ہے۔ تاریخ، ادب ہی کی ایک شکل ہے اور ادب تاریخ کا مظہر بھی ہے اور ماخذ بھی۔

حدیث اور تاریخ کے عضوی ارتباط پر نظر رکھتے ہوئے توقع اسی بات کی ہو سکتی تھی کہ تاریخ وہی قالب اختیار کرے جو حدیث کا قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ تاریخ بھی 'خبر مع سند' کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی۔ جب اخبار کے انبار لگ گئے تو ان کی تصنیف یعنی ایک اصول پر ترتیب و تنظیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اس مسئلے کے جتنے بھی حل ممکن تھے ان کی طرف توجہ کی اور جس حل کو جس حد تک مفید مطلب پایا اس کو اسی حد تک رواج دیا :-

راویوں کے سلسلے کو دیکھیے : اس کی کڑیاں 'طبقات' کی شکل میں علیحدہ کی جا سکتی ہیں، یہ عمودی تقسیم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک افقی تقسیم 'بلدان' کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی وہ صنف جو 'طبقات' کہلاتی ہے فن حدیث سے بہت ہی قریب ہے۔ دوسرا طریقہ جو باسانی ہر ایک کے خیال میں آتا ہے یہ ہے کہ اخبار کو 'سنین' کی ترتیب سے مرتب کیا جائے۔ تیسرا طریقہ جس کی طرف ذہن منتقل ہوتے دیر نہیں لگتی یہ ہے کہ 'دول' (واحد : دولت) یعنی حکمران خاندانوں کے عہد حکومت کے لحاظ سے اخبار کو مرتب کیا جائے۔ مسلمانوں کے یہاں ابتدا ہی سے یہ سبھی طریقے ملتے ہیں۔ 'طبقات' کی کتابوں میں بسا اوقات عمودی اور افقی دونوں تقسیمیں یکجا ہیں۔ 'سنین' کا طریقہ زیادہ رائج ہوا اور 'دول' کا کمتر۔ کہیں کہیں 'سنین' اور 'دول' دونوں کے لحاظ سے ملی جلی ترتیب بھی ملتی ہے۔

طبقات کی بابت تو اتفاق ہے کہ یہ خالص اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے، لیکن باقی دو طریقوں کی بابت کہا جاتا ہے کہ چونکہ 'سنین' کی ترتیب یونانیوں کے یہاں رائج تھی اس لیے مسلمانوں نے وہیں سے لی ہوگی۔ اسی طرح 'دول' کی ترتیب ایرانیوں کے یہاں مستعمل تھی اس

لیے وہیں سے آئی۔ یہ بھی تسنیم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے یونانی سے جو ترجمے کیے وہ حکمت، فلسفہ اور علوم (کیمیا، جغرافیہ وغیرہ) سے متعلق تھے۔ یونانی تاریخ اور ادب پر مسلمانوں نے سرسری نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ پھر بھی 'سنین' کا طریقہ اخذ کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کسی نے شام کے کسی راہب سے باتوں باتوں میں سن لیا ہوگا! یہ صحیح ہے کہ ایرانیوں کے یہاں 'دول' کی ترتیب رائج تھی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں سنہ شمار کرنے کا کوئی مستقل اور دائمی نظام نہ تھا۔ لیکن کیا یہ بات اس سے کہیں زیادہ نمایاں نہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں نسب کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے ساتھ ہی ساتھ انساب کا ایک مکمل علم تھا اور ہاں! یہ کہنے کو رہ گیا کہ بعض تاریخیں، مثلاً البلاذری کی 'انساب الاشراف' نسب ہی کی ترتیب پر مرتب ہوئیں، پھر حکمران خاندانوں پر توجہ کا مرکوز ہونا کونسی ایسی انوکھی بات ہے کہ اس کا سرا ایران میں تلاش کیا جائے؟ اسی طرح جب مسلمانوں نے ابتدا ہی میں سنہ شمار کرنے کا ایک مستحکم نظام یعنی سنہ ہجری اختیار کر لیا تو پھر سنین کی ترتیب کتنی دور رہ جاتی ہے کہ اس کے لیے بیرونی عقل کا سہارا درکار ہو؟

مسلمانوں نے جب اخبار جمع کرنا شروع کیں تو ان کے لیے 'مبۃت' یعنی رسول اللہ کی بعثت ایک حد فاصل قرار پائی۔ آغاز اسلام سے مسلمانوں نے اپنی تاریخ اپنے امتیازی اصول اور مخصوص نہج پر منضبط اور مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ امتیازی اصول اور مخصوص نہج جس تحقیق و تدقیق کے ضامن تھے وہ کسی اور قوم یا کسی اور دور کی تاریخ کے سلسلے میں ممکن نہ تھی۔ چنانچہ جب فتوحات کی وسعت اور علوم کی ترقی کی بدولت ما قبل اسلام اور غیر مسلم اقوام کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دینی محرکات یہاں بھی کار فرما ہوئے۔ قرآن شریف میں مبۃت کی حد فاصل سے پیچھے کی طرف یعنی رسول اللہ سے لے کر آدم تک بیشتر انبیا اور بہت سی قدیم اقوام کا ذکر ہے، اس لیے 'مبتدأ' یعنی ابتدائے آفرینش

سے مبعث تک کی تاریخ جمع کرنا ایک طرح سے قرآن کی خدمت میں داخل ہے۔ لیکن قرآن میں تو صرف اشارے ہیں اور جو تفصیلات اخلاقی نتائج کے استنباط کے لیے غیر ضروری ہوں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مبعث کی تاریخ کا ماخذ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی بابت بھی انہیں اصولوں کے مطابق چھان بین کی جا سکتی ہے جو مبعث اور بعد اسلام کی تاریخ کے لیے وضع کیے گئے ہیں؟ بڑی پس و پیش کے باوصف اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تحقیق کے امکان کی بابت سوال کا جواب نفی میں دیا جائے اور اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں جو روایات توراہ اور انجیل کے حوالے سے پائی جاتی تھیں انہیں جوں کا توں نقل کر لیا جائے۔ یہی روایات ہیں جو 'اسرائیلیات' کے نام سے نہ صرف ہماری تاریخوں میں بلکہ تفسیروں میں بھی بھری پڑی ہیں۔ ان کے مرتبے کی بابت کبھی کوئی شک نہیں رہا یعنی ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن چونکہ لے دے کر بھلا برا یہی ایک ماخذ ہے لہذا اسے تمام تر ضائع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ 'ایام العرب' اور یمن کی تاریخ کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کرنا پڑا۔ بالخصوص یمن کی تاریخ تو بالکل افسانوی طرز کی ہے۔ دوسری قومیں تو وہ خود اپنی بابت جو کچھ بتائیں اسے نقل کرنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے، بس ایک ہوش مند کو اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ کے ذیل میں جو کچھ کہیں سے نقل لیا جائے وہ سب تحقیق طاب ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ جن اصولوں پر مرتب کی وہ تحقیق کے کم کو آسان بناتے ہیں۔ دوسری قومیں جو ان اصولوں سے نا آشنا رہیں ان کی تاریخ ہمیشہ کے لیے دھندلی ہی رہے گی۔ اسلام سے پہلے خود عربوں کے یہاں تاریخ کا تصور بس ایک قصے اور داستان کا سا تھا، جسے یا تو دشمن کے خلاف کارروائیوں میں دل بڑھانے کے لیے یا آپس میں بیٹھ کر دل بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، خود اسلام کے زمانے میں یمن کی افسانوی تاریخ سے یہی کام لیا گیا۔ ایران کی تاریخ تو خاص طور پر اس مقصد کے لیے موزوں سمجھی گئی۔ قرآن کے روزے لیے رستم و اسفندیار کے قصے مجلسوں میں سنانے گئے اور جس طرح

قرآن کو شعر کہا گیا اسی طرح 'اساطیر الاولین' بھی کہا گیا۔ اسلام نے ان دونوں تہمتوں کا انکار کر کے زندگی کے حقائق اور تاریخ کے 'واقعات' کو از روئے عقل سمجھنے اور سمجھ کر فرد اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی۔ حقیقت اور 'واقعہ' کی چھان بین اور جستجو کا بیج اسلام ہی نے مسلمانوں کے ذہن میں بویا۔ اس کے آثار صرف تاریخ ہی میں نمایاں نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی جلوہ گر ہیں مثلاً مسلمانوں ہی نے علم نجوم کو اوہام و خرافات سے پاک کر کے جدید تجربی علم ہیئت و افلاک کی بنا ڈالی۔

خبر کا طریقہ، جس کا اوپر ذکر ہوا، خالصتاً معروضی ہے۔ راوی کا فرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ واقعہ بیان کر دے۔ مورخ کا یہ کام ہے کہ وہ اخبار کو جمع کر دے۔ نہ تو راوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے اور داخلی تاثرات کو خبر میں شامل کرے اور نہ ہی مورخ اخبار جمع کرتے وقت ایسا کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر ایک واقعے سے متعلق دو متضاد یا مختلف خبریں ہوں تو مورخ ان دونوں کو نقل کر کے ایک کو قوی اور دوسری کو ضعیف بتا دیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب ایک عہد کے متعلق اخبار جمع ہو جائیں تو بعد میں آنے والے مورخ ان میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ بہت کیا تو یہ کہ پیشرو مورخین کے جمع کردہ اخبار میں سے اسناد حذف کر کے واقعات کے بیان میں کچھ اختصار اور ربط و تسلسل پیدا کر دیا۔ ہاں! اخبار کا سلسلہ جہاں پیشرو مورخین ختم کرتے ہیں بعد میں آنے والے وہاں سے شروع کر کے 'ذیل' لکھتے ہیں یعنی بعد کے دور کے اخبار اسی نہج پر جمع کر دیتے ہیں اور اس طرح یہ ذیول کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ تاریخ میں خبر ہی خبر کا دور دورہ رہا، یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا گیا کہ اس میں 'بحث و نظر' کا کوئی کام نہیں۔ اسی لیے اس کو ادب اور ثقافت عامہ کا ایک ایسا جز قرار دے دیا گیا جس کو باقاعدہ حلقہٴ درس میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

الاعلان بالتویخ

پڑھنے والے خود ہی اپنے طور پر پڑھ لیا کرتے تھے۔ بیشتر مورخین اپنے بہترین اوقات کسی دوسرے علم میں بحث و نظر کے لیے مخصوص کرتے تھے، جب دماغ سوزی سے تھک جاتے تو تفریح کے لیے تاریخ کا ہلکا ہلکا کام بھی کر ڈالتے تھے۔

تاریخ کے لیے دماغ سوزی اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کی ضرورت نہ ہونا اور بات ہے لیکن علم تاریخ کے ضروری، مفید اور دلچسپ ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ایک تو دینی علوم، بالخصوص حدیث اور اسماء رجال، میں تاریخ کی مدد ناگزیر تھی، دوسرے بادشاہوں، حاکموں، مدبروں کے لیے تاریخ کی سبق آموزی مسلم تھی، ویسے بھی عام مجالسوں میں تاریخی معلومات سے ایک انسان کی تہذیب و شائستگی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ نصاب تعلیم میں اس کا کوئی خاص اہتمام ہو، تاریخ کا علم ترقی کرتا گیا اور اس کا رواج بڑھتا گیا۔

البتہ جب انحطاط کا دور آیا اور ہمتیں پست ہو گئیں تو تاریخ کا زائد از نصاب مطالعہ بے توجہی کا شکار ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ کچھ لوگوں نے اس کی تنقیص شروع کر دی۔ اس صورت حال سے سخاوی کو تشویش ہوئی تو انہوں نے 'الاعلان بالتویخ' تصنیف کی۔ اس میں انہوں نے علمی طریقے پر تاریخ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ متقدمین کی تحریروں کے اقتباسات سے علم تاریخ کے شرف اور مرتبے پر روشنی ڈالی ہے اور تاریخ میں مسلمانوں کے گونا گوں کارناموں کا جائزہ لیا ہے۔

کتاب بیشتر اقتباسات پر مشتمل ہے۔ اقتباسات میں سخاوی نے یہاں وہاں تصرف بھی کیا ہے۔ گو آج سب اقتباسات کا اصل کتابوں سے مقابلہ کرنا آسان نہیں، پھر بھی ان کی صحت میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جہاں جہاں سخاوی دو شک تھا اور جو مقامات ان کے نزدیک تحقیق طلب تھے ان سے انہوں نے خود ہی پوری دیانت کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے۔ یہی امر اس باب کی بھی علامت ہے کہ انہیں نصاب پر نظر ثانی

کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ایک دو جگہ لمبے لمبے اقتباسات مکرر ملتے ہیں جن کی حیثیت مصنف کی یادداشتوں کی سی معلوم ہوتی ہے۔ سخاوی اور ان کے استاد ابن حجر دونوں کی جولانی کا اصل میدان علوم حدیث ہیں۔ 'الاعلان بالتوبيخ' میں بھی یہی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ البتہ یہ رنگ اس حقیقت سے پوری طرح میل کھاتا ہے کہ علم تاریخ کا، علوم حدیث سے گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ اسی حقیقت کو اجاگر کرنے میں سخاوی نے اپنا پورا زور لگا دیا ہے۔

الغرض مسلمانوں نے بڑی ہی ٹھوس بنیادوں پر علم تاریخ کی شاندار عمارت قائم کی۔ یہ بنیادیں وہ ہیں جو عقل کے نزدیک پوری طرح قابل اعتماد ہیں اور دیانت و امانت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں۔ جو جذبہ اس عمارت کی تعمیر میں کار فرما تھا وہ دین کے تحفظ کا جذبہ تھا۔ اسی وجہ سے تاریخ کے سر پر تادیر علوم حدیث کا سایہ رہا۔ مسلمانوں کو حقیقت اور واقعہ سے ایسا شغف رہا کہ ان کا ادب بھی صدیوں تک قصہ و خرافات کے بجائے تاریخ سے وابستہ رہا، اور جب بھی تاریخ میں قصہ و خرافات کا رنگ آیا تو اسے شدید نفرت سے مٹا دیا گیا۔ 'قصاص' کے خلاف نہ صرف تادیبی بلکہ تعزیری کارروائیاں عمل میں آئیں۔ خبر اور اس کی روایت کے اعلیٰ معیار کو شدت کے ساتھ برقرار رکھتے ہوئے جہاں تک ترتیب و تصنیف کا تعلق ہے کوئی ممکن صورت ایسی نہیں جسے مسلمانوں نے نہایت سلیقے سے نہ آزمایا ہو۔ 'الاعلان بالتوبيخ' میں اس کی پوری پوری تفصیلات ملیں گی۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ علم تاریخ کی عمارت کی بالائی منزلوں میں طرز تعمیر کا کیسا تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ تاریخ کی مختلف اقسام کو یہاں دہرا لاطائل ہے، البتہ ایک چیز بطور خاص توجہ کے لائق ہے، وہ یہ کہ 'الاعلان بالتوبيخ' میں نہایت واضح علمی اصولوں کے مطابق مرتب کردہ فہارس کے نمونے مندرج ہیں جو حد درجہ مفید ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس میدان میں جدید مغربی اقوام گوئے سبقت لے گئی ہیں۔

137779

الاعلان بالتوبيخ

ہاں یہ ضرور ہے کہ مسلمان علوم حدیث میں اس قدر مشغول رہے کہ انہیں تاریخ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملی ، مطلب یہ کہ وہ تاریخ کے مواد-اخبار و روایات-پر تنقید و تبصرہ اس انداز سے نہ کر پائے جس انداز سے انہوں نے ایک ایک حدیث پر کیا۔ مسلمانوں کی علمی برتری کے بالکل آخری دور میں ابن خلدون نے تاریخ کے مواد کی چھان بین کی ضرورت جتائی ، اور اس سے بھی بڑھ کر واقعات کے اسباب و علل ڈھونڈنے کی نئی راہ دکھائی۔ لیکن ابن خلدون کے جلد ہی بعد تنزل و ادبار کا اندھیرا کچھ ایسا چھایا کہ نئی راہیں نکالنا تو درکنار پرانی ڈگر پر چلنا بھی دشوار ہو گیا۔ معلوم نہیں آج ہم نشأۃ ثانیہ کے دور میں ہیں یا نہیں ، بہر حال وہ علمی فریضہ جس سے ابن خلدون نے آگاہی بخشی تھی ، بدستور امت اسلامیہ پر قرض ہے۔ اس قرض کو امت اسلامیہ کا کا وہی طبقہ ادا کر سکے گا جو موجودہ دور میں مغرب کو اپنی روشنی سے دیکھے نہ کہ مغرب کی روشنی سے اپنے آپ کو۔ امید ہے کہ 'الاعلان بالتوبيخ' کے ترجمے کا مطالعہ اردو خوان طبقے میں خود شناسی اور خود اعتمادی کا موجب ہوگا۔

سید محمد یوسف

شعبۂ عربی

جامعہ کراچی

۵ مئی ۱۹۶۷ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارے امتداد - شیخ ، امام ، علامہ ، شیخ الاسلام ، علم بردار ، سنتِ سید البشر ، خاتمہ حُفَظِ مُحَمَّدِیْن ، سرکوب بدعتیان و مفسدین ، ابوالخیر محمد شمس الدین بن شیخ ، مفسر ، قاری زین الدین عبدالرحمن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان سخاوی ، قاہری - شافعی (اللہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو ان کے علوم سے مستفید اور ان کی برکتوں سے فیض یاب کرے - آمین) فرماتے ہیں :-

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو رات اور دن کو گردش میں لانا ہے ، جو بندوں کو گذشتہ زمانوں اور پارینہ ایام کی بہت سی باتوں سے آگاہی بخشتا ہے ، جو اس امت کو ایک ایک ماہ و سال کی مکمل اور مسلسل یادداشت کا شرف عطا کرتا ہے ، وہ جسے چاہتا ہے اُسے ایسے علوم عقلیہ و نقلیہ سے سرفراز کرتا ہے جو پیرے موتی سے نہیں بڑھ چڑھ کر ہیں ، نیز وہ دانش مندوں کو ' انسان ' اور ' زمان ' سے واقفیت بخشتا ہے اور زینہ بزینہ اوپر چڑھتا ہوا راستہ ایسی پسندیدہ عبارت اور بہترین انداز سے بتاتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ جاتی ہے -

درود اور سلام اُس بہترین مخلوق پر جس پر یہ آیت نازل ہوئی :

” وَكَلَّمَ اللَّهُ نُوْحًا عَلَیْكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ التَّرْمِیْلِ مَا نُوْحٌ اَشْبَهْتُ بِهٖ فُوَادِکَ “

(ہم تم کو رسولوں کے احوال سے متعلق وہ تمام باتیں سناتے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کر دیں گے) یعنی ایسا کر دیں گے کہ

دوست و دشمن دونوں کے لیے خلوص سے بھرپور ہو جائے گا۔ اللہ ان پر رحمت بھیجے اور ان کے آل و اصحاب پر اور سب سادات اور غیر سادات پر جو ان کے پیرو ہیں۔

آغاز کلام : اگرچہ فن تاریخ کی خدمت عالم کے لیے بہت بڑی سعادت ہے ، بلکہ صحیح الرأی اصحاب کے نزدیک یہ ان ضروری علوم میں سے ہے جن پر ' احکام خمسہ ' کا اطلاق ہوتا ہے ، اس کے باوجود میں نے اس کے فضائل کے بارے میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو پیام بچھائے اور الجھن دور کر دے ، یہاں تک کہ بعض بد بخت جو باریکیاں تو درکنار موٹی موٹی باتوں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اس فن اور اس کے خدمت گزاروں کی مذمت پر اتر آئے ، اس لیے میں نے تمہیں کیا کہ ذی علم اصحاب اور کار آمد باتوں کے شائقین کو [ص : ۶] اس سلسلے کی لاپدی اور اہم نگارشات کا ارمغان پیش کروں اور بتاؤں کہ اس فن میں (سلف کے بتائے ہوئے) کون کون سے فائدے ہیں ، ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی آشکارا کر دوں کہ یہ علم مانے ہوئے بنیادی علوم میں سے ہے۔

ابتدا میں اس فن کی

- ۱ - تعریف درج کروں گا پہلے باعتبار لغت پھر باعتبار اصطلاح ، بعد ازاں
- ۲ - اس کا موضوع ،
- ۳ - اس کے فوائد جن کو ثمرہ اور حاصل کہا جاتا ہے ،
- ۴ - اس کی غایت ،
- ۵ - اس کا حکم یعنی واجب ہے یا مستحب یا مباح ،
- ۶ - وہ دلیلیں جو اس کے حق میں کتاب و سنت اور دیگر ماخذوں سے واضح طریقے پر مستنبط ہیں ،
- ۷ - برائی ان پُر تقصیر لوگوں کی جو اس میں عیب نکالتے ہیں ،
- ۸ - اس کے خدمت گزاروں کے لیے مقررہ شرطیں کیا ہے ۔

۱ - واجب ، مستحب ، مباح ، مکروہ ، حرام ۔

الاعلان بالتوہیح

۹۔ کس نے سب سے پہلے تاریخ کا حکم دیا اور وقت و ساعت کی گردش کے لیے سہینے اور ہجرت سے اس کی ابتدا کی ، - اس کے بعد

۱۰۔ اس فن کی وہ تالیفات جو میرے علم میں ہیں اور جن کے موضوع گوناگوں ہیں ، جیسے اشخاص ، ممالک ، اور دیگر مختلف اقسام ، - اور اس کے بعد

۱۱۔ اس فن کے مصنفین اور ساتھ ہی ساتھ

۱۲۔ ' جرح و تعدیل ' کے ممتاز علما ۔

گو مضمون کا پورا احاطہ تو نہیں کیا جا سکا تاہم ہم نے کافی بحث و تمحیص سے کام لیا ہے ، الغرض یہ دس بلکہ اس سے کچھ زائد امور ہیں جن کے ذریعے تاریخ کو تاریکیوں میں ڈالنے کا سد باب کیا ہے ۔ میں نے اس کتاب کا نام رکھا ہے ' الاعلان بالتوہیح لہن ذم اہل التوہیح ' (اعلان سرزنش اہل تاریخ کی مذمت کرنے والوں کے لیے) ۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جاہلوں کے جہل سے محفوظ رکھے اور ماضی ، حال اور مستقبل میں اپنے لطف و کرم سے ہرے مارے کاموں میں مغفرت شامل حال رکھے ۔

۱۔ تاریخ کی تعریف (الف) از روئے لغت

لغت میں تاریخ کے معنی ہیں 'وقت کی نشان دہی' ، "ارتخت الکتاب و ورختہ" بول کر مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے کتابت کا وقت دج کر دیا ۔

جوہری 'ا' کہنا ہے : تاریخ کے معنی ہیں وقت بتانا ۔ تاریخ 'ا' تواریخ دونوں ایک ہیں ۔ "ارتخت" بھی بولتے ہیں اور "ورختہ" بھی ۔ کہا جاتا ہے یہ 'ارخ' (ہمزہ پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وحشی گائے کے جھوٹے مادہ بچے ، اس لیے

۱۔ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجدیہری ، ف ، ۲۶۶ ، مصنف 'صحاح'

کہ تاریخ بھی اسی طرح تازہ بہ تازہ ظہور پذیر ہوتی ہے جیسے کہ
بچے - (۵ ق)

اصمعیٰ دونوں لفظوں میں فرق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بنو تمیم
”ورخت الکتاب تواریخا“ (واو کے ساتھ) بولتے ہیں اور قیس ”ارختہ
تاریخا“ (ہمزہ کے ساتھ) -

اس طرح اس لفظ کے عربی ہونے کی تائید ہوتی ہے - ایک قول یہ
بھی ہے کہ یہ خالص عربی نہیں بلکہ معرب ہے اور فارسی ’ماہ روز‘
سے بنا ہے - ماہ یعنی چاند اور روز یعنی دن جس میں رات اور دن دونوں
شامل ہیں -

ابو منصور الجوالیقی (۲) اپنی کتاب ”المُعَرَّب من الکلام
الاعجمی“ میں لکھتے ہیں کہ ’تاریخ‘ جو عام طور سے لوگ لکھتے
ہیں ، خالص عربی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے اہل کتاب سے لیا ہے -
مسلمانوں کی تاریخ ہجرت کے سنہ سے بتائی جاتی ہے - حضرت عمر رضی
خلافت میں اس کے لکھنے کا آغاز ہوا ، اس کے بعد سے آج تک وہی تاریخ
چلی آتی ہے (۵ ق) [ص : ۷]

ابوالفتح قدامة بن جعفر الکاتب^۳ اپنی ’کتاب الخراج‘ میں
لکھتے ہیں کہ کسی چیز کی تاریخ سے مراد ہوتا ہے اس کا آخری سرا ،
اسی لیے اس وقت سے تاریخ بتاتے ہیں جس میں مشہور واقعات رونما
ہوئے -

صولی^۴ کا بھی یہی کہنا ہے کہ کسی چیز کی تاریخ سے مراد ہے
اس کی وہ انتہا اور وقت جہاں تک زمانے کا سرا پہنچتا ہے - اسی بنا
پر کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنی قوم کی تاریخ ہے - اس کے ایک معنی تو یہ

۱ - عبدالملک بن قریب الاصمعی ، ف ۲۱۵ یا ۲۱۶ یا ۲۱۷ -

۲ - مویوب بن احمد الجوالیقی ، ف ۵۳۹ -

۳ - ف ۵۳۱ -

۴ - مجد بن یحیی الصولی ، ف ۳۳۵ یا ۳۳۶ -

ہوتے ہیں کہ قوم کی عزت اس پر ختم ہوتی ہے ، مطہر رزی^۱ نے یہی معنی لیے ہیں اور اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ تمام کارہائے نمایاں - کرم فخر وغیرہ - اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں - دوسرے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ اس کو اخبار اور متعلقہ باتیں خوب یاد ہیں - جو لوگ اس لقب سے یاد کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک ابو البرکات محمد بن سعد بن سعید البغدادی العسالی المقری^۲ الحنبلی ہیں جنہوں نے سنہ ۹۰ھ میں وفات پائی -

تاریخ کی تعریف (ب) از روئے اصطلاح

اصطلاح میں اس کے معنی ہیں وقت بتا کر سارے احوال کو متعین کرنا مثلاً راویوں اور اماموں کی ولادت ، وفات ، صحت عقل و بدن ، رحلت و حج ، حفظ و یاد داشت ، سچائی پر اعتماد (توثیق) اور عدم اعتماد (تجریح) - الغرض اس قسم کی تمام وہ باتیں جو ابتدائی ، درمیانی اور مابعد کے زمانے میں ان کے حالات کی جستجو سے برآمد ہوتی ہیں - اسی ذیل میں مختلف حوادث اور بڑے بڑے واقعات بھی آتے ہیں مثلاً کسی بلا کا پھٹ پڑنا ، کوئی نیا فرض عائد ہونا ، نئے خلیفے اور وزیر کا آنا ، کوئی غزوہ جنگ یا لڑائی ، کسی شہر کا فتح ہونا اور زبردست کے قبضے سے نکلنا ، حکومت کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ چلا جانا - بسا اوقات اس کو یہاں تک وسعت دی جاتی ہے کہ آفر نیش خفی اور نبیوں کے قصے بھی آجاتے ہیں ، اسی طرح گزشتہ امتوں کی باتیں ، قیامت کے حالات اور اُس سے قبل رونما ہونے والے واقعات ، نیز اس سے اعلیٰ درجے کی باتیں جو مشہور ہوں ، عام مشاہدے میں آئیں ، اور جن سے سبھی لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں مثلاً مسجد ، مدرسہ ، پل اور سڑک کی تعمیر ، یا پھر وہ امور جن کے

۱ - ناصر بن عبدالستید المطہری ، ف ۲۶۱ ، مصنف 'المغرب'

(حیدرآباد ، ۱۳۲۸ھ)

۲ - مقری = قاری

اسباب ظاہر نہیں ہوتے ، خواہ وہ حادثات سماوی ہوں جیسے ٹڈی دل ، چاند گرہن ، سورج گرہن ، یا حادثات ارضی جیسے بھونچال ، آگ ، سیلاب طوفان ، قحط ، طاعون ، وبا اور دیگر بڑے حادثات و عجائبات ۔

الغرض یہ وہ فن ہے جس میں مارے زمانے کے واقعات سے بحث کر کے ان کی تحدید اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے ۔ یوں کہنا چاہیے کہ اس میں ساری دنیا کے واقعات سے بحث ہوتی ہے ۔

۲۔ تاریخ کا موضوع

تاریخ کا موضوع ہے ' انسان ' اور ' زمان ' ۔ اس کے مسائل انہی دونوں کے احوال سے متعلق ہوتے ہیں اور اس کی تمام جزئیات ان حالات و افعالی کے دائرے میں بیان ہوتی ہیں جو انسان کو دوران زمانہ میں پیش آتے ہیں ۔

۳۔ تاریخ کا فائدہ

[ف : ۱] تاریخ کا فائدہ یہ ہے کہ سب باتوں کا صحیح صحیح علم حاصل ہو جائے ۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دو خبریں جن میں تعارض ہو اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کے علم کا ایک ذریعہ تاریخ ہے ۔ اس کی (۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ ایسا وقت بتایا جائے جو بعد کا ہو مثلاً " میں نے اس کو مرنے سے [ص ۸] ایک سال قبل دیکھا تھا " یا اسی سے ملتی جلتی کوئی اور بات ۔ (ب) دوسری صورت یہ کہ روایت کسی بعد کے صحابی کی ہو ، اس کی تصریح کبھی کبھی راوی خود ہی کر دیتا ہے مثلاً آخر آخر میں رسول اللہ (صلعم) نے ان چیزوں کے (کہانے کے) سبب وضو کرنا چھوڑ دیا تھا جو آگ پر تیار کی گئی ہوں " ایسا ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ " رسول اللہ (صلعم) فتح مکہ سے قبل تو جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو غسل کرنے لگے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسروں کو بھی آپ نے اس کا حکم دیا " ۔

الأعلان بالتوبيخ

[ف ۲] تاریخ ہی کے ذریعے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت بعض 'مختلطین' (گڈ سڈ کرنے والوں) کے حوالے سے پہنچی ہے وہ پرانی (یعنی خلیل دماغ سے قبل کی) ہے یا برعکس۔

[ف ۳] اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس شخص سے روایت کر رہا ہے اس سے کبھی سلا نہیں ہے بلکہ یا تو جھوٹ بول رہا ہے یا 'ارسال' (یعنی بیچ کے راوی کا نام حذف) کر رہا ہے۔ اسی سے یہ پتا لگتا ہے کہ سند میں کیا انقطاع ہے یا عضل یا تدلیس یا ارسال، خواہ وہ ظاہر ہو یا خفی۔ کیونکہ تاریخ سے مثال کے طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے اُس کا ہم عصر نہیں یا ہم عصر تو ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں، اس لیے کہ دونوں مختلف شہروں سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں میں سے کوئی نہ تو دوسرے کے شہر گیا نہ حج یا دیگر مواقع پر اس سے ملا درآنحالیکہ اس نے وہ حدیث بطور 'اجازة' (تحریری اجازت) یا ایسے ہی کسی دوسرے طریقہ سے بھی حاصل نہیں کی۔

جب بعض حفاظ حدیث دو یونس بن یحییٰ الدؤدب ۲ کے لیث ۳ سے روایت کرنے میں اشکال نظر آیا اور خیال یہ ہوا کہ ان دونوں کے ماہین سلسلہ منقطع ہے اس لیے کہ وہ مختلف شہروں کے تھے، تو میزبانی ۳ نے کہا

۱۔ از روئے اصطلاحات حدیث: انقطاع: ایک یا چند راوی جا بجا ہوں متروک ہوں؛ عضل: آخر سند سے صحابی کے تہجے وہ یا دو سے زائد راوی مسلسل چھوڑ دے گئے ہوں؛ تدلیس: کسی الفاظ میں روایت کرنا جن سے لقاء و سماع کا شہد ہو اور واقع میں ایسا نہ ہو؛ ارسال خفی: ایک ہم عصر دوسرے ہم عصر سے جس سے ملاقات نہ ہو اس لیے الفاظ میں روایت کرنے جس سے ظاہر بلا واسطہ روایت سمجھی جائے۔ حالانکہ ان کے درمیان میں کوئی راوی متروک ہو۔

۲۔ ف ۲۰۸

۳۔ اللیث بن سعد، ۵۱

۴۔ یوسف بن عبدالرحمن العیزری، ف ۲۰۸، مصنف "تہذیب الکمال"

الاعلان بالتوبيخ

” ممکن ہے وہ حج کے موقع پر ملے ہوں “ پھر کہا ” بلکہ ممکن ہے بغداد میں (ملے ہوں) جب لیث ایک خاص کام سے وہاں گئے تھے “

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ خطیب^۱ نے عبدالملک بن حبیب^۲ کو مالک^۳ سے روایت کرنے والوں میں درج کیا ہے حالانکہ انہوں نے تو مالک کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سفر کیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ان کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے۔

اسی طرح ابن النجار^۴ نے محمد بن الجهم السوسی^۵ کے حالات زندگی کو محمد بن الجهم الشامی^۶ کے ساتھ گڈ گڈ کر دیا اور السوسی کی سند سے ایک قصہ بیان کیا جسے انہوں نے المہتدی باللہ بن الواثق سے سنا کہ اپنے والد (الواثق) کی خلافت کے زمانے میں وہ ان کے سامنے حاضر ہوئے..... ہمارے شیخ (ابن حجر) کا کہنا ہے کہ یہ بہت بڑا سہو ہے اس لیے کہ دراصل شامی نے اس قصے کو سوسی کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سنا اور مہتدی کے والد الواثق کی موت سوسی کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد ہوئی۔

ابن السمعانی^۷ کو اپنی کتاب الانساب، باب القدر احی، میں یہ شبہ پڑا کہ عبداللہ بن میمون القدر احی نے اسمعیل بن جعفر الصادق کی موت کے بعد ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کو ابن الاثیر^۸ نے یوں رد

۱ - ابو بکر احمد بن علی، الخطیب البغدادی، ۳۹۲ - ۵۶۳، مصنف 'تاریخ بغداد'

۲ - ف ۲۳۸ یا ۵۲۳۹ -

۳ - امام مالک بن انس، ف ۵۱۷۹ -

۴ - محمد بن محمود بن النجار، ف ۶۳۳، مصنف 'ذیل تاریخ بغداد' -

۵ - ان کی نسبت 'البرمکی' زیادہ مشہور ہے -

۶ - مشہور شاعر علی بن الجهم کے بیٹائی تھے -

۷ - عبدالکریم بن محمد السمعانی ف ۵۶۲ -

۸ - غالباً 'کامل' کے مصنف علی بن محمد، ف ۵۶۳ مراد ہیں -

کیا کہ اسمعیل اپنے والد جعفر الصادق کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے ، پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ قداح ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے درآنحالیکہ ان کے والد موجود ہوں ۔

حافظ عبدالغنی نے ' الکمال ' میں جو یہ لکھا ہے کہ جابر بن نوح الحتمانی سنہ ۲۰۳ میں فوت ہوئے ، تو مزنی نے اسے خطا پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ ایسا نہیں بلکہ سنہ ۱۸۳ [ص ۹] ہے ۔ اس کے رد میں ہمارے شیخ کا کہنا ہے کہ مزنی نے اپنی کتاب میں جو غلطیاں کی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے ۔ وہ عبدالغنی کی تائید میں زہری کا اور احمد بن حنبل^۲ کا جو حتمانی سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں ، یہ قول لاتے ہیں کہ حمانی نے سنہ (ایک سو) چھیاسی کے بعد ہی سفر کیا ہے ۔ اسی طرح حمانی سے روایت کرنے والوں میں احمد بن یسار^۳ اور محمد بن طریف البجلی^۴ ہیں اور ان دونوں نے سنہ (ایک سو) نوے کے بعد ہی حدیث سنی ۔ ان سب وجوہ سے ' الکمال ' کے مصنف کا قول قابل ترجیح قرار پاتا ہے ۔

کچھ لوگوں نے سجمیع بن یعنوب بن مجمع بن یزید بن جاریہ الانصاری کی وفات سنہ ۱۶۰ میں بتائی ہے ۔ ذہبی^۵ کو اس میں تامل ہے اس لیے کہ قتیبہ^۶ ان سے روایت کرنے والوں میں ہیں اور قتیبہ کا سفر سنہ ۱۶۰ کے بعد ہی ہوا ، البتہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے ۔

سفیان ثوری^۷ فرماتے ہیں : جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو

- ۱ - عبدالغنی بن عبدالواحد الجمعی علی المقدمی ، ف . ۵۶۰ -
- ۲ - امام احمد بن محمد بن حنبل ، ۱۶۴ - ۵۲۴ -
- ۳ - ف ۵۲۵۸ -
- ۴ - ف تقریباً ۵۲۴ ،
- ۵ - محمد بن احمد الذہبی ۳ - ۶ - ۳۸ -
- ۶ - قتیبہ بن سعید ، ف ۲۴ یا ۵۲۴ -
- ۷ - سفیان بن سعید الثوری ، ف ۱ - ۱۶۲ - ۵ -

ہم نے ان کے مقابلے میں تاریخ کو لا کھڑا کیا۔

حسستان بن زید^۱ سے مروی ہے کہ ”کذا“ ابن کے خلاف کوئی چیز اتنی کارگر نہیں جتنی تاریخ۔ ایک شیخ سے جب یہ پوچھا جائے کہ آپ کس سنہ میں پیدا ہوئے اور وہ اپنی پیدائش بتا دے، ساتھ ہی ہمیں اس (کے شیخ) کی وفات کا بھی، جس سے کہ وہ نسبت رکھتا ہے، علم ہو جائے تو پھر ہم اس کا جھوٹ سچ پہچان لیتے ہیں۔

حفص بن غیاث القاضی^۲ سے مروی ہے کہ ”جب تم کسی شیخ کی باتوں میں شک کرو تو دونوں عمروں سے اس کی جانچ پڑتال کر لو یعنی حساب لگا لو خود اس کی عمر کا اور جس سے کہ وہ نقل کرتا ہے اس کی عمر کا۔“

اسماعیل بن عیاش^۳ نے ایک شخص سے امتحاناً پوچھا: تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی؟ اس نے جواب دیا: سنہ ۱۱۳ھ میں۔ اس پر انہوں نے کہا: اچھا تو آپ کا کہنا یہ ہے کہ آپ نے ان کے مرنے کے سات سال بعد ان سے حدیث سنی!۔

سہیل بن ذکوان ابو السنندی نے عائشہ رضی سے روایت کی اور یہ بتایا کہ وہ عائشہ رضی سے واسط میں ملے تھے۔ یہ ہوتا ہے انداز جھوٹ بولنے کا! اس لیے کہ عائشہ رضی تو حجاج کے شہر واسط کی بنا ڈالنے سے بہت پہلے فوت ہو گئیں تھیں^۴۔

اسی قسم کا ابن السنادی^۵ کا قول ہے کہ أعدش نے ابو بکر الثقفی

۱ - یا حماد بن زید؟

۲ - ف ۱۹۵ یا ۱۹۶ھ۔

۳ - ف ۱۸۲ھ۔

۴ - عائشہ کی وفات سن ۵۸ھ میں ہوئی اور حجاج بن یوسف نے سنہ ۸۳ھ اور ۸۶ھ کے درمیان واسط کی بنیاد ڈالی۔

۵ - غالباً احمد بن جعفر، ف ۳۳۶ھ، مراد ہیں۔

۶ - سلیمان بن مہران، ف ۱۴۷ یا ۱۴۸ھ۔

۷ - نسفی بن الحارث۔

کی رکاب تھامی۔ ہمارے شیخ کا کہنا ہے کہ یہ فاش غلطی ہے اس لیے کہ اعمش کی پیدائش سنہ ۶۱ یا ۵۹ء کی ہے اور ابو بکرہ کی وفات سنہ ۵۱ یا ۵۲ء میں ہوئی، پس کیونکر ممکن ہے کہ جو ان کی پیدائش سے تقریباً دس سال قبل مر چکا ہو اس کی رکاب تھامے۔ ہمارے شیخ نے مزید فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم) کہ انہوں نے ابن ابی بکرہ کی رکاب تھامی۔ 'ابن' کا لفظ تو چھوٹ گیا اور باقی لکھا رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب بھی تھا کہ سبزی، جو اپنے حفظ اور ملکہ، نقد کے لیے مشہور ہیں، کیسے اس سے بے خبر رہے۔

مسلم کے مقدمے میں درج ہے کہ معشی بن عرفان نے کہا: ابو وائل نے مجھ سے خبر بیان کرتے ہوئے [ص. ۱۰] کہا: "صیفین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہمارے مقابلے میں آئے....." اس پر ابو نعیم یعنی الفضل بن دکنین^۳ جو کہ معشی سے حکایت کرتے ہیں، کہتے ہیں: کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے؟ "یہ اس بنا پر کہ ابن مسعود خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاتمے سے تین سال قبل سنہ ۳۲ یا ۳۳ء میں فوت ہوئے اور جنگ صفین سے دو سال بعد علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی، پس یہ ممکن نہیں کہ ابن مسعود صفین میں ان کے مقابلے آئے ہوں۔

اسی قسم کی ایک بات یہ ہے کہ بعض حفاظ نے ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کے مذہب 'جریری' کی نسبت محمد بن جریر نظیری^۴ کی طرف بتائی ہے حالانکہ ابراہیم تو ابن جریر کے اسدہ کے طبقے میں آئے ہیں جیسا کہ تاریخ وفات و پیدائش سے پتا چلتا ہے۔ دراصل اس کا املاء زای منقوطہ اور جاء مسدود کے ساتھ ہے اور یہ 'حریز بن عثمان' کی

۱ - شقیق بن سلیحہ، ف ۵۲۹۔

۲ - عبداللہ بن مسعود۔

۳ - ف ۵۲۱۹۔

۴ - مشہور مورخ، ۲۲۳ یا ۲۰۵ - ۵۳۱۰۔

۵ - ف ۱۶۲ یا ۱۶۳ یا ۱۶۱۔

طرف نسبت ہے ۔

(ف ۴) علم تاریخ کے ذریعے ان غلطیوں کا بھی پتا لگ جاتا ہے جو 'متفقین' (ہم نام اشخاص) کے سلسلے میں واقع ہوتی ہیں باہن طور کہ ایک کی بات دوسرے کے پلٹے ڈال دی جائے جبکہ دونوں میں سے ایک کی پیدائش دوسرے کی وفات کے بعد ہو ، مثلاً أحمد بن نصر بن زیاد الہمدانی ، جنہوں نے سنہ ۳۱۷ میں وفات پائی ، ان کی بابت یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ أحمد بن نصر الداؤدی ہیں جن کی وفات سنہ ۴۰۲ میں ہوئی ۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں ۔

(ف ۵) بسا اوقات تاریخ کے ذریعے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ خطوط وغیرہ میں کیا جعل کیا گیا ہے ۔ وہ یوں کہ یہ پتا لگ جائے کہ جس حادثہ کی طرف ثبوت یا گواہ یا اسی قسم کے دیگر امور منسوب کیے گئے ہیں وہ خط کی مندرجہ تاریخ سے پہلے ہی مر چکا تھا ۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بعض یہودیوں نے ایک خط پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ (صلعم) کا خط ہے جس میں انہوں نے اہل خیبر کو جزیے کی معافی دی ہے ۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت تھی اور یہودیوں کا کہنا تھا کہ (وہ خط) علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔ سنہ ۵۴۲ میں یہ خط القائم کے وزیر رئیس الروساء ابوالقاسم علیؑ کے پاس پہنچا تو انہوں نے الحافظ الحجّۃ ابوبکر الخطیب کے سامنے رکھ دیا ۔ انہوں نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا ” یہ جعلی ہے “ ۔ ان سے پوچھا گیا ” آپ یہ کیسے کہتے ہیں “ ؟ انہوں نے جواب دیا : ” اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے جو فتح مکہؑ کے دن اسلام لائے تھے درآنحالیکہ فتح خیبر کا سنہ ۷ ہے ، اس میں سعد بن مسعود کی بھی شہادت ہے حالانکہ وہ فتح خیبر سے دو سال قبل بنو قریظہ کی لڑائی میں فوت ہو گئے تھے “ ۔ ان کی یہ بات وزیر کو بہت پسند آئی ، اس نے اسی کو مان لیا اور دستخط کر

۱ - علی بن الحسن ، ف ۵۴۵ ۔

۲ - فتح مکہ سنہ ۵۸ میں ہوئی ۔

دے اور جعل کھل جانے کی وجہ سے یہودیوں کو وہ کچھ نہ دیا جو اُس خط میں مذکور تھا۔

الرافعی^۱ (کی کتاب) میں ہے کہ ابن سُرَیج^۲ سے خیبر کے یہودیوں کے اس دعویٰ کی بابت پوچھا گیا کہ آیا علی رض نے ان کو جزیہ کی معافی لکھ کر دی تھی [ص ۱۱] تو انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان سے یہ بات مروی نہیں ہے (۵ ق)۔

جب خطیب نے مذکورہ بالا تحقیق کی تو رئیس الرؤسائے موصوف نے اس خط کے جعلی ہونے کی بابت ایک رسالہ لکھا اور ابوانطیسیب الطیبیری^۳، ابو نصر بن الصبتاغ^۴، محمد بن محمد البیضاوی^۵، محمد بن علی انداءمغانی^۶ اور دیگر سب ائمہ نے اُس پر اپنی تصدیق ثبت کی۔

المعافی بن زکریّا النہروانی^۷ نے اپنی کتاب 'الجلیس' کی ۶۴ ویں مجلس میں معمر بن شیبیب بن شیبیبہ کے واسطے سے لکھا ہے کہ انہوں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا " میں نے شافعی^۸ کا ہر بات میں امتحان لیا اور با کمال پایا، صرف ایک بات یہ رہ گئی ہے کہ میں ان کو اتنی نبیذ پلا کر دیکھوں جتنی ایک اچھے عقلمند انسان کو مغلوب کر دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شافعی کو بلایا اور نبیذ پلائی لیکن شافعی کے

۱۔ ہو سکتا ہے کہ 'تاریخ فزین' کے مصنف، عبدالکریم بن محمد ف ۵۶۲۳، مراد ہوں۔

۲۔ مشہور ابن سُرَیج - احمد بن عمر، ف ۵۳۰۶، کے علاوہ ذوقی اور شخص ہے۔

۳۔ طاہر بن عبداللہ ۳۴۸ - ۵۴۵۔

۴۔ عبدالسید بن محمد ۳۰۰ - ۵۴۷۔

۵۔ ۳۹۲ - ۵۴۶۸۔

۶۔ ۳۹۸ - ۵۴۷۸۔

۷۔ ف ۵۳۹۰۔

۸۔ امام محمد بن ادریس الشافعی، ۱۵۰ - ۵۴۰۔

پوش حواس ویسے کے ویسے رہے اور ان کے استدلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ ”المعافی اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں ”اللہ ہی جانے یہ کہاں تک سچ ہے۔“ ہمارے شیخ اپنی کتاب ’لسان‘ میں فرماتے ہیں : جس کو تاریخ سے ذرا بھی لگاؤ ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا کہ یہ سب جھوٹ ہے ، وجہ یہ ہے کہ شافعی دوسری صدی کے اختتام پر مصر پہنچے تھے ، مامون اُس وقت خراسان میں تھا ، بعد ازاں شافعی نے مصر میں اسی سال انتقال کیا جس سال کہ مامون خراسان سے عراق آیا ، یہ سنہ ۵۲۰ م تھا ۔ الغرض شافعی مامون سے اس کی خلافت کے زمانے میں ملے ہی نہیں ۔ پھر یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ شافعی ایسے فعل کے مرتکب ہوں گے جبکہ ان کا قول یہ تھا کہ ”اگر ٹھنڈے پانی سے میرے اخلاق میں خرابی پیدا ہو تو میں گرم پانی کے سوا دوسرا پانی نہ پیوں۔“

[ص : ۶] تاریخ ایک مستحق کی حق رسی کا بھی ذریعہ ہوتی ہے ۔ شیخ شمس الدین بن عمّار المالکی^۱ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا : جب انہوں نے مدرسہ مسلمیتہ واقع محلہ سیوریتین ، مصر ، میں مالکی فقہ کا درس دینا شروع کیا تو یہ جھگڑا اٹھا کہ وقف کرنے والے کی شرط کے مطابق مدرس کو چالیس سال کے لگ بھگ ہونا چاہیے ، چنانچہ انہوں نے ایک وثیقہ لکھا کہ ان کی عمر اس وقت ۵۴ سال تھی ۔

اسی طرح بدر بن القَطَّان^۲ نے زین العابدین بن الشَّرَفِ المُنَاوِرِ سے خروبیٹہ کی مدرسے چھین لی باوجودیکہ زین العابدین کے والد حیات تھے اور اشرف ابنال^۳ کے دور حکومت میں قضا کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے ، بنا یہ تھی کہ وقف کرنے والے کی شرط کے مطابق مدرس کی

- ۱ - محمد بن عمار ۷۶۸ - ۵۸۳۳ ۔
- ۲ - محمد بن محمد ۸۱۳ - ۵۸۷۹ ۔
- ۳ - محمد بن یحییٰ بن محمد ۸۲۹ - ۵۸۷۳ ۔
- ۴ - عہد حکومت ۸۵۷ تا ۵۸۶۵ ۔

عمر چالیس سال کے اوپر ہونی چاہیے اور زین العابدین اس وقت تک اس عمر کو نہیں پہنچے تھے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو 'فوائد الحلبي' جزء اول میں ابو اسمعيل ترمذی^۱ کے واسطے سے جو یہ منقول ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے بُوَ يَطِي^۲ کو کہتے سنا کہ شافعی رض سے پوچھا گیا "آپ کی عمر کیا ہے یا آپ کی پیدائش کب کی ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا [ص: ۱۲] "اپنی عمر بتانا کوئی شائستگی کی بات نہیں"۔ ابو اسمعيل ہی کے واسطے سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے عبدالعزیز الاویسی^۳ کو کہنے سنا کہ ایک شخص نے مالک سے پوچھا "ابو عبدالله! آپ کی عمر کیا ہو گی؟" انہوں نے جواب دیا: "تم اپنا کام کرو....."۔ ان اقوال کو اس وضع پر محمول کرنا چاہیے کہ سوال فضول اور بے ضرورت ہو، بالخصوص اس صورت میں کہ کسی نے کم عمری میں فضیلت حاصل کر لی ہو، اس لئے کہ سین رسیدہ خشک مزاج لوگ عموماً صغر سنی کو موجب حقارت گردانتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب یحییٰ بن اکثم تقریباً بیس سال کی عمر میں قاضی کے عہدے پر مامور ہونے اور کسی نے ان کی عمر پوچھی تو ان کا خیال اسی طرف گیا، چنانچہ انہوں نے جواب میں کہا "میرا سین زیادہ ہے عتّاب بن أسید^۴ کے سین سے جبکہ نبی (صلعم) نے ان کو مکہ کا والی بنایا تھا (واقدی کے قول کے مطابق عتّاب کا سین اس وقت ۲۰ سال سے زیادہ تھا) اور سعاد بن جبّیل^۵ کے سین سے جبکہ نبی (صلعم)

۱ - محمد بن اسمعيل ، ف : ۴۲۸۔

۲ - يوسف بن يحيى ، ف : ۲۳۱ یا ۵۲۳۲۔

۳ - عبدالعزیز بن عبدالله ، ف تقریباً ۵۲۲۔

۴ - ف : ۴۱۳۔

۵ - ف : ۵۱۸۔

نے ان کو یتیم کا قاضی بنا کر بھیجا تھا ، نیز کعب بن سورہ کے سین سے جبکہ حضرت عمرؓ نے اس کو بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا ۔

ایسا ہی واقعہ ہمارے شیخ کمال بن الہمامؒ کے ساتھ پیش آیا وہ یوں کہ اشرف بترسبای نے اپنے مدرسہ کی صدر مدرسسی کے لیے ان کو دعوت دی تو ان کی کم سنی کی بابت چہ میگوئیاں اس کے کانوں تک پہنچائی گئیں چنانچہ جب اس نے عہدے کی خلعت پہنانے کے لیے انہیں بلایا اور ان کی عمر دریافت کی تو انہوں نے جواب میں یہی یا اسی قسم کی بات کہی کہ میں عتّاب اور فلاں فلاں سے بڑا ہوں اور اپنی عمر صاف صاف نہ بتائی ۔ البتہ ان مواقع سے قطع نظر دونوں نے اپنی اپنی پیدائش بتائی ہے ۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ بڑے ہیں یا نبی (صائم) ؟ تو انہوں نے کہا ” عمر میری زیادہ ہے ، مگر بڑے وہ ہیں “ اسی جواب کو ہمارے شیخ زین رضوانؒ نے دہرایا جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ بڑے ہیں یا شیخ الاسلام ابن حجرؒ ۔

(ف : ۷) تاریخ راوی کی یادداشت کی بھی ایک دلیل ہوتی ہے مثلاً وہ روایت میں کہتا ہے ” یہ پہلی چیز ہے جو میں نے اس سے سنی “ یا ” فلاں آخری شخص ہے جو فلاں سے روایت کرتا ہے “ یا ” جمعرات کو میں نے اُسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا “ یا ” میں نے اس سے حدیث سنی اس سے پیشتر کہ اس سے وہ حرکتیں صادر ہوں جو ہوئیں یا اس سے پیشتر کہ وہ بھول چوک کا شکار ہو “ ۔ متن حدیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جیسے ” پہلی چیز جو (نبوت کے سلسلے میں)

۱ - ف : ۵۳۶ -

۲ - کمال الدین محمد بن ہمام الدین عبدالواحد ، تقریباً ۷۹۰ - ۵۸۶۱ -

۳ - العباس بن عبدالمطلب ، ف : ۵۳۲ -

۴ - زین الدین رضوان بن محمد ، ۷۶۹ - ۵۸۵۲ -

رسول اللہ (صلعم) کو پیش آئی وہ سچا خواب ہے " یا " سب سے پہلی چیز جو منجملہ قرآن نازل ہوئی یہ ہے " یا " پہلی مسجد جو بلحاظ تعمیر مقدم ہے (رسول اللہ نے) فرمایا کہ وہ مسجد حرام ہے اُس کے بعد (مسجد) اقصیٰ - ساتھ ہی آپ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ ان دلوں میں کتنی مدت کا فصل ہے " یا " پہلا بچہ جو اسلام کے دور میں یعنی مدینہ میں پیدا ہوا وہ عبداللہ بن الزبیر ہیں " یا " آخر آخر جو بات رونما ہوئی وہ یہ تھی " اس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے یا جیسے رسول اللہ کا فرمانا دو شنبہ کی بابت کہ " اسی [ص: ۱۳] روز میری پیدائش ہوئی "۔ (الخ حدیث) یا " ہم ایسا کیا کرتے تھے تا آنکہ حبشہ پہنچے " یا " خیبر کی لڑائی کے دن رسول اللہ نے اس بات سے منع کیا "۔ اس سے ماتی جلتی اور بہت سی باتیں ہیں مثلاً یوں کہنا کہ " قبل اس کے کہ رسول اللہ پر وحی نازل ہو "۔ اسی کے پیش نظر پرانے لوگوں اور ان کے بعد آنے والوں میں سے بہتوں نے " اوائل " (اولیات) کو جداگانہ لکھا ہے ، ابو زکریا بن مندہ^۲ نے " آخر الصحابة متواتراً " (سب سے آخر میں مرنے والا صحابی) کو موضوع بنایا ہے ۔ بعض متأخرین نے علی لاطلاق " اواخر " پر جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں اور چونکہ متن احادیث میں اس قسم کی چیزیں بہت آتی ہیں اس لیے البیہقی نے انہیں گنولے کر ایک مستقل صنف بنا دیا ہے ۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تاریخ کی دو قسمیں ۔ سنندی اور مستثنیٰ ۔ علیحدہ علیحدہ کر دیتے ان صورتوں میں جہاں ان دونوں کا اشتراک پایا جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے مضطرب اور مقلوب^۳

۱ - لحظ ص ۸ -

۲ - یحییٰ بن عبدالنوباب ، ۴۳۳ - ۵۱۲ یا ۵۱۱ -

۳ - غالباً عبدالرحمن بن عمر ، ف ۵۸۲ -

۴ - " مضطرب " ۔ وہ حدیث جس کی سند میں کسی راوی کے پاس میں کوئی دوسرا راوی ہو اور کوئی وجہ ترجیح نہ ہو ، یا ایک ہی راوی کبھی کچھ بیان کرتے اور کبھی کچھ " مقلوب " ۔ وہ حدیث جس کے راویوں کے نام میں ثقبت و تاحیر ہو گئی ہو ۔

وغیرہ میں کیا ہے ۔

منجملہ ان مواقع کے جہاں متن احادیث میں تاریخ کا ذکر ہے یہ ہیں :

” زمانہ گردش کر کے اسی ہیئت پر پہنچا ہے جس پر وہ اُس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ، (چنانچہ) سال بارہ مہینے کا ہوگا.....“^۱

” جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ روزے شوال کے.....“

” رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت محرم کے روزوں کی ہے اور تاسوعا اور عاشورا کے روزوں کی “ ۔ یہ بھی ہے کہ ابن عباس کے نزدیک تاسوعا دسویں (محرم) ہے ۔

” مہینہ تیس اور انتیس کا ہوتا ہے “

” ایام بیض^۲ کے روزوں کا حکم اور عید کے دن روزے کی ممانعت ، نیز سنیچر کے دن روزے کی ممانعت بجز اس صورت کے کہ پہلے کا یا بعد کا ایک اور دن اس کے ساتھ ملا لیا جائے “

اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں ، جیسے :

” حج (نام ہے) عترۃ (میں وقوف) کا “

” اللہ نے پیدا کیا زمین کو سنیچر کے دن ، پہاڑوں کو اتوار کے دن ، درختوں کو پیر کے دن ، اندھیرے کو منگل کے دن ، روشنی کو بدھ کے دن ، چوپایوں کو جمعرات کے دن ، اور آدم کو جمعہ کے دن “ ۔

۱ - حجة الوداع کے موقع پر رسول اللہ کا ارشاد کہ ”نسیی“ (مہینوں میں من مانی زیادتی اور الٹ پھیر) کی وجہ سے ماہ و سال کے فطری حساب میں جو فرق پڑا تھا وہ دور ہو گیا ۔

۲ - ” سفید راتوں کے دن “ ۔ ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ جبکہ چاندنی اول سے آخر شب تک رہتی ہے ۔

رسول اللہ صلعم کا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یہ فرمانا کہ ” سو سال پورے ہونے پر ان لوگوں میں سے جو آج پائے جاتے ہیں ایک بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا “

یہ سب مثالیں تاریخ کی ضرورت کا پتا دیتی ہیں ، کم از کم اتنا تو ہے کہ ان سب مواقع میں تاریخ سے فائدہ ہوتا ہے ۔ اسی لیے ابن عباس سے منقول ہے (جیسا کہ آگے آئے گا) کہ تاریخ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کیا ہے ، چنانچہ فرماتا ہے : ” یسألونک عن الائمة ، قل ہی مواقیت ننتاس و الحج “ (لوگ آپ سے نئے چاند کی بابت دریافت کرتے ہیں ، کہہ دیجیے کہ اس سے مقررہ اوقات کی شناخت ہوتی ہے ، لوگوں کے اپنے معاملات کے اور حج کے بارے میں) ۔ قتادةؒ کا کہنا ہے کہ اللہ نے بلال کو مسلمانوں کے روزے ، افطار ، حج ، اور ان کی عورتوں کی عدت کے اوقات کی علامت بنایا ہے ۔

انبیا کی خبروں کا فائدہ

بسا اوقات تاریخ میں جو نبیوں (صاوات اللہ علیہم) کی خبریں ہوتی ہیں اور ان کے طرز عمل (سنت) کا ذکر ہوتا ہے ، نیز وہ خبریں جو علم اور ان کے مذاہب ، حکما اور ان کے مقولوں ، زاہدوں ، سالکوں اور ان کے نصائح سے متعلق ہوتی ہیں ۔ وہ سب کی سب بڑی کارآمد اور سود مند ہوتی ہیں اس لحاظ سے کہ ان کی بدولت انسان اپنی آخرت ، دین ، باطنی عقیدوں اور دینی معاملات میں اپنے طرز عمل کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے معاملات اور دنیاوی زندگی کو سدھارتا ہے ۔

بادشاہوں کی خبروں کا فائدہ

[ص : ۱۴] اسی طرح تاریخ کی وہ خبریں جو بادشاہوں اور ان کی سیاست ، حکومتوں کی ابتدا اور ترقی کے اسباب ، نیز ان کے خاتمے کے

۱ - قرآن ۱۸۹/۲ -

۲ - قتادة بن دعامة ، ف ۱۱۷ -

وجوہ ، فوج کے قائدین اور وزیروں کی تدبیروں اور ایسے ہی بہت سے ان حالات سے متعلق ہوتی ہیں جو دنیا میں ہمیشہ بار بار رونما ہوتے رہتے ہیں سب کی سب بہت مفید اور کارآمد ہیں۔ جو ان سے آگاہی حاصل کر لے وہ گویا ہمیشہ سے زندہ ہے ، ساری باتوں کا تجربہ رکھتا ہے اور تمام حالات کو خود آزما چکا ہے۔ اس طرح انسان کی عقل بڑھتی ہے اور وہ نامہجھی اور ناتجربہ کاری سے گزر کر آزمودہ کار بن جاتا ہے۔ اسی کو ایک شاعر نے نظم میں بیان کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا^۱۔

کسی سیّد^۲ نے کیا خوب کہا ہے : ” عقل کی دو قسمیں ہیں : مطبوع (فطری) اور مسموع (تعلیمی) اور اگر فطری عقل میسر نہیں تو تعلیمی عقل بے فائدہ ہے “۔

اچھے اخلاق والوں کی خبروں کا فائدہ

اسی طرح تاریخ میں ان لوگوں کا ذکر آتا ہے جو صاحبِ مروت و سخاوت ہوں ، وفاداری اور اچھے اخلاق کے مالک ہوں اور بہادری اور شہسواری کے لیے مشہور ہوں۔ یہ چیز بھی بلند ہمت اور پاک طینت اصحاب کے لیے بڑی ہی مفید اور کارآمد ہے۔ اس لیے کہ فطری طور پر ان خبروں کو سننے سے ان اصحاب کا دل خوش ہوتا ہے اور رغبت پیدا ہوتی ہے کہ وہ خبریں جن ہستیوں سے متعلق ہیں ان کی پیروی کریں اور انہیں جیسا بنیں تاکہ خود بھی تعریف اور ذکر خیر سے بہرہ ور ہوں اور ذکر خیر تو وہ چیز ہے کہ خلاصہ^۳ انسانیت (محمد صلعم) نے اس کا شوق دلایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی حنیفوں^۴ کے سردار ، ابراہیم خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بابت فرمایا ہے کہ ان کی دعا یہ تھی : ” واجتعلّٰ لیبی لیسان صدقٍ فی الاخیرین “ (اور ایسا کر دے کہ بعد میں

۱ - لفظ ص ۴۵ -

۲ - بعض دوسرے مصنفین اس قول کو حضرت علی رض سے منسوب کرتے ہیں۔ یہی قول ایک منظوم بیت کی شکل میں آگے آئے گا۔

۳ - حنیف = موحد ، ملت ابراہیمی کا پیرو۔

۴ - قرآن ۲۶/۸۴ - لفظ ص ۷۱ لفظی -

آنے والوں میں مجھے اچھائی کے ساتھ یاد کیا جائے۔ نیز بہت سے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ و السلام) کو یہ کہہ کر احسان جتنا ہے کہ ”وترکنا علیہم فی الآخرین“ (اور بعد کو آنے والوں میں ہم نے ان کا چرچا باقی رکھا)۔ یہی بات اپنی کائنات کی بہترین مخلوق [محمد] (علیہ افضل الصلاة و السلام) کو ان الفاظ میں جتائی ”و رفعتنا لک ذکرک“ (اور ہم نے تمہارے ساتھ یہ بھلائی کی کہ تمہارا نام بلند کر دیا)۔ ”و انتم لتذکرکم لک و ایتوہیک“ (اور بے شک اس سے تمہارا اور تمہاری قوم کا نام باقی رہے گا)۔

چونکہ پاک طینت لوگوں کو تاریخ (میں شمولیت) کا بہت زیادہ شوق ہوتا ہے اسی لیے ابو علی الحسن بن احمد بن عبداللہ بن البستان القرشی الحنبلی^۱، مصنف ”رسالة السکوت“ وغیرہا کا قول ہے: ”دل چاہتا ہے کہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں میرا تذکرہ کرتے خواہ کذاہین ہی کے ضمن میں زیور نہ ہوتا“۔ ایسے ہی کسی کو یہ وہم ہوا کہ میں صرف سرے بیووں کا تذکرہ کرتا ہوں تو اس نے کہا: کش میں سخاوی کی زندگی میں مر جاتا تاکہ وہ میرا تذکرہ کر دیتے!“

علم تاریخ کے بعض وہ بڑے بڑے فائدے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور بہت سی وہ باریک باتیں جو ان کے علاوہ ہیں اور جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے، ان سب کی طرف متعدد بڑے بڑے اسموں نے توجہ دلائی ہے، اور ان کے توجہ دلانے کا خاص مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں میں تاریخ کا چرچا ہو، جو جاہل اس کے منکر ہوں ان کا منہ بند ہو جائے اور جو باہمت مرد میدان ہوں وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

۱ - قرآن - ۷۸۱، ۳، ۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۹ -

۲ - قرآن ۹۳ / ۴

۳ - قرآن ۴۳ / ۴۴ -

۴ - ۳۹۶ تا ۵۳۷ زندہ تھے -

چنانچہ امام اعظم [ص : ۱۵] مجتہد مقدّم ، ہمارے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے : ” جو تاریخ حفظ کرے گا اس کی عقل ترقی کرے گی اور صلاحیت بڑھے گی “ ۔ اس (قول) کی روایت امام شمس الدین (شمس الدین) مجد بن الشہاب الباعونی نے کی ہے ، جیسا کہ آگے آئے گا اور انہوں نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے ۔

امام ابو جعفر بن جریر الطبری کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے : ” وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّكُمْ وَلِيَتَّبِعُوا أَمْرًا مُّبِينًا ” (اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں قرار دیتے ہوئے رات کی نشانی کو تو تاریکی میں چھپا دیا اور دن کی نشانی کو اُجاگر کر دیا تاکہ تم اپنے پروردگار کی نعمتوں (کے حصول) کے لیے تگ و دو کر سکو اور سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو ، اور ہم نے تو ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے) اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ تاریخ کے ذریعے ان فرائض کے اوقات کا علم حاصل ہوتا ہے جو دن رات مہینے اور سال کے دوران میں عائد ہوتے ہیں جیسے نمازیں ، زکاتیں ، حج اور روزہ وغیرہ جو فرائض میں سے ہیں ۔ اس کے علاوہ قرض اور حقوق کی ادائیگی کے اوقات بھی معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ” يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآيَاتِ ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ “ اور ” هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِيَتَّبِعُوا أَمْرًا مُّبِينًا ” (اللہ ہی ہے جس نے سورج کو چمکتا

۱ - مجد بن احمد الباعونی ، ف ۵۸۷۱ -

۲ - قرآن ۱۷ / ۱۲ -

۳ - لحظ ص ۱۳ سبق -

۴ - قرآن ۱۰ / ۵ -

الاعلان بالتوبیح

بٹا اور چاند کو دسکتا ہٹا بنایا اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر حکمت کے نہیں پیدا کیا ہے، اُس نے تو تمام نشانیاں کھول کر رکھ دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے سمجھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ رات اور دن کے ادل بدل میں اور ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں)۔ یہ سب اللہ سبحانہ کا انعام ہے اپنی مخلوق پر، اس طرح اُس نے فضل کر کے اپنی بڑائی جتائی ہے.....“ تا آخر قول طبری جو مشتمل ہے ان کے اپنے اخذ کردہ نتائج اور کام کی باتوں پر۔

اس سے بڑھ کر ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : اللہ نے اپنی کتاب میں تاریخ کا ذکر اس لیے کیا کہ سعد بن جبل رضی نے پوچھا تھا ”اے رسول اللہ! کیا بات ہے کہ بلال ایک لکیر کی طرح باریک نمودار ہوتا ہے، پھر بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا ہو کر پورا گول ہو جاتا ہے، پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور باریک ہوتا جاتا ہے تاآنکہ پہلی حالت پر آ جاتا ہے“ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”یتسئلونک عن الاہیلتہ“۔ ”اہلتہ“ جمع ہے بلال کی۔ ”قُلْ ہٰی مَوَاقِیتِ لِلنَّاسِ“ یعنی لوگوں کے دین، روزہ، افطار، عورتوں کی عیدت، حمل کی مدت، قرضوں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی کے اوقات کے لیے اور اس کے علاوہ تمام شرطوں کے لیے جنہیں ایک مقررہ وقت میں پورا ہونا چاہیے۔ یہ خدا کی بڑی حکمت اور اس کی کھلی ہوئی نعمت ہے۔

آیت بالا کی تفسیر میں قتادہ فرماتے ہیں : اللہ نے بلال کو مسلمانوں کے روزے، افطار، حج، عبادات، عورتوں کی عیدت وغیرہ کے لیے وقت کی علامت بنایا ہے، اللہ کو بہتر علم ہے کہ مخلوق کے مناسب حال کیا ہے۔

[ص: ۱۶۰] مزید آن کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ قول ثابت

ہے ”رسول اللہ کے سامنے ہلال کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا : جب تک چاند دیکھ نہ لو روزہ نہ رکھو ، نیز جب تک چاند دیکھ نہ لو افطار نہ کرو ۔ اگر مطامع صاف نہ ہو تو شعبان کے پورے تیس دن شمار کرو اس کے بعد روزہ رکھو“ ۔

جسندی نے اپنی تاریخ کے مقدمے میں ایک محقق عالم کی اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے تورات میں منجملہ دیگر ابواب ایک باب ایسا بھی نازل کیا جو گزشتہ امتوں کے حالات اور ان کے زمانوں کی مدت پر مشتمل تھا“ (اس پر مزید) جسندی کا کہنا ہے : ”بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی صاف مسجد میں آنے والی کتاب (قرآن) میں گزشتہ امتوں کے بہت سے قصے بیان کیے ہیں جیسے قوم نوح اور ہود یا مدین اور ثمود (کے قصے) ، یا وہ حکائیں جو موسیٰ و ہارون ، فرعون و قارون ، اصحاب الکہف و الرقیم یا نمرود و ابراہیم سے متعلق ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ سچائی میں بے نظیر ہے : ”وَكَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشَاءُ بِهٖ فَاُذَكِّرُ فِي هٰذِهِ الْحَقِّ وَتَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ“^۲ (ہم تم کو رسولوں کے احوال میں سے وہ تمام باتیں سناتے ہیں جن سے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں اور تم پاؤ گے ان میں سچائی اور نصیحت اور مومنین کے لیے سامان عبرت) ۔

ایک مفسر کی بابت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول ”وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ“^۳ (اللہ نے اُس [طالوت] کو علم اور جسم کی برتر طاقت وافر دی) سے تاریخ کے حق میں نتیجہ نکالا ۔ یہ محل نظر ہے ۔

یہ سب باتیں بخوبی دلالت کرتی ہیں علم تاریخ کی بڑائی اور فضیلت

۱ - نجد بن یوسف بن یعقوب الجندی ۔ لحظ ص ۲۹ لحق ۔ دوسری جگہ

ص ۱۳۴ لحق ۔ محمد بن یعقوب بن یوسف ۔ ف ۳۲ ۵ ۔

۲ - قرآن ۱۱/۱۲۰ ۔ لحظ ص ۵ سبق ۔

۳ - قرآن ۲/۲۴۷ ۔

پر نیز اہل تاریخ کے مرتبے کی بلندی اور شرافت پر ۔
 ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الشعلی نے یہ بتاتے ہوئے کہ
 اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ (صلعم) کو جو گزرے ہوئے نبیوں اور
 گزشتہ امتوں کے قصے سنائے ہیں ان میں کیا حکمت ہے ؛ بہت سی باتوں
 کا ذکر کیا ہے ، منجملہ ان کے :-

۱ - کچھ قصے آپ کی نبوت کے اظہار کی غرض سے ہیں ۔ ان کے
 بیان سے آپ کے رسول ہونے کی دلیل نکلتی ہے ، اس لیے کہ رسول اللہ
 (صلعم) اسی تھے ، کسی معتمد و مودب کے پاس آئے گئے نہیں ، اور نہ
 ہی آپ اپنے وطن سے اتنا عرصہ باہر رہے کہ کسی عالم کے ساتھ رہ کر
 ان قصوں کی بابت واقفیت حاصل کرتے ۔ چنانچہ جب یہ شہرت ہوئی کہ
 آپ کو ان قصوں کا علم ہے تو آپ کی قوم میں جو نبی سمجھدار آدمی
 تھے انہیں غور کرنے پر یقین ہو گیا کہ یہ سب علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ
 کی وحی کے ذریعے حاصل ہوا ہے ۔ اسی بنا پر وہ ایمان لے آئے اور آپ کی
 سچائی کے قائل ہو گئے ۔ یہ علم ان معجزات میں سے ہے جو آپ کی نبوت
 کے حق ہونے پر دلائل کرتے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض حسد اور
 دشمنی کے باعث اسے تسلیم نہیں کیا جاتا اور انکار بھی کر دیا جاتا ہے ۔

۲ - بعض قصے اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے افراد میں جن
 باتوں کی اللہ نے تعریف کی ہے ان کی پیروی کی جائے اور جو باتیں
 برخلاف ہوں ان سے باز رہا جائے ۔

۳ - بعض قصے آپ کی دل جمعی کے لیے ہیں ۔ ان سے آپ کے اور
 آپ کی امت کے شرف کا اظہار ہوتا ہے اور وہ یوں کہ آپ کو اور آپ
 کی امت کو بہت سی ان آزمائشوں سے معاف رکھا گیا جن سے انہوں نے
 گزرنا پڑا تھا ۔ نیز اللہ نے آپ کی شریعت کو ہلکا کر دیا اور ایسے ایسے
 بخشے کہ اسے انہوں کے مقابلے میں امتیازی ثمان حاصل ہو سکی ۔
 تعالیٰ کا یہ جو ارشاد ہے " و اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَتَهُ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً " ۲۰۰

۱ - ف ۵۳۲۷ -

۲ - قرآن ۲۰/۳۱ -

(اُس نے تم کو اپنی ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کیا) [ص : ۱۷] اس کے ذیل میں بتایا جاتا ہے کہ 'ظاہرہ' سے مراد شریعت میں تخفیف ہے اور 'باطنہ' سے مراد ثواب میں کئی گنا اضافہ ہے۔

۴ - بعض قصے است کو ادب اور تہذیب سکھانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے: "آیات للمستائلین" (۱) (نشانیوں میں پوچھ گچھ کرنے والوں کے لیے) "عبیرۃ لاُولیٰ الالباب" (۲) (ایک سبق ہے عقلمندوں کے لیے) "موعظیۃ للمتقین" (۳) (نصیحت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے)۔ چنانچہ شبلی^۳ اسی کی بابت کہا کرتے تھے کہ "عام لوگ تو قصوں کے سُننے سنانے سے سروکار رکھتے ہیں اور خاص لوگ ان کے درس عبرت سے"۔

۵ - بعض قصے نیکیوں کی اور ان کی نیکیوں کی یاد زندہ رکھنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ نیک سیرت لوگ اس کے باعث عمل میں کوشاں ہوں اور امید رکھیں کہ انہیں جلد ہی ثواب ملے گا اور اچھے کاموں کے ساتھ ان کا نام باقی رہے گا۔ خلیل اللہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ و السلام) کو بھی یہی شوق تھا جب انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

"و اجعل لی لسان صدق فی الاخرین" (۵) (اور ایسا کر دے کہ بعد میں آنے والوں میں مجھے اچھائی کے ساتھ یاد کیا جائے)۔

انسان عبارت ہے اُسی سے جو اس کی بابت زبانوں پر جاری ہو۔ کہتے ہیں: "مرنے والا مر جاتا ہے اور ناموری اسے زندہ کر دیتی ہے" نیز یہ کہ "بادشاہ اور دولت مند بڑی بڑی عمارتوں، قلعوں اور محلوں پر اسی لیے دولت خرچ کرتے ہیں کہ ان کا نام باقی رہے":

- ۱ - قرآن ۱۲/۷ -
- ۲ - قرآن ۱۲/۳ -
- ۳ - قرآن ۲/۶۲ : ۳/۱۳۸ : ۵/۴۶ : ۱۴/۳۴ -
- ۴ - مشہور صوفی ابوبکر شبلی ف ۳۳۴ یا ۵۳۳۵ -
- ۵ - قرآن ۲۶/۸۴ - لحظ ص ۱۴ سبق -

و انما المرءُ حدیثٌ بعدہ
فکن حدیثاً حسناً لمن وعتیٰ

انسان عبارت ہے اس تذکرے سے جو اس کے (مرنے کے) بعد باقی رہ جاتا ہے پس تم اچھائیوں کا تذکرہ بنو یاد کرنے والوں کے لیے۔

میرا کہنا ہے : اگر آپ احادیث کا مطالعہ کریں تو ان میں کثرت سے وہ تمام باتیں ملیں گی جن کا (ثعلبی کے قول میں) بیان ہوا مثلاً ”رَحِمَ اللهُ مُوسَى ، فَقَدْ أُودِيَ بِاَكْثَرِ مِنْ هَذَا“ ۲۔ (اللہ رحم کرے موسیٰ پر ، انہیں تو اس سے کہیں زیادہ تکلیفیں پہنچیں) اور تسلی کے مواقع پر ”اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيَّمْ مَبِينٍ كَسَبِيٍّ“ (اللہ! ایسا کر کہ یہ مال ان کے حق میں یوسف کے مال ثابت ہوں)۔ ”اللّٰهُمَّ اِنِّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدَكَ وَ خَلِيْلَكَ دَعَاكَ لِيَمْكُنَّ وَاَنْتَى اَدْعُوكَ لِمَدِيْنَةٍ“ (اللہ! تیرے بندے اور دوست ابراہیم نے تجھ سے مکے کے لیے دعا مانگی تھی ، میں تجھ سے مدینے کے لیے دعا مانگتا ہوں)۔ پیروی کرے اور نقش قدم پر چلنے کی نایب : ”وَلَوْلَا دَعْوَةُ اَخِي سَالِيْمَانَ...“ (اگر میرے بھائی سلیمان نے دعا نہ مانگی ہوتی...)۔ ادب کی بات بتانے کے ذیل میں بلندی مرتبہ کا خیال کیے بغیر ، اس حد تک آپ نے فرمایا : ”يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى لَوْصَبَتْ حَتَّى يَنْفُصَ عَلَيْنَا مِنْ خَيْرِهِمَا...“ (اللہ رحم کرے موسیٰ پر ، کاش وہ صبر سے دم لیتے تو دونوں کا پورا قصہ ہم کو سنایا جاتا ۳۔ اسی طرح عائشہ ۴۔

- ۱۔ بیت از مقصودہ (محمد بن الحسن) ابن درید ، ف ۵۳۲۔
- ۲۔ حُنَيْنِ مِیْن رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي غَنِيْمَتِ تَقْسِيْمِ كِي تُو اِيَكِ النَّصَارَى فِي سَنَةِ ۶۰۰ اعْتِمَادِ كَا اِظْهَارِ كِيَا ، اُسْ پَر رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي بُرَى اَزْرَدِي خَانْمَرِ كِي سَاخِ يَنْ جَمَلًا كَمَا ۔ لِحِظِ الْبِخَارِي : الْاَدَبُ الْمَعْرُوْدُ ، الْقَاهِرَةُ ۱۳۷۸ / ۱۰ / ۳۸۱۔
- ۳۔ دُونُوں يَعْْنَى مُوسَى اَوْر خَضْرَا پُوْرَا قَصَّةِ جُو حَضْرَتِ مُوسَى كِي اَعْجَلَتْ پَسَنْدِي كِي بَاعْتِ مَخْتَصِرِ پُو كِيَا ۔ لِحِظِ الْبِخَارِي ، مَجْنِبَانِي ۱۰ / ۲۳۔

نے بھی دوسرے کے عمل کو نمونہ بتاتے ہوئے فرمایا : تمہارے اور میرے معاملے میں مجھے ابو یوسف (یعقوب) سے بہتر نمونہ عمل دکھائی نہیں دیتا ، جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے : ” فصبرٌ جمیلٌ ” واللہ المستعانُ علی ماتصیفون “ (بس صبر ہی زیب دیتا ہے اور اللہ کے سوا کون ہے جس سے مدد مانگی جائے اس (بکھیڑے) میں جو تم بیان کرتے ہو) ۔

ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی الشافعی^۲ کہتے ہیں کہ : ” تاریخ کا علم ایسا ہے کہ عالم اور جاہل دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور احمق اور عقلمند دونوں کے لیے اس کا اثر دلپزیر ہوتا ہے ۔ اس کے ذریعے عجیب عجیب باتیں معلوم ہوتی ہیں اور عجیب باتیں دلچسپ معلوم ہونے لگتی ہیں ۔ اس سے اچھے اخلاق اور بلند اعمال اخذ کیے جاتے ہیں اور بادشاہوں کی سیاست وغیرہ کا پتا چلتا ہے ۔ اس میں اول آخر ، ناقص کامل ، شہری دیہاتی ، موجود غائب ، سب یکجا ہو جاتے ہیں ۔ بہت سے احکام کا دار و مدار اس پر ہوتا ہے ۔ ہر مقام اور ہر محفل میں یہ علم باعثِ زینت ہوتا ہے “ ۔ نیز یہ کہ ” ان (مسعودی) کے لیے تاریخ اور دنیا کے حالات کے بارے میں تصنیف کا باعث یہی شوق ہے کہ دوسروں کے نقش قدم پر چلا جائے ، [ص : ۱۸] سب علما کا مطمح نظر یہی رہا ہے اور حکما بھی اسی پر چلے ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا میں تاریخ اچھائیوں کے تذکرے ، اور منظم سہل الحصول علم ، کی حیثیت سے باقی رہے ۔

ابو الفترج علی بن الحسین بن محمد الاصبہانی الکاتب^۳ ، کتاب الاغانی کے مقدمے میں لکھتے ہیں : ” پڑھنے والا جب اس کے فقروں

۱ - قرآن ۱۸/۱۲ - حضرت عائشہ کا قول حدیث افک سے متعلق ہے ۔

۲ - ف ۵۳۷۵ ۔

۳ - ف ۵۳۵۶ ۔

الاعلان بالتویخ

وغیرہ پر غور کرے گا تو مسلسل پے در پے فوائد حاصل کرے گا اور اس کے اندر ہر قسم کی باتیں ادل بدل کر دیکھتا چلا جائے گا یعنی سنجیدہ اور تفریحی باتیں ، مستند اقوال ، اخبار ، جنگ کے حالات ، اور ایام العرب ، (قدیم عرب کی لڑائیوں) کے بارے میں مشہور اشعار اور ان سے متعلق مستند خبریں ، جاہلیت کے بادشاہوں اور اسلام کے خلفا کے قصے ، ان سب باتوں سے واقفیت ادب نوازوں کو زیب دیتی ہے ، نوجوانوں کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے ، جو نسبتاً سن رسیدہ ہوں وہ بھی ان کی خوشہ چینی سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ۔ یہ مشہور خبروں کا انتخاب ہے اور چیدہ اصلی روایات کا مجموعہ ۔ سبھی خبریں صحیح ماخذوں سے لی گئی ہیں اور ذی علم اصحاب سے مروی ہیں ۔“

اس ذیل میں ایک عجیب قصہ یہ ہے کہ المہلبی کے ندیموں میں قبیلہ جُہینہ کا ایک شخص تھا جو حد سے زیادہ مبالغہ آمیز باتیں کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ پودینہ کا ذکر چنڑا تو وہ بولا کہ فلاں شہر میں پودینہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ درخت بن جاتا ہے اور اس کی لکڑی سے سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں ۔ ابو الفترج مذکور کا خون کھتولا ، اُس نے کہا : بے شک دنیا میں بڑی بڑی عجیب چیزیں ہیں ۔ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ۔ قدرت سب کچھ کر سکتی ہے ۔ میں تم کو اس سے بھی عجیب تر بات سناؤں : ایک کبوتر کا جوڑا دو انڈے دیتا ہے ۔ میں وہ دونوں انڈے اٹھا کر کبوتروں کے نیچے ایک بانٹ سوکا اور دوسرا بانٹ پچاس کا رکھ دیتا ہوں ۔ جب سینے کی مدت ختم ہوتی ہے تو بانٹوں میں سے ایک طشت اور ایک ڈونگا پھوٹ نکلتا ہے ۔ اس پر سارے حاضرین مجلس ہنس پڑے ، وہ جُہینی بھی ابو الفترج کے طنز کو سمجھ گیا اور اپنی قصہ طرازی سے باز آ گیا ۔

اس سے ملتا جلتا ایک قصہ میں بھی سناؤں : ایک صاحب جن کو ہم جانتے تھے کہ وہ غیر محتاط ہیں انہوں نے ہمارے استاد (ابن حجر) کی

موجودگی میں کہا کہ ان کے وطن حلسب میں ایک شخص کے چالیس لڑکے ہیں اور جب وہ کسی مہم پر جاتا ہے تو وہ سب اس کے ساتھ سوار ہو کر جاتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست جو اس مجلس میں تھے بولے : ” اور اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے.....“ اس پر ہمارے استاد مسکرائے اور مجلس برخاست کر کے نماز میں مصروف ہو گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بعد میں اکثر و بیشتر موخر الذکر شخص سے ملا اور میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیا کہنا چاہتے تھے، لیکن جونہی وہ بولا اور قصے کا آغاز کیا کوئی نہ کوئی بات ایسی پیش آ گئی کہ اس کا سلسلہ کلام کٹ گیا۔ متعدد مرتبہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

ابو عبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر القضاعی الشافعی، جو مصر کے قاضی تھے، کہتے ہیں : میں نے کچھ نبیوں کے قصے، خلیفوں کی خبریں اور بادشاہوں اور امیروں [ص : ۱۹] کی حکومتوں کے حالات، ۵۴۲۲ تک کے، مختصر طریقے پر جمع کیے ہیں تاکہ جو حفظ کرنا چاہے اسے آسانی ہو۔ حفظ (کی آسانی) کے ساتھ ساتھ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے بات چیت کا پورا سامان ہو جاتا ہے اور مجلسی گفتگو میں کمال کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

محمد بن عبدالملک بن ابراہیم الہمدانی الفرّضی الشافعی نے تاریخ ابن جریر کا جو ذیل (تتمہ) لکھا ہے اس میں رقم طراز ہیں : تمام قوموں اور قبیلوں کے سردار اور نیکی اور فضیلت والے لوگ جیسے بنو عباس وغیرہ کے امام، سب کے سب یقینی طور پر تاریخ سے واقفیت کا شوق رکھتے تھے ” آگے چل کر لکھتے ہیں ” اس تاریخ میں جو درست حالات ملتے ہیں وہ نعمتوں کی یاد دلاتے ہیں اور جہاں کہیں خلل پایا جاتا ہے وہ آنکھیں کھول دیتا اور چونکا دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے سعید بن المسیبؓ سے بیان کیا کہ میں نے نبی (صلعم) کو خواب میں دیکھا

۱ - ف ۵۲۱ -

۲ - ف تقریباً ۵۱۰۰ -

ہے ، تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلعم) کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا تھا ، اس لیے جو نیکی پر ہو اسے آپ بشارت دیتے ہیں اور مزید کی تلقین کرتے ہیں اور جو برائی میں پڑا ہو اسے خبردار کرتے اور توبہ کا حکم دیتے ہیں ۔ لوگوں کی خبروں کا مطالعہ تو پڑھنے والے کے لیے آئینے کا کام کرتا ہے ، چنانچہ یقین ہوتے ہی وہ اچھائی کی طرف مائل ہو جاتا اور برائی سے بھاگنے لگتا ہے ، اس سے اہل بصیرت اور نیک طینت افراد کی اصلاح ہوتی ہے ، اسی سے اللہ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے جن کو وہ نصیحت کا اہل اور اپنے کریمانہ ثواب اور اجر کا سزاوار سمجھتا ہے ۔

ابو القاسم محمد بن یوسف الممدنی الحنفی ، ساکن بلخ و مولف 'النافع' (جو حنفی فقہ سے متعلق ہے) نے سنہ ۵۳۸ھ میں بلخ کی تاریخ لکھی ہے ۔ لوگوں کے شوق کی کمی اور ہمتوں کی پستی کے پیش نظر انہوں نے اسے اوسط درجے کی کتاب بنایا ہے تاکہ لوگوں کو ان کے صحیح مقام میں کھڑا کر کے ان کی عقل کے درجے کے مطابق ان سے خطاب کریں ۔ آخر میں انہوں نے اپنے حالات اور تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس میں وہ کتاب کے فوائد بتاتے ہوئے کہتے ہیں (بہت سی جگہوں پر چند الفاظ کی زیادتی کے ساتھ) : " اس کتاب میں بلخ کے رہنے والے نیز اس شہر میں آکر بسنے والے اولین اور متاخرین علما کی یاد تازہ کی گئی ہے اور یاد کیا جانا نئی زندگی کے مرادف ہے ، اس لیے جو یاد تازہ کرنا ہے وہ گویا تمام اشخاص کو زندگی بخشتا ہے ، دلوں میں ان کا تصور باندھتا ہے اور ان کے سارے اعمال زہد و تقویٰ ، دیانت ، دنیا سے برگشتگی اور اس کے حقیر سمجھنا ، شدید عبادتوں اور تکالیفوں کو اللہ کی خاطر جہینا ان سب سے واقف کراتا ہے ، جس کے نتیجے میں پڑھنے والا ان کے اخلاق کا پیرو بن جاتا ہے اور سننے والا ان کے حالات سے معطر ہو جاتا ہے ۔ دوسروں سے اثر لینا بھر حال نظری امر ہے اور انسان عادت ڈال دینا ہوتا ہی ہے :

” کبھی کبھی آنکھ سے بھی پہلے کان عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے “ -
 نجات کا دار و مدار حالات اور [ص : ۲۰] اعمال کی درستگی پر ہے اور اس
 کی تکمیل اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی پیچھے سے اُکسائے اور سامنے سے
 دستگیری کرے یعنی یہ کہ نیک لوگوں کی صحبت حاصل ہو اور جب
 صحبت میسر نہ ہو سکے تو ان کے حالات سے واقفیت حاصل کی جائے اور
 ان کے کارناموں کا مطالعہ کیا جائے، اس طرح ذہن میں ان کا تصور
 ابھرے گا اور ان کے مسلک کی تصویر سامنے آئے گی۔ بالفرض تم نے ان
 اشخاص کو دیکھا بھی ہو تب بھی ایک یاد اور ایک خیال کے سوا
 تمہارے پاس اور کیا محفوظ رہ سکتا ہے۔ نتیجے میں سننا اور دیکھنا،
 مشاہدہ اور خبر، دونوں ایک ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں میں بڑا فرق
 ہے لیکن اگر بارش نہ ہو تو شبنم ہی کافی ہے^۱۔ بالخصوص نیک لوگوں
 کا تذکرہ تو رحمت کے نزول کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے دوسروں کو
 نصیحت اور عبرت ہوتی ہے۔ الغرض اگر کتابیں نہ ہوتیں تو بیشتر اخبار
 اور حالات نسیا نسیا ہو جاتے اور تھوڑے ہی عرصے میں آئی گئی، نئی
 پرانی باتوں کا نام و نشان تک نہ رہتا۔ اس سلسلے کا قابل قدر سرمایہ اور
 نفیس ذخیرہ علم حدیث ہے جو اسلام کی بنیاد اور تمام احکام کی اصل ہے۔
 حلال اور حرام کی اسی سے وضاحت ہوتی ہے اور خاص و عام سب اسی کی
 پیروی کرتے ہیں۔ یہ قرآن کے اجمال کی تفصیل اور حقیقت اور صواب کا
 مرکز ہے “۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ یہ فن (تاریخ) علم حدیث کا
 وسیلہ ہے اور اس کے ذریعے حدیث کی اہم باتوں کی تحقیق ہوتی ہے۔
 انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب (تاریخ بلخ) کی تصنیف کا سبب
 یہ ہوا کہ وہ اپنی دوسری تصنیف ” کتاب التحقیق، الجامع اصول مسائل
 الفقہ الجلیل منہ و التذقیق “ کے دوران میں اس پُر لطف، شیریں،
 مفید اور بلند مرتبہ علم سے اپنے اندر تازگی پیدا کرنا چاہتے تھے : ” میں

۱ - مصرع : ” و الاذنُ تعشقُ قبل العین احیانا “ -

۲ - اشارہ بآیت قرآنی ” فَاِنْ لَمْ يُمْسِكْهَا وَاَبْلُ فَطَلَّ “ - ۲۶۵/۲ -

اس علم کا عنفوان شباب ہی سے قدرداں تھا اور صواب کے حصول کے لیے اس پر تکیہ کرتا تھا۔ یہ مجھ نادار کی بساط کے مطابق انتہائی کوشش ہے اہل بلخ کے اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کی جو انہوں نے اس شہر میں پہنچنے پر میرے ساتھ کیا۔ اس سے ملت کے ان علما اور امت کے ان قابل اعتماد لوگوں کی حمایت بھی مقصود ہے جن کے بیشتر حالات مٹ چکے ہیں بلکہ ان کے نام اور قابل قدر کارنامے معدوم ہیں۔ انہوں نے اس تصنیف میں بہت سی کتابوں سے مدد لی ہے اور ان کے نام درج کیے ہیں۔ نیز اپنے ہم عصر مشایخ اور اہل فضل اور باکمال لوگوں میں سے بھی بہت سے ایسے افراد کے نام گنائے ہیں جو اس بارے میں علم اور تجربہ رکھتے تھے۔ انہوں نے نوخیز جوانوں کا بھی ذکر کیا ہے اس لیے کہ وہ آج کے لوگوں میں چھوٹے سہی لیکن کل کے لوگوں میں بڑے مانے جائیں گے۔ تالیف میں عجلت اس لیے کی کہ کہیں کوئی رکاوٹیں پیش نہ آجائیں۔ انہیں بڑی فکر اس بات کی تھی کہ کہیں ان لوگوں کے مرنے سے جو بڑی بڑی کتابوں کے جمع کرنے میں لگے ہیں اور روایت کا بار اٹھائے ہوئے ہیں علم ضائع اور برباد نہ ہو جائے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اہل مدینہ کو لکھ بھیجا تھا کہ: ”رسول اللہ (صلعم) کی حدیثیں تلاش کر کے لکھ لو اس لیے کہ مجھے ڈر ہے علم مٹ جائے گا اور علما فنا ہو جائیں گے۔“ جب ان لوگوں کو یہ ڈر لاحق تھا درآنحالیکہ اسلام ترو تازہ تھا اور زمانہ شریفانہ سرگرمی اور مردم خیزی کا تھا تو ہمارے [ص: ۲۱] وقت میں اس بات کا ڈر کیوں نہ ہو درآنحالیکہ ہماری سرگرمی اور خبروں سے دلچسپی بہت ہی کم ہو چکی ہے۔ انہوں نے اماموں کی قبروں، ان کے رہن سہن کی جگہوں اور آخری آرام گاہوں کا بھی ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کے جسم اور قالب ایسی تمام بلاؤں اور مصیبتوں کے دفعیے کا سبب ہیں جن سے پناہ مانگنے ہوئے رب الارباب سے لے جاتی ہے۔ اللہ نے اس جسم خاکی میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ بلاؤں کے دفعیے کا سبب ہو اور زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اس کا سبب

دخیل ہو۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل اور انعام ہے۔ اس کی دلیل بُریدہ^۱ کی یہ حدیث ہے جس کا سلسلہ رسول اللہ تک پہنچتا ہے: ”پر صحابی جس شہر میں وفات پائے گا قیامت کے روز وہاں کے لوگوں کا رہنما اور نور ہدایت بنے گا“۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ اسلام اور قوت ایمان سے ہمیں تقویت بخشے اور ”بعد والے لوگوں میں ہمارا ذکر اچھائی کے ساتھ“^۲ باقی رکھے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعا قبول کرنا اسے زیب دیتا ہے۔

حافظ ابو الفرج ابن الجوزی^۳ ”المنتظم“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”سیرت اور تاریخ میں بہت سے فائدے مضمحل ہیں جن میں سے دو اہم ہیں: اول یہ کہ جب کسی صاحب تدبیر اور سمجھ بوجھ سے کام انجام کار مذکور ہوتا ہے تو اس سے حُسن تدبیر اور سمجھ بوجھ سے کام کرنے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کسی ناکارہ شخص کی سیرت اور اس کا انجام کار بیان کیا جاتا ہے تو کوتاہی عمل سے ڈرنے کا باعث ہوتا ہے۔ بااقتدار لوگ اس سے ادب سیکھتے ہیں اور غور کرنے والے عبرت پکڑتے ہیں۔ اسی ضمن میں عقل کی تلوار صیقل ہو جاتی ہے اور منقولات سے لطف اٹھانے والے کے لیے ایک گلستان تیار ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تاریخ کے ذریعے عجیب عجیب باتیں، زمانے کے الٹ پھیر، تقدیر کے چکر اور سننے کے لائق خبریں معلوم ہو جاتی ہیں۔ بکر بن وائل کا ایک شخص بوڑھا ہو گیا، نہ خورونوش کی لذت باقی رہی، نہ نکاح کی، اس سے ابو عمرو بن العلاء نے پوچھا: ”کیا تم پسند کرو گے کہ تمہیں موت آجائے؟“ اس نے کہا ”نہیں“۔ اس سے پوچھا کہ ”اب تمہارے لیے دنیا کی کونسی لذت باقی ہے؟“ اس نے کہا: ”یہی کہ میں عجیب باتیں سنتا رہوں“۔

۱ - بریدۃ بن الحُصیب الاسلمی، ف مابین ۶۰ و ۵۶۴۔

۲ - قرآن ۲۶/۸۴ - لحظ ص ۱۴ و ۱۷ سبق -

۳ - ف ۵۵۹۷۔

۴ - ف مابین ۱۵۴ و ۱۵۹۔

نیز ابن الجوزی "شذور العقود فی تاریخ العہود" (مذکورہ بالا کتاب کا اختصار جو خود ان کا تیار کردہ ہے) میں فرماتے ہیں: تاریخ اور سیرت کے تذکرے قلب کو سکون بخشتے، غم کو دور کرتے اور عقل کو بیدار کرتے ہیں۔ جب دنیا کے عجائبات کا ذکر ہوتا ہے تو خالق کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ جب کسی صاحب تدبیر کی سیرت بیان ہوتی ہے تو حسن تدبیر کا درس ملتا ہے۔ جب کسی ناکارہ فرد کا قصہ سنایا جاتا ہے تو بے احتیاطی سے ڈرانے لگتا ہے اور اگر کسی خوش طبع انسان کے حالات بیان ہوتے ہیں تو لازماً نصیبوں کی گونا گونی پر تعجب ہوتا ہے اور ویسا ہی لطف حاصل ہوتا ہے جیسا بزم شبانہ میں تفریحی باتوں سے۔

العقاد بن محمد بن حامد الاصبہانی الشافعی الکاتب، 'الفتح القدسی' (فتح بیت المقدس بدست الصلاح ابوالمظفر یوسف بن ایوب) میں جسے [ص: ۲۲] انہوں نے سنہ ۵۸۳ھ سے شروع کیا ہے رقمطراز ہیں: عام دستور کے مطابق تاریخوں کو ابتداء آفرینش سے یا کسی ایک عہد حکومت سے شروع کیا جاتا ہے اس لیے کہ کوئی قوم اور کوئی مملکت ایسی نہیں جس کے پاس حوالہ دینے اور تکیہ کرنے کے لیے تاریخ نہ ہو جو سلف سے خلف تک اور ماضی سے حال تک نقل ہوتی چلی آئی ہو اور جس میں زمانے کی عجیب و غریب باتیں محفوظ ہوں اور بڑے بڑے لوگوں کے کارنامے سنگ میل کی طرح نصب ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو تمام رشتے منقطع ہو جائیں، حکومتیں یکسر بھلا دی جائیں اور بچھڑوں کے دور میں انہوں کی یاد ابھی باقی نہ رہے۔ لوگ یہ شعور بھی نہ ہو بیٹھیں کہ ان کی اصل مٹی ہے اور وہ بشکل نطفہ ریڑھ کی ہڈی کے اندھیروں میں مدت دراز سے مسلسل منتقل ہوتے آ رہے ہیں، ان کی عمر درحقیقت آدم کے عہد قدیم سے شروع ہوتی ہے۔ تمہارے رب نے ان

کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکالا^۱ منشا^۲ یہ تھا کہ ان کے ظہور کا زمانہ دراز ہو اور انسان اپنی عمر گزرنے اور قبر میں اترنے سے پہلے ہی دوبارہ زندہ ہونے کی اس حقیقت کو جان لے جسے اس کے منکرین بعید از امکان سمجھتے ہیں۔ اس طرح انسان ایک دور میں دسیوں دور کی شہادت سے دو چار ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے یکے بعد دیگرے بہت سی عمریں کاٹی ہیں اور بہت سے زمانوں سے گزرا ہے، ہزار قبروں میں اس نے ٹھکانہ کیا اور پھر وہاں سے دوبارہ اُٹھا۔ بس اتنا ہے کہ اس کا ظہور رات کی تاریکی میں رہا تاآنکہ بالآخر فجر ہوتے ہی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

نیز اگر تاریخ نہ ہو تو خوش تدبیر سیاست دانوں کی کوششیں بھلا دی جائیں اور بدی کے مقابلے میں مدح و ثنا ان کا طرہ امتیاز نہ ہو سکے۔ زمانے کی صلح جوئی اور انتقام سے جو عبرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی نہ ہو اور یہ بات بھی دھیان میں نہ رہے کہ دنیا میں دشواری کے بعد سہولت ہے اور سہولت کے بعد دشواری“۔

اس کے بعد انہوں نے بتایا ہے کہ اگلے زمانے میں لوگ کن کن باتوں سے تاریخ شہار کرتے تھے مثلاً طوفان سے، سیلاب سے اور اجرام فلکی کے چند روزہ مشاہدے سے۔ البتہ جب ہجرت سے تاریخ لکھی جانے لگی تو تمام اگلی تاریخیں منسوخ ہو گئیں اور وہ تمام طریقے معدوم ہو گئے جن کے باعث غلطی میں پڑنے والے کو اظہار ندامت کا موقع بھی نہیں ملتا۔ بات یہ ہے، کہ چونکہ ہجرت کا علم یقینی ہے اس لیے اس خلل سے نجات مل جاتی ہے جو اگلے زمانے کے لوگوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔

نیز یہ کہ ”زمانہ گردش کر کے اس ہیئت پر پہنچا جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا“^۳۔ اللہ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی دولت میں سے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ خرچ کریں

۱۔ اشارہ بآیت قرآنی ”وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ بَنِي آدَمَ مِيزَ ظُهُورِهِمْ

ذُرِّيَّتِهِمْ...“ ۱۷۲/۷ -

۲۔ لفظ ص ۱۳ سبق -

الاعلان بالتوبیخ

بلکہ یہی حکم ان کی جانوں کی بابت بھی ہے۔ اللہ نے جتنا واجب کیا ہے اس کا کئی گنا وہ ان کو واپس پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح آخر تک ان کی عبارت کا سلسلہ چلا گیا ہے جو اپنی ترتیب کے لحاظ سے نہایت خوبصورت ہے۔

الجمال ابوالحسن علی بن ابی المنصور ظافر بن حسین الازدی المصری المالکی ' اخبار الدول الاسلامیة ' میں لکھتے ہیں : " اگر تاریخ سے صرف اتنی ہی عبرت حاصل ہوتی کہ زمانہ ایک حال پر باقی نہیں رہتا اور تغیر و تبدل ہی اس کی نہ بدلنے والی عادت ہے تو اتنا ہی کافی تھا ، مطالعہ کرنے والے کا مقصد اسی سے پورا ہو جاتا۔ مگر اس کے فوائد بے شمار ہیں ، اس کی خوبیوں کی کوئی حد نہیں۔ اس کا مطالعہ کرنے والے [ص : ۲۳] کے حصے میں اگر ایک طرف آنسو ہوتے ہیں جو عبرت سے بہتے ہیں تو دوسری طرف فرحت جو نیک انجام کا ثمرہ ہے "۔ اس کے بعد انہوں نے حکومتیں گنائی ہیں اور ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

امام الدین ابو القاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الرافعی ' التدوین ' میں لکھتے ہیں : ۲

العز ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم بن الاثیر کتاب ' الکامل ' میں کہتے ہیں : " تاریخ کے بہت سے فائدے ہیں ، اس میں دنیا اور آخرت کی بڑی ہی منفعتیں ہیں ، بعض باتیں جو خیال میں آتی ہیں ہم بیان کیے دیتے ہیں ، باقی کا ہم ہم ٹھہرنے والے کی عقل اور سمجھ پر چھوڑتے ہیں : -

ایک دنیوی فائدہ یہ ہے کہ بدیہی طور پر انسان ، بقا کے خواہش مند ہوتا ہے۔ اس کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ زندوں کے زمرے میں رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کل کے دیکھے سننے میں اور ماضی کے واقعات

۱ - ف ۵۶۱۳ -

۲ - اصل کتاب میں جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔

۳ - ف ۵۶۳۰ -

اور اگلوں کے واقعات میں جو ہم متعلقہ کتابوں میں پڑھتے ہیں ، کیا فرق ہے ۔ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ گویا ہم ان لوگوں کے زمانے میں زندہ تھے ۔ ان کا علم ہونا مرادف ہے ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا ۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ بادشاہ اور حکام بالادست جب ظالموں اور ستم گروں کی زندگی سے باخبر ہوتے ہیں اور اس کو کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو سلف سے نقل ہوئی ہوئی خلف تک پہنچتی ہیں اور دیکھتے ہیں کہ پایانِ کار لوگ ظالموں کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور لعنت سلامت کرتے ہیں ، ملک ویران ہوتے ہیں ، انسان ہلاک ہوتے ہیں اور سارے حالات بگڑ جاتے ہیں تو پھر وہ ان باتوں کو برا سمجھتے ، ان سے بچتے اور دور رہتے ہیں ۔ اس کے مقابلے میں جب وہ خدا شناس حکام کی سیرت اور اس کی خوبی پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد انہیں نیک شہرت نصیب ہوئی ، ان کے شہر اور ملک آباد اور دولت سے مالا مال ہوئے تو وہ اس روش کو پسند کرتے ہیں اور اس کے گرویدہ بن جاتے ہیں ، پختہ ارادے کے ساتھ اس پر جمے رہتے ہیں اور جو کچھ بھی اس کے منافی ہو اس سے دور رہتے ہیں ۔ مزید برآں یہ کہ وہ تمام ایسی باصواب آراء سے واقف ہو جاتے ہیں جن کے ذریعے دشمنوں کے ضرر کا دفعیہ کیا جا سکے ، خطرات سے نجات حاصل کی جائے ، بڑے بڑے ملکوں اور خوبصورت شہروں کا اضافہ کیا جائے ۔ اگر تاریخ سے صرف اتنا حاصل ہو تو بھی بہت کچھ فخر کے قابل ہے ۔

ایک اور فائدہ یہ ہے کہ انسان کو تجربہ حاصل ہوتا ہے اور وہ جان جاتا ہے کہ کیا واقعات رونما ہوئے اور ان کا انجام کیا ہوا ۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہ جو بھی واقعہ درپیش ہو وہ ہو بہو یا کوئی اس سے ملتا جلتا واقعہ ماضی میں گزر چکا ہوگا ۔ اس طرح عقل میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان اس قابل بن جاتا ہے کہ دوسرے اس کی پیروی کریں ۔

[ص : ۲۴] کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ :

وجدتُ العقلَ عقلانٍ
فمطبوعٌ و مسموعٌ

میں نے یہ دیکھا ہے کہ عقل دو قسم کی ہوتی ہے : مطبوع (فطری) اور مسموع (تعلیمی)۔

ولا يَنْفَعُ مَسْمُوعٌ !
اذا لم يَكُنْ مَطْبُوعٌ

اور مسموع (تعلیمی) عقل کوئی کام نہیں دیتی جب تک مطبوع (فطری) عقل میسر نہ ہوا۔

مطبوع سے مراد وہ فطری عقل اور سمجھ ہے جو اللہ نے انسان میں ودیعت کی ہے اور مسموع سے مراد وہ اضافہ ہے جو فطری عقل میں تجربے سے عمل میں آتا ہے۔ اہمیت کے پیش نظر اس کو مجازاً عقل ثانی کہا گیا ہے ورنہ دراصل وہ عقل اول کے اضافے ہی کا نام ہے (ہ ق)۔ اسی کی طرف حدیث مرفوعہ میں اشارہ ہے کہ ”اگر تم سے کہا جائے کہ کوئی شخص اپنی فطرت سے منحرف ہو گیا تو یقین نہ کرو“۔

منجملہ فوائد ایک یہ بھی ہے کہ انسان مجلسوں اور محفلوں میں تاریخ کی معلومات اور دلچسپ قصے بیان کر کے اپنے لیے پسندیدہ مقام پیدا کرتا ہے، سب کے کان اسی کی طرف لگ جاتے ہیں اور سب کی آنکھیں اسی پر جم جاتی ہیں۔ جو کچھ وہ پیش کرتا ہے اور بیان کرتا ہے سب لوگ دل سے اس پر غور کرنے میں اور اس کی باتوں کی داد دیتے ہیں۔

آخرت کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کوئی عقلمند اور سمجھدار انسان غور و فکر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ دنیا کے اہل پھیر کیسے ہوتے ہیں، بڑے بڑے دنیا والوں کو کیسے بے دریغے مصائب پیش آتے ہیں، اس طرح ان کی جاہیں اور دولت کے شہرے برباد

جاتے ہیں ، کس طرح چھوٹے بڑے سب نابود ہو جاتے ہیں ، بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کوئی بھی نہیں بچتا ۔ دنیا کی بد بختی سے نہ تو تونگر سلامت رہتا ہے اور نہ نادار تو پھر انسان کو دنیا سے لگاؤ نہیں رہتا اور وہ اس سے دامن کھینچتے ہوئے زادِ آخرت کی فراہمی میں لگ جاتا ہے ۔ اس کو ایسے مقام کی لتو لگ جاتی ہے جو مذکورہ بالا تمام خصوصیتوں سے پاک ہو اور جہاں کے رہنے والے ان تمام عیوب سے سبزا ہوں ۔ ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ ہم نے تو کوئی تاریخ پڑھنے والا ایسا نہیں دیکھا جو دنیا تہج کر آخرت کی طرف متوجہ ہو گیا ہو اور وہاں کے بلند اور اعلیٰ مقامات کی طلب میں سرگرداں ہوا ہو ۔ جو یہ کہتا ہے کاش وہ یہ بھی بتا دیتا کہ اس نے کتنے بہت سے قرآن شریف پڑھنے والے ایسے دیکھے ہیں جو اس کے ذریعہ دنیا کے کاٹھ کباڑ میں تھوڑا سا حصہ لگانا سہاوتے ہیں حالانکہ قرآن تو نصیحت کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اور فصاحت کے لحاظ سے بھی سب سے بڑھ چڑھ کر ہے مگر دلوں میں تو فوری منفعت کی محبت جاگزیں ہے ۔

ایک اور فائدہ یہ ہے کہ صبر کی عادت پڑ جاتی ہے اور دوسروں کو دیکھ کر ڈھارس بندھتی ہے ۔ یہ دونوں باتیں اچھے اخلاق میں شمار کی جاتی ہیں ۔ جب ایک سمجھدار آدمی یہ دیکھتا ہے کہ دنیا کی تکلیفوں سے نہ تو کوئی نبی کریم بیچ سکا اور نہ کوئی بادشاہ عظیم ، بلکہ کوئی فرد بشر بھی ایسا نہیں جو محفوظ رہا ہو تو وہ جان لیتا ہے کہ جو مصائب دوسروں پر ٹوٹے وہ اس پر بھی ٹوٹیں گے اور جو ان پر گزری وہ اس پر بھی گزرے گی :-

وہل انا اِلَّا مِینْ غَزِیَّةِ انْ غوتْ غویتْ وانْ تَرشدْ غزِیةِ ارشدْ
میں قبیلہ غزِیة ہی کا ایک فرد ہوں ، اگر قبیلہ گمراہ ہوگا تو میں بھی
گمراہ ہوں گا ، اگر قبیلہ صحیح راستے پر چلے گا تو میں بھی صحیح راستے پر
چلوں گا ۔

۱ - بیت کا قائل دُرَیْد بن الصِّمَّة ہے ۔

اسی حکمت کے پیش نظر قرآن مجید میں قصے بیان کیے گئے ہیں :
 ” ان فی ذلک لتذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید “^۱
 (اس میں نصیحت کا سرمایہ ہے دل والوں کے لیے اور ان حاضرین کے لیے
 جو کان دہر کے سنتے ہیں)۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ قصے بیان کر کے
 اللہ تعالیٰ نے خوش وقتی کا سامان فراہم کیا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے
 [ص : ۲۵] کہ وہ پوری طرح ان کج عقیدہ لوگوں کی باتوں میں آ گیا
 ہے جو ایک کھائی کے کچے کنارے پر ہوتے ہوئے^۲ کہتے ہیں کہ
 [یہ] پرانے لوگوں کے قصے ہیں جو انہوں [مجد صلعم] نے سن کر لکھ
 لیے ہیں۔^۳

ابوبکر مجد بن علی بن خمیس^۴ ’ تاریخ مالتقة ‘ کے مقدمہ میں
 لکھتے ہیں : ” کتاب اور منت کے بعد سب سے زیادہ توجہ کے لائق اور
 حصول کے قابل اخبار کا علم ہے جو اچھے اوصاف اور اچھے کارناموں پر
 مشتمل ہوتا ہے۔ اس سے نصیحت ہوتی ہے کہ زمانہ کیسے کیسے پلٹے
 کھاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں کیسے عجیب واقعات
 اور خبریں رونما ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان اہل علم کی یاد تازہ ہو
 جاتی ہے جن کے نقش قدم پر چلنا اور جن کے اوصاف اور حالات کو
 کتابوں میں محفوظ رکھنا تمہارا فرض ہے تاکہ وہ تمہاری نظروں کے
 سامنے ایسے ہی ہوں جیسے بیچ بیچ کے انسان ، ہر حال میں سرگرم عمل
 اور تمہارے ساتھ مصروف گفتگو ، جن صفات کے وہ حامل تھے ان کے
 لیے مشہور ہوں ، (تاکہ) جو ان کی صورتیں نہ دیکھ سکے وہ ان کی صورتیں
 (اقوال) پڑھے ، جس کو زندگی میں یہ موقع نہیں ملا کہ ان سے آنکھیں
 چار کرے وہ ان کی خوبیوں کا مشاہدہ کرے اور ان کے مرتبے اور درجے
 کو پہچانے کہ ان میں سے کون منقول اور معقول کا ماہر ہے اور کون

۱ - قرآن ۱ / ۳۷ -

۲ - قرآن ۹ / ۱۰۹ : ” علی شفا جسر ف ہازہ “ -

۳ - قرآن ۲۵ / ۵ : ” قالوا اساطیر الاولین “ -

۴ - ف بعد ۵۶۳۶ -

محسوسات اور اشکال کے بارے میں صاحب امتیاز ہے۔ تحقیق سے یہ بھی معلوم کرے کہ ان میں سے کون زیور ادب سے آراستہ ہے اور کون قیادت و حکومت کی گود میں پلا ہے۔ اس طرح وہ پوری سرگرمی سے کوشش کرے گا کہ ان کا دامن جا پکڑے اور ان کے زمرے میں شامل ہو جائے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن المنعم بن ابی الدائم الفقیہ القاضی الحنہوی الشافعی^۱ فرماتے ہیں: ”اسلامی تاریخ بڑی حد تک سچی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص فائدے کی حامل ہے۔ وہ یہ کہ اس میں امت مجدیہ کے علما کا، ان کی خوبیوں کا، علم کا، وعظ و حکمت کا، اور ان تمام احوال کا ذکر ملتا ہے جن سے ایک باعمل انسان اپنے امور میں رہبری حاصل کرتا ہے اور غور و فکر کر کے ان علما کے اقوال اور بیٹے ہوئے احوال سے اور ان تمام دینی اور دنیوی خوبیوں سے جو ان کی بابت منقول ہیں فائدہ اٹھاتا ہے“ آگے چل کر وہ کہتے ہیں: ”تاریخ کا علم گویا سرپوش ہے ان تمام علوم شرعیہ کا جن پر ہمارا مدار ہے اور منقول اور معقول کے تمام اقسام کا جن کے حصول میں ہم کوشاں رہتے ہیں“۔

الشمس ابو المظفر یوسف بن فرغلی الحنفی سبط ابن الجوزی^۲ کہتے ہیں:- ”جن کی فطرت نیک ہوتی ہے اور عقل کجی سے پاک ہوتی ہے۔ انہیں شوق ہوتا ہے کہ تمام باتوں کی اصل کا پتا لگائیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ واقعات کا پورا پورا علم حاصل کریں۔ جو شخص قضا و قدر کی کار فرمائی اور لیل و نہار کے قاعدوں کا بنظر غائر مطالعہ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو تمام زمانوں میں موجود رہا ہو اور تمام باتوں کا ذاتی تجربہ رکھتا ہو۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے جو سب سے بڑھ کر سچا ہے، اگلوں اور پچھلوں کے سردار کو ارشاد خداوندی اور حکم ربانی

۱ - ف ۵۶۱۲ -

۲ - ۵۶۵۴ -

الاعلان بالتوبیخ

کے ذریعے اس آیت میں بتائی ہے : **وَكُلًّا نَقْصُ عَلَيْكَ.....** [ص : ۲۶] **لِلْمُؤْمِنِينَ** - نیز اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے : **ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرْآنِ نَقْصُهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ** ۲ (یہ بستیوں کی چند داستانیں ہیں جو ہم تم کو سناتے ہیں ، ان میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ ملیا میٹ ہو چکی ہیں) - اس قسم کی آیات بکثرت ہیں - اللہ تعالیٰ اپنے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو یہ احسان جتاتا ہے کہ گزشتہ وقتوں اور زمانوں میں جو امتیں تھیں ان کی خبریں سنائی جاتی ہیں - جیسا کہ معلوم ہے ، اس بارے میں لوگوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں : بعض پرانے حکما کی سیرت کا مطالعہ پسند کرتے ہیں ، بعض انبیا ، خلفا ، بادشاہوں ، وزیروں اور شاعروں کی خبروں سے دلچسپی رکھتے ہیں یا فضیلت والوں ، زاہدوں اور نیک لوگوں اور عبادت گزاروں کی سیرت کا مطالعہ پسند کرتے ہیں - کسی کا مقصود یہ ہونا ہے کہ کسی مدبر کی سیرت پڑھ کر حسن تدبیر کا سبق حاصل کرے یا کسی ناکارہ فرد کے حالات پڑھ کر اس کی سی باتوں سے اچھی طرح بیچ سکے - یہی خاص بات ہے جو سیرت کے مطالعے سے ہر اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو معنی کو اچھی طرح سمجھتا اور خبروں کو خوب پر لہتا ہے - مزید کہتے ہیں ” چونکہ عام طور پر تاریخوں میں اچھی ہری ، ضعیف اور قابل اعتماد سبھی قسم کی باتیں ہوتی ہیں ، پھر بے سود تکرار بھی ہوتی ہے اور یہ عجیب و غریب باتیں الٹی ہوتی ہیں کہ ہزار طنب کر بھی ان کو جمع کرتے کرتے تھک کر بیٹھ جائیں اس لیے میں نے اللہ سے استخارہ کیا.....“ تا آخر کلام -

المحیوی ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی ۳ طبقات الفقہاء کے شروع میں - جو انہوں نے ابن الصلاح ۴ کی کتاب سے نقل کی ہے

۱ - لفظ ص ۵ و ۱۶ - سبق -

۲ - قرآن ۱۱ / ۱۰۰

۳ - ف ۵۶۷۶ -

۴ - عثمان بن عبدالرحمن بن الصلاح ، ف ۵۶۳۳ -

اور حروف تمہجی کے مطابق مرتب ہے۔ فرماتے ہیں :- انسان کا علم کے حالات سے واقف ہونا موجب کمال و زینت ہے اور طلبا اور اہل علم کا ان سے بے خبر رہنا عیب اور ننگ ہے۔ جو بیدار مغز ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معلومات بڑی ہی مفید اور کار آمد ہیں اور ان سے ناواقفیت نقص اور فساد کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے کہ علماء دین کے محافظ ہوتے ہیں اور دین ہی ابدی سعادت کی بنیاد ہے، نیز وہ علم کے راوی ہوتے ہیں اور علم ہی بلند مراتب کے حصول کا زینہ ہے۔ ان کا کمال دوسروں میں بھی جن تک ان کا علم پہنچتا ہے، کمال پیدا کرتا ہے۔ ان کی کوتاہی دوسروں کے لیے خلل اور خرابی عقل کا باعث بنتی ہے۔ جب علماء میں اختلاف ہو تو علم کے خوشہ چینوں سے ان کے تمام اچھے برے حالات پوچھے جاتے ہیں۔ جو شخص ان کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو وہ کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے سے عاجز رہتا ہے۔ صحیح کے مصنف مسلم سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا : ”علم کے خواستگار اور طلبگار کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ جانے کہ علم میں مختلف علماء کا کیا درجہ ہے اور ان میں سے کس کو کس پر فضیلت حاصل ہے۔ خواص کے احوال سے آگاہی ان کے ساتھ رشتے اور نسبی تعلق کے [ص : ۲۷] مرادف ہے جو قیامت کے روز ان کی شفاعت کا ذریعہ و وسیلہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک عالم اپنے طالب علم کے لیے بمنزلہ والد کے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ پس اگر وہ عالم کی بابت کچھ نہ جانے تو ایسا ہی ہوگا جیسے اپنے باپ کی بابت کچھ نہ جانے بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ کہلانے گا۔ بخدا اگر کسی فقیہ سے مثال کے طور پر سُزنی^۱ اور غزالی^۲ کی بابت پوچھا جائے اور اسے یہ پتا نہ ہو کہ دونوں میں زمانے اور رتبے کے لحاظ سے کیا فرق ہے تو اس کو رسوا کن حد تک قصور وار گردانا جائے گا، اس کی یہ کوتاہی

۱ - اسمعیل بن یحییٰ ، ف ۵۲۶۴ -

۲ - مجد بن مجد ، ف ۵۵۰۵ -

الاعلان بالتوبیخ

اس کو داغدار کر دے گی۔ اہل حدیث نے اپنے راویوں کے متعلق اس بات کا حق ادا کر دیا ہے، جرح و تعدیل پر ان کی کتابیں اسی سے بھری پڑی ہیں، نیز سب معلومات ترتیب کے ساتھ ان تالیفات میں جمع ہیں جنہیں 'تواریخ' کہا جاتا ہے۔ البتہ فقہا نے اس کی طرف سے بے پروائی برقی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں وہ پہلی سی خصوصیت باقی نہ رہی کہ تحقیق اور علمی کوشش و امتیاز کے لحاظ سے اپنے ائمہ کے فرق مراتب کو پہچانیں۔ مجھے نوجوانی ہی سے ان چیزوں کا خاص اہتمام رہا۔ جہاں خیال جاتا ہے وہاں سے بھی اور جہاں خیال نہیں جاتا وہاں سے بھی میں نے ان کو ڈھونڈ نکالا، نوادر کو اپنی گرفت میں لیا اور تتر بتر چیزوں کو جمع کیا۔ اس کے بعد میں نے ان کتابوں کو لیا جو اہل حدیث نے مشرق و مغرب کے بڑے بڑے شہروں کی تاریخ پر لکھی ہیں اور جن میں ان شہروں کے رہنے والوں اور وہاں آکر بسنے والوں میں سے خاص خاص لوگوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے، پھر میں نے بہت سی قاموسیں دیکھیں جن میں شیوخ حدیث کے نام تھے۔ چند (شیوخ کی سلسلہ وار) فہرستیں اور تواریخ بھی دیکھیں۔ رہیں وہ کتابیں جو فقہا کے تذکرے پر مشتمل ہیں تو ان میں گنتی کے فقہا مذکور ہیں، کتابیں بھی کم ہیں اور ان کا مضمون اور حاصل بھی بہت کم ہے۔ البتہ ان میں غیر صحیح اور ناقابل اعتماد روایتیں بہت ہیں۔ میں نے فقہ کی بڑی بڑی کتابیں بھی چھان ڈالیں اور بے شمار ایسی چیزیں ڈھونڈ نکالیں جو کونوں کھدروں میں دب چھپی پڑی تھیں....." تا آخر کلام۔

ابوالعباس احمد بن علی بن ابی بکر بن عیسیٰ بن محمد بن زیاد المیورق 'اعمال الاحتمال' میں، جو میرے خیال میں کتاب کا نام ہے، لکھتے ہیں: جو اللہ کی خاطر محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا ذکر تاریخ میں کرنے کا وہ قیامت کے دن اس ولی اللہ کا ہم درجہ ہوگا اور جو

۱ - ف ۵۶۷۸ نا اس ہے کچھ پہلے۔

کسی ولی اللہ کے نام کا محبت کے ساتھ تاریخ میں مطالعہ کرے گا تو گویا کہ اس نے زیارت کر لی اور جو کسی ولی اللہ کی زیارت کرے اللہ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے بشرطیکہ وہ ولی اللہ کو اپنی زیارت سے کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور نہ وہ اس زیارت کے لیے جانے ہوئے راستے میں کسی مسلمان کے آزار کا باعث ہو۔ اس لیے کہ ایذا سے عمل باطل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا ہے: ”جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کا ساتھی بنتا ہے، ایک شخص جن لوگوں سے محبت کرے گا انہیں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔“

وَرِخْهُمْ تَحْطَىٰ بِأَجْرٍ وَأَفْرٍ
اذْذِكْرُهُمْ دِينَ وَتَقْوَىٰ وَاعْتِصَامٍ

ان کی تاریخ لکھو، بڑا اجر پاؤ گے، اس لیے کہ ان کا تذکرہ دین تقویٰ اور پابندی، مذہب میں شمار ہوتا ہے

الْحَبُّ فِي الْمَوْلَىٰ مَلَاثِمٌ سَعَدْنَا
وَالْبَغْضُ فِيهِ مَحْشُكٌ أَحْكَامِ الْأَنْامِ

اللہ کی خاطر محبت ہماری معادت کے لیے سازگار ہے اور اللہ کی خاطر بغض یہ ہے کہ مخلوق کے احکام کی مخالفت کی جائے

[ص: ۲۸] نیز رسول اللہ سے مروی ہے: ”جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے اسے زندہ کر دیا اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس کی زیارت کی، اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا گویا کہ اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔“ جو کسی ولی اللہ کی زیارت کرے وہ جنت کے محلوں میں اللہ کی خوشنودی کا مستحق قرار پاتا ہے، اور میزبان کا یہ فرض ہے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ رسول اللہ سے یہ بھی مروی ہے: ”جو نیک لوگ مر چکے ہیں ان کا ذکر ایسا ہی

الاعلان بالتوبیخ

ہے جیسے زندوں میں محبت کرنے والوں کی رحمت و مہربانی - جس نے ایک گروہ کی تاریخ لکھی توقع یہ ہے کہ ان میں سے جو نیک ہوں گے وہ بدوں کے حق میں شفاعت کریں گے - حدیث میں آیا ہے ” ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا اور اعمال کا دار و مدار نیت پر ہی ہے “ - ایک قول یہ بھی ہے ” جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوشنودی نازل ہوتی ہے ، اور جب رسول اللہ (صلعم) کا ذکر ہوتا ہے تو محبت نازل ہوتی ہے ، اور جب نیک بندوں کا ذکر ہوتا ہے تو رحمت نازل ہوتی ہے ، جو ان کا ذکر کرے اس کو وہ سعادت کی منزل میں اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں - جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کا ساتھی ہوتا ہے اور اس کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے “ -

التاج ابو طالب علی بن انجب الخازن^۲ کہتے ہیں : جس کے پڑھنے اور سننے سے تھکے ہوئے ذہن کو سب سے زیادہ راحت مہسر آئے ، جس کے فائدے اور نفع سے تمام غم دور ہو جائیں ، جو حد درجہ دلچسپ بات چیت اور بہترین خبروں کا سرمایہ ہو ، وہ وہی ہے جس سے نصیحت اور عبرت دونوں حاصل ہوتی ہیں یعنی علم تاریخ یا اخبار - اسی علم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں کے الٹ پھیر کیسے ہوتے ہیں - ان میں جلد جلد تبدیلیاں کیونکر ہوتی ہے اور حالات کس طرح پائنا دکھاتے ہیں تاآنکہ ان کا زوال اور خاتمہ ہو جاتا ہے “ - نیز اپنی کتاب ” اخبار الوزراء فی دُول الامم الخلفاء “ میں وہ کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ کتاب تاریخ کی کتابوں میں سب سے زیادہ مفید ہے ، اس کا حاصل سب سے زیادہ اور اثر سب سے نمایاں ہے ، اس کی خبریں سب سے دلچسپ ، اس کی باتیں سب سے اچھی اور اس کا پھل سب سے میٹھا ہے اس لیے کہ اس سے فضیلتوں کے حاصل کرنے اور برائیوں سے بچنے کی

۱ - لحظ ص - ۲ - سبق -

۲ - معروف بہ ابن الساعی ۵۹۳ - ۶۶۷ -

الاعلان بالتوبیخ

تحریک ہوتی ہے۔ بلاشبہ بڑے بڑے لوگ جو اقبال مند ہوں اور کاشانوں کے مالک ہوں ان کی اکھاڑ پچھاڑ ایک نصیحت پذیر شخص کے لیے سامان عبرت اور غور و فکر کرنے والے کے لیے کار آمد تجربہ ہے۔ ہر عقل مند فرد جب نیک اخلاق دیکھتا ہے تو انہیں ناپسند کرتا ہے، برے اعمال دیکھتا ہے تو انہیں ناپسند کرتا ہے، بھلائی کے فائدے دیکھتا ہے تو ان کا طلب گار بن جاتا ہے، برائی کے نتائج دیکھتا ہے تو ان سے دور بھاگتا ہے۔ بلند ہمت اور عزت نفس والے لوگ ہمیشہ اچھی خبروں کا شوق رکھتے ہیں تاکہ ان کا پیوند لگا کر اپنی سمجھ کی کار کردگی میں اضافہ کریں، ان سے اپنے ذہن کو جلا دیں، دل بیدار رکھیں اور عقل کی تربیت کریں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اس غور و فکر سے توحید اور باری تعالیٰ کی وحدانیت کے اعتراف کا جذبہ ابھرتا ہے، اس لیے کہ جب بنظر غائر دیکھا جائے کہ تقدیر کی کار فرمائی کس طرح ہوتی ہے، زمانہ کس طرح پلٹے دکھاتا ہے، رات دن کس طرح ادلتے بدلتے رہتے ہیں، قومیں کس طرح پے در پے ایک دوسرے کی جگہ لیتی ہیں اور حکومتیں [ص: ۲۹] کس طرح دست بدست گردش کرتی اور چکر کاٹی رہتی ہیں تو اس سے سبق سیکھنے والے کو عبرت حاصل ہوتی ہے، جو غفلت میں ہو وہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”و تِلْكَ الْآيَاتُ نُنَادُوا بِهَا بَيْنَ النَّاسِ“ (زمانے کا ہم نے یہی حال بنایا ہے ’ آج کسی کا کل کسی کا‘) اور اگر ایک سبق سیکھنے والے کو صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہو جائے کہ وہ اس دار فانی پر کم بھروسہ کرنے لگے اور اس کے دل میں آخرت جاودانی کی رغبت بڑھ جائے تو ضمیر کے نیک کاموں کی طرف متوجہ ہونے اور صالح کردار پر کمر بستہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن علی الانصاری القیروانی^۲ اس شہر

۱ - قرآن ۳/۱۳۰ -

۲ - ف ۵۶۹۶ -

(قیروان) کی تاریخ میں کہتے ہیں کہ انہوں نے صرف اہل علم ، دیندار اور اللہ کے نیک بندوں کا ذکر کیا ہے ۔ یہ مناسب اور ہر لحاظ سے بہتر ہے ، نیز شرف اور کمال کا موجب ہے ۔ اس کے ذریعے بڑا اجر اور گراں قدر ثواب جلد از جلد حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ اس لیے کہ ان کا تذکرہ بڑی برکتوں کے نزول کا باعث ہے اور تقرب کا اعلیٰ سبب ہے ۔ نیکوں کے ذکر سے ضرور رحمت نازل ہوتی ہے ۔

البہاء ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن یعقوب الجندی^۱ کا قول وہی ہے جو ہم ابن جریر کی عبارت کے ضمن میں اوپر درج کر آئے ہیں ۔

العلم ابو محمد القاسم بن محمد البیروالی^۲ کہتے ہیں : یہ بہترین اور سب سے پسندیدہ علم ہے ، اس کے فائدے سب سے بڑھ کر اور سب سے نمایاں ہیں ، اس کی باتیں سب سے زیادہ کمال اور درخشانی رکھتی ہیں ، یہ عبرت حاصل کرنے کا وسیلہ اور بصیرت بڑھانے کا طریقہ ہے ۔ یہ ایک تحفہ ہے جو تمہیں گزری ہوئی قوموں کے روبرو لاتا ہے ۔ یہ ایک تفریح ہے جس کی بدولت مطالعہ کرنے والے کا دل خوش ہو جاتا ہے اور زبان رواں ہو جاتی ہے ۔“

الکمال جعفر الاددوفوی^۳ 'الطالع السعید' کے مقدمے میں لکھتے ہیں : ” یہ ایسا فن ہے کہ اس کی نہت ضرورت رہتی ہے ، اس کی بڑی ہی قدر کی جانی چاہیے ۔ اس کی بدولت بعد میں آنے والے انکوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں کہ کون تعظیم و اکرام کا مستحق ہے اور کون ایسا ہے کہ دھیلے کے برابر قیمت نہیں رکھتا ، کس پر جرح اور کس پر تعدیل لاگو ہے ، کون کن طریقوں پر کار بند رہا ہے ، کون کن اخلاق سے متصف ہے اور کس نے کون سے حقائق دنیا کے سامنے رکھے ہیں ۔ نیز یہ علم انساب کو محفوظ کرنے کا بہترین ذریعہ

۱ - لعظ ص ۱۶ سبق -

۲ - ۶۶۵ - ۵۳۰ -

۳ - جعفر بن ثعلب (؟) الاددوفوی ، ف ۵۳۸ -

ہے تاکہ ان کا عمل جاری رہے۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث اور بیدار مغز علما نے اس پر اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہے۔ یقیناً ان میں سے بعض نے سنہ کے لحاظ سے ترتیب رکھی ہے اور بعض نے ناموں کے لحاظ سے تاکہ زیادہ نمایاں اور درخشاں رہے۔ کسی نے مخصوص طور پر کسی ایک ملک کو لیا ہے اور کسی نے ہر ملک اور ہر معاشرے سے بحث کی ہے^۱۔

[ص : ۳۰] محمد بن ابراہیم بن ساعدین الاکفانی^۲ ”ارشاد المقاصد الی امنی المقاصد“ میں جو ایک نفیس کتاب ہے، رقمطراز ہیں : تاریخ کی کتابوں کا فائدہ یہ ہے کہ بادشاہوں کا، عالموں اور بڑے بڑے لوگوں کا اور گزشتہ زمانے کے واقعات کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے دل بھی خوش ہوتا ہے اور اہل بصیرت کو عبرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے زمانے میں صحیح ترین تاریخ وہ ہے جو ابن الاثیر الجزری^۳ نے تالیف کی ہے بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں اچھی اچھی خبروں کے ساتھ پسندیدہ اشعار بھی جمع کر دیے گئے ہیں، بدین وجہ ان تالیفات کا حسن بہت بڑھا ہوا ہے، مثلاً ”التذکرۃ الحمدونیۃ“^۴ و ”ربحانۃ الادب“ از ابن سعید^۵ و ”العقد“ از ابن عبدربہ^۶ و ”فتصل الخطاب“

۱ - الطالع السعید (مصر، ۱۳۳۳ھ) میں ”ناد“ (معاشرہ) کے بجائے ”واد“ (وادی) ہے۔

۲ - ف ۵۳۹۔

۳ - عز الدین ابن الاثیر مصنف ”الکامل فی التاریخ“۔

۴ - محمد بن الحسن بن حمدون ف ۵۶۲۔

۵ - علی بن موسیٰ بن سعید، ساتویں صدی ھ۔ ان کی تصنیف کا نام

”تجارب الاسم“ جیسا کہ متن میں اس جگہ ہے، غلط ہے۔

ص ۱۶۲ لحق میں صحیح نام درج ہے۔

۶ - احمد بن محمد، ف ۵۳۸۔

از التیفاشی^۱ و 'نشر الدرر' از الابی^۲ وغیرہا۔

میری نظر سے گزرا ہے کہ کسی نے اپنی کتاب 'الذوالنظم فی العلم والتعلیم' میں ابن الاکفانی سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے :
"تاریخ کی کتابوں سے فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ عالموں اور عاقلوں کی خبریں اور ان کے حالات ، زمانے کے حادثات اور لوگوں کی سیرتیں نیز ان کی وہ خوبیاں اور برائیاں جو زمانے نے ان کی موت کے بعد باقی رکھی ہیں سب معلوم ہو جاتی ہیں۔"

مشہور ولی اللہ العقیف الیافعی^۳ نے اپنی تاریخ کا جو کہ ہجری سنوں کے مطابق مرتب کردہ ہے ، یوں نام رکھا ہے "میرآة الجہان و عبرات الیقظان....."۔ دل کا آئینہ اور بیدار مغز کے لیے سامان عبرت ، جو معتبر حوادث ، کوائف انسانی کے الٹ پھیر ، اور ناسی گرامی لوگوں کی موت کی تاریخ جاننے سے فراہم ہوتا ہے "۔ اس کے شروع میں انہوں نے مندرجہ ذیل ابیات درج کیے ہیں :-

أیا طائباً علم التتواریخ لم یمن
با خثلال تغریط و إمثال افراط

اے علم تاریخ کے شوکین ، اس میں کوئی عیب نہیں ہے نہ تو
تو اختصار کی الجھن کا اور نہ طولانی باتوں سے اکتانے کا

تساق کناہا قداسی متوسطا
وخیر امور حل منہا بأوساط

۱ - احمد بن یوسف ، ۵۸۰ - ۵۶۵۱ - متن میں 'للسفافی' غلط ہے۔

۲ - منصور بن الحسین ، ف ۳۲۱ ھ - متن میں 'ہودرر اللالی' غلط ہے۔ یہ غلطیاں ویسی کی ویسی ص ۱۶۲ لحق میں ہوی پائی جاتی ہیں۔

۳ - عبداللہ بن اسمعہ ، ف ۶۸۰ ھ۔

یہ لو، ایک ایسی کتاب جو درمیانی ہے اور اچھی چیزیں وہی ہوتی ہیں جو درمیانے درجہ کی ہوں

مُحَلَّتِي بِشَاعَرٍ زَهَتْهُ و نوادرٍ
وَمَا لَاقَ مِنْ إِبْطَاتِ ذَكَرٍ وَاسْقَاطِ

یہ آراستہ ہے خوبصورت اشعار اور نوادر سے اور جو بات جس لائق ہو اس کے ذکر یا حذف سے

وَمِنْ دُرَرِ الْإِلْفَازِ غُرَّةٍ مَعَانِي (؟)
و نُخْشَبَاتِ جُودَاتِ نِقَاوَةِ لِقَاطِ

اور موتی جیسے الفاظ سے جن کے معانی چمکتے ہیں اور ایسی منتخب اور نفیس چیزوں سے جنہیں نہایت توجہ سے چن کر جمع کیا گیا ہو

بِذَاكَ اعْتِبَارٌ وَاطِّلَاعٌ مَطَالِعِ
عَلَى عِلْمِ دَهْرِ مَوَافِعِ الْخَلْقِ حَطَّاطِ

پڑھنے والے کو اس سے عبرت ہوتی ہے اور وہ خوب جان جاتا ہے کہ زمانہ کیسا ہے جو انسانوں کو کبھی اوپر اٹھاتا اور کبھی نیچے گرا دیتا ہے

و تَصْرِيفِ أَيَّامِ حَكِيمِ مُدَاوِلِ
بِهَمَا مَقْبِطِ فِي خَلْقِهِ غَيْرِ قَسَّاطِ

اور کس طرح ایک حکمت والا زمانے کو گردش میں لاتا ہے اور ایک دوسرے کو منتقل کرتا ہے۔ وہ جو اپنی مخلوق کے ساتھ انصاف ہی کرتا ہے اور کبھی ظلم نہیں کرتا

فَكَمْ فِي تَوَارِيخِ الْوَقَائِعِ عِبْرَةٌ
لِمَعْتَبِرِ خَشْيِ الْعَوَاقِبِ مُحْتَمَاطِ

تاریخی واقعات میں کس قدر سامان عبرت ہے اس شخص کے لیے جو

۱۔ اصل متن 'الدھر' - تصحیح از مرآة الجنان -

سبق سیکھے ، عواقب سے ڈرے اور احتیاط سے کام لے

فتیٰ من صُرُوفِ الدَّهْرِ حَزْمٌ سُبَّانِبِ

تَعْمَاطِيْ اُمُوْرٍ مَّعْطِيَّاتٍ لِّمَتَعْمَاطِيْ

جو باکمال ہو اور زمانے کی اونچ نیچ سے اتنا باخبر ہو کہ باز رہے

اُن کاموں میں دخل دینے سے جو کسی دوسرے کے حصے کے ہوں

قَنُوْعٌ بِمَا فِيْهِ الْخَيْرُ اِقَامَةٌ

وَقَدْرَةٌ رَّاضِي الْقَضَا غَيْرِ مَسْخَاطٍ

جو مطمئن ہو اُس مقام میں جہاں کہ خدائے خبیر نے اُسے رکھا

ہے اور جو اس کے لیے مقدر ہے اس سے راضی رہے بغیر اس کے کہ

قضا و قدر کے خلاف غم و غصہ رکھے

[ص : ۳۱] اَجِرْ رَبِّ مِنْ كُلِّ الْبَلَايَا وَفِتْنَةٍ

بَدُنِيَا بَهَا كَمْ ذِي اَفْتِنَانٍ وَكَمْ خَاطِيْبِي

اے رب ! تو پناہ میں رکھ تمام مصیبتوں اور فتنوں سے اس دنیا میں

جو فتنہ پروروں اور خطا کاروں سے بھری بڑی ہے

وَكَمْ غَارِقٍ فِي بَحْرِهَا جَالِشَطِيْبِهِ

فَكَيْفَ بِنِ الْبَحْرِ قَدْ جَاوَزَ الشَّاطِيْبِي

ایسے تو بہت سے ہیں جو اس کے سمندر میں غرق ہوتے ہوتے پھر

کنارے کو آ لگے لیکن کیا ہوگا اُس کا جو سمندر میں دوں بالکل

جانے اور کنارہ اس کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو جائے

البدر ابو محمد بن عبداللہ بن محمد بن فرحون المدنی المالکی " نصیحة

المُشَاوِرِ وَتَعْزِيَةِ الْمُجَاوِرِ " میں ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو اس

کو برا سمجھتے تھے کہ مسجد نبوی میں حاکم یا منہج یا عالم کے

بیٹھنے کی جگہ پتھر یا ایسی ہی اور کوئی علامت نصب کی جائے۔

۱ - ف ۸ ویں صدی ھ کے اواخر میں -

اسی ضمن میں وہ اپنے بہت سے معاصرین کا اور ان کی بعض کرامات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کی یاد زندہ رہے اور ان کے علم کا حلقہ وسیع ہو۔ ساتھ ہی وہ بہت سی اچھی باتیں اپنے پیشرو ثقہ علما کی تواریخ سے لے کر شامل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ”جس شخص تک یہ باتیں پہنچیں لیکن وہ ان کی روایت کی صحت کی بابت کچھ نہ معلوم کر سکا وہ ان باتوں کو اس جگہ مندرج پا کر خوش ہو گا۔ یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ شاید کوئی انصاف پسند ان باتوں کو پڑھ کر یہ کوشش کرے کہ ان علما کے روشن اخلاق خود اس میں بھی پائے جائیں اور وہ بھی ان کے بلند اخلاق کا خوشہ چیں بن جائے“۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ ”اللہ علما کے اجر میں اضافہ کرتا ہے بایں طور کہ جاہل لوگوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے، خاص طور سے ایسے لوگوں کو جو اپنی بابت یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس درجے کو پہنچ گئے ہیں کہ شکوک رفع کر سکیں حالانکہ وہ اس درجہ سے بہت پست ہوتے ہیں۔ اللہ نے کیسی خوبی عطا کی تھی مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو جن کا ارشاد ہے کہ ”کوئی بھلائی نہیں اس شخص میں جو اپنے نثریں ایسے مرتبے کا مالک جانے جس کا لوگ اسے اہل نہیں سمجھتے۔ میں تو مسجد میں (تدریس کے لیے) اس وقت تک نہیں بیٹھا جب تک ستر شیوخ اہل علم نے اس بات کی شہادت نہ دی کہ میں اس کا اہل ہوں“۔ اللہ ان پر اور ہم سب پر مہربانی کرے۔

الحافظ العجیوی ابو محمد عبدالقادر القرشی الحنفی 'طبقات الحقیقیۃ' میں کہتے ہیں: ”علاء کے سوانح یعنی ان کے حالات، ان کے مناقب، ان کے زمانہ پائے حیات اور ان کے مراتب بیان کرنے میں بڑے قیمتی فائدے اور اہم نکتے مضموم ہیں: ایک یہ کہ دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے چنانچہ بہت سے بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول ”آلا بذكر الله تطمئن القلب“ (یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے

۱ - عبدالقادر بن محمد، ف ۵۷۵۔

۲ - قرآن ۱۳/۲۸۔

دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) سے نبی (صلعم) کے صحابہ کا ذکر مراد لیا ہے اور اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ صحابہ بہت سی باتوں کا شرف رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے نبی (صلعم) کو دیکھا، بحسن و خوبی ان کا اتباع کیا اور ان سے علم حاصل کیا۔ دوسرے یہ کہ ان علما کے کردار کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی اچھی باتوں کو اخذ کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو اس کا صحیح مرتبہ دیا جاتا ہے: جو بلند ہو اس کو عظمت کے صحیح مرتبہ سے نیچے نہیں گرایا جاتا اور کسی کو اس کے مرتبے سے اونچا نہیں اٹھایا جاتا، اس لیے کہ ”فوق کل ذی علم عليم“ (ہر علم والے سے بڑھ چڑھ کر خدا ہے جو سب سے زیادہ جانتے والا ہے)۔ اسی کی طرف رسول اللہ (صلعم) نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے: ”لِيَسْلَيْنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْسَابِ وَالنَّشِئِي“ (میرے قریب تم میں سے ان لوگوں کو ہونا چاہیے جو عقل اور سمجھ والے ہوں)۔ چوتھے یہ کہ جب ’معارضہ‘ ہو (یعنی دو عالم ایک دوسرے کے خلاف جائیں) تو ان میں سے جو علم اور تقویٰ کی رو سے برتر ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ پانچویں [ص: ۳۲] یہ کہ ان علم کی تصنیفات بیان کی جائیں اور یہ بتایا جائے کہ ان میں کون سی اس قابل ہیں کہ ان سے فائدہ لیا جائے۔ ان سب کے علاوہ ایک اور فائدہ یہ ہے کہ علم کے مجہول ہونے سے جو داغ لگتا ہے وہ زائل ہو جاتا ہے اور کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں رہتی کہ ان کو مجہول قرار دے۔ (عق: رحمت)

سفيان بن عيينة کا قول ہے ”جب نیک لوگوں کا ذکر ہوتا ہے تو رحمت نازل ہوتی ہے“۔ ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں

۱۔ فتح العلمہ شرح صحیح مسلم (بجنور) ۶۵/۲۔ کہ زمین اور اسی طرح دیگر مجالس میں شرکاء دو علم و فضل کے مراد لیا جاتا ہے۔ ہونے امام یا محدث کے وقت چکنا دینا چاہیے۔

۲۔ لحظ ص ۲۰ سہف۔

” علما کے اور ان کی خوبیوں کے تذکرے مجھے فقہ سے کہیں زیادہ پسند ہیں اس لیے کہ وہ تذکرے عبارت ہیں قوم کے اخلاق سے “ بسا اوقات تاریخ میں جو ان لوگوں کے مصائب کا ذکر آتا ہے جو آزمائشوں میں ڈالے گئے تو اس سے ہر اس شخص کی جو آزمائش میں ڈالا جائے دل جمعی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بارے میں بھی دلیل حاصل ہو جاتی ہے کہ نیکوں کے زمرے میں وہ لوگ کتنا بلند پایہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح علما کے وطن اور ملک کے تذکرے سے بھی بہت سے فوائد مترتب ہوتے ہیں۔

البرهان ابو اسحق ابراہیم بن علی بن فرحون^۱، جو بھتیجے ہیں ان ابن فرحون کے جن کا اوپر ذکر ہوا، وہ اپنی کتاب ’طبقات المالکین‘ کے خطبے میں لکھتے ہیں: ” اس علم کو جاننے کی فضیلت بخوبی واضح ہے، اس کا نہ جاننا عیب کی بات ہے۔ یہ جو مقولہ ہے کہ اس کا ” علم بے سود اور جہل بے ضرر ہے “ تو یہ اس کی بابت نہیں بلکہ علم الانساب کی بابت ہے اور عظیم ہے کہ وہ ایک الگ فن ہے (۵ ق) نہیں بلکہ انساب پر بھی توجہ ضروری ہے اور اس کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔ ابن عبدالبر^۲ نے اس کا ذکر کیا ہے اور الشہاب التلقشندی^۳ نے بھی اس کا بہت سا حصہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ولی الدین بن خلدون المالکی^۴ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: ۵

الموفق ابو الحسن علی بن الحسن بن ابی بکر الخزر جی ” تاریخ

۱ - ف ۵۹۹ -

۲ - یوسف بن عبداللہ، ف ۶۳۳ -

۳ - احمد بن علی، ف ۵۸۲۱ - ان کی مشہور کتاب ’صبح الاعشی‘ ہے۔ ایک اور کتاب ’نہایۃ الأرب فی انساب العرب‘ بھی ہے۔

۴ - عبدالرحمن بن محمد، ۲۳۲ - ۵۸۰۸ -

۵ - اصل نسخے میں مصنف نے اقتباس کے لیے جگہ خالی چھوڑی ہے جسے وہ پر نہ کر سکے۔

۶ - ف ۵۸۱۲ -

الاعلان بالتویخ

الیمن کے مقدسے میں لکھتے ہیں ” میرے لیے اس تاریخ کی تالیف کا باعث یہ ہوا کہ میں نے لوگوں کو فن تاریخ سے بے توجہی برتنے دیکھا حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے اور اس پر بہت سے کاموں کا دار و مدار ہے۔ اس کے ضمن میں بہت سی نصیحتیں اور اخلاقی باتیں بھی آ جاتی ہیں اور ملے جلے رشتوں اور قرابتوں کا بھی تفصیلی تذکرہ ہو جاتا ہے۔“ ان کا کہنا ہے کہ ” اگر تاریخ سے واقفیت نہ ہو تو کسی بعد میں آنے والے کو اگلوں کی کوئی خبر نہ ملے، نہ تو یہ معلوم ہو سکے کہ کون زیادہ فضیلت رکھتا تھا اور کون کم، اور نہ مشہور و معروف ہستیاں گمنام اشخاص سے ممتاز ہو سکیں۔“

الشمس مجد بن عمار المصری المالکی کہتے ہیں: ” اگر اس علم کا صرف اتنا ہی فائدہ ہو تو بہت ہے کہ زمانہ گزشتہ کی باتیں اور مسلسل روایتیں سامنے آ جانے سے ناخوشگوار زمانے کے بیشتر غم دور ہو جائیں۔ یہ جان کر کہ غم کا معاملہ بہت پرانا ہے۔“ [ص: ۳۳] چنانچہ اندلسی ادیب، استاد ابو عبداللہ بن الابرار ’ التحفة ’ میں یہ قصہ لکھتے ہیں کہ امیر تمیم بن یوسف بن تاشقین ایک مرتبہ غزوہ پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں ایک میمون الہسوزاری تھے جو قرطبہ کے بڑے فقیہ اور غیر معمولی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے اور دوسرے ابوالولید بن رشد تھے جن پر سارے کاموں کا دار و مدار تھا اور سارے اختیارات بھی انہیں کو سونپے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مرسیہ کے باہر پڑاؤ کیا تو وہاں ابو مجد بن ابی جعفر ملے اور ان کی مجالس میں گفتگو اس مسئلے پر ہونے لگی کہ ” لا الہ الا اللہ “ اور ” الحمد للہ “ میں فضیلت کس کو ہے؟ ابوالولید کہتے تھے کہ ” لا الہ الا اللہ “ افضل ہے اور ابو مجد کہتے تھے کہ ” الحمد للہ “ افضل ہے۔ اس پر میمون نے یہ

۱ - مجد بن عبداللہ، ف ۵۶۵۔

۲ - ف ۵۵۲۔

۳ - مجد بن احمد، ف ۵۵۲۔

بیت لکھ کر بھیجے جن میں وہ ابو محمد کی طرف رخ کر کے برا بھلا کہتے ہیں :

أَعِيدُ نَظْرًا فِيمَا كَتَبْتَ وَلَا تَسْكُنُ
بِغَيْرِ سَهَامٍ لِلنُّضَالِ مُسَارِعًا

تم نے جو کچھ لکھا ہے اس پر نظر ثانی کرو اور ایسا نہ کرو کہ بغیر تیر و تفنگ جھٹ لڑائی میں کود پڑو

فَدُ وَنَكَ تَسْلِيمَ الْعُلُومِ لَا هَلْمًا
وَ حَسْبَكَ مِنْهَا أَنْ تَكُونَ مَتَابِعًا

تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ علم کی باتیں علم والوں پر چھوڑ دو اور تم محض ان کی پیروی پر اکتفا کرو

اخْلَتَ ابْنُ رِشْدٍ كَالَّذِينَ عَاهَدَ تَسْمًا
وَ مِنْ دُونِهِ تَلَقَى الْهَيْزَ بِشَرِّ مُرَافِيهَا

کیا تم سمجھتے ہو کہ ابن رشد بھی انہیں جیسے ہیں جن سے تمہیں پہلے کبھی سابقہ پڑا ہے۔ درآنحالیکہ تم شیر بے گو جو پوری طاقت سے مقابلہ کر رہا ہو ان کے مرتبے سے فروتر پاؤ گے

اس کا جواب ابو جعفر بن وضاح نے ابو محمد کی حمایت میں ان کی طرف سے یوں دیا :

رُوَيْدِكَ مَا نَبَّهْتَ مِينَتِي نَائِمًا
وَ دُونَكَ فَاسْتَمَعْتُهَا إِذَا كُنْتُ سَامِعًا

ذرا ٹھہرو! تم نے جو مجھے چھیڑا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ میں غافل تھا۔ لو! اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو سنو

فَلَوْ سَلَّمْتُ تِلْكَ الْعُلُومُ لَا هَلْمًا
لَمَا كُنْتُ فِيمَا تَدَّ عَيْدُ مَنَازِعًا

۱ - احمد بن مسلمة، ف، ۵۳، تقریباً۔

اگر علوم علم والوں کے حق میں محفوظ ہوتے تو تم کبھی دخل نہ دیتے ان باتوں میں جن کی بابت تم جھوٹے دعوے کرتے ہو۔

ولتو ضَمَمْنَا عندالتناظرِ مجلسِ
سَقِينَاكَ فِيهِ السَّمُّ لَكِنْ نَاقِعَا

اگر ہم تم مجلس مناظرہ میں کبھی اکٹھا ہو جائیں تو ہم تمہیں ایسا زہر پلائیں جو ہلاہل ثابت ہو

ابن عمار نے یہ قصہ ایک اور مناسبت سے نقل کیا ہے۔ البتہ میرا مقصد اس کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ غم دور کرنے کی پوری پوری شہادت پیش کروں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ”بے شک ہمیشہ سے یہ ہونا آیا ہے کہ عام میں نااہل شریک ہو جاتے ہیں۔ ان کی شرکت سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ علم کے ساتھ ساتھ طلب علم میں مستعدی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انہیں جیسے بلند مراتب حاصل کریں بلکہ وہ جاہ کی تلوار اور مال کی دھونس سے ناحق اور زبردستی ان مراتب میں شریک ہو جاتے ہیں جو شرعاً عام کا حق ہے اور ان کے طیلسان کا خرقہ پہنے اور انہیں جیسا علمے دے پلو ڈالنے بھرتے ہیں، لیکن جوں ہی پردہ اٹھاؤ اور حق کی روشنی میں دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس چیز کی نمائش کرتے ہیں جو ان کے پاس نہیں اور جھوٹ اور مکر کے لہجے اورڑھتے ہیں یہاں تک کہ دیکھنے والے ان پر ہنستے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں بلکہ وہ تو تاریخ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں جس کی یاد دو بار بار تازہ کیا جاتا ہے اس غرض سے کہ دشمنوں کے دفعیے کے لیے ضروری آگاہی میسر رہے۔“ مزید وہ کہتے ہیں کہ ”گزشہ و حال سب ہی زمانوں میں ہو گوں کی اس حد تک حق تلفی ہوئی ہے کہ [ص: ۳۴] وہ واقعی مر گئے۔ اگرچہ علمی حیات سے تصنیف و روایت کی بدواں زندہ و باقی رہے مثلاً سیبویہ حدیث کے امام تھے، انہوں نے براہ راست عرب سے سن کر یہ علم حاصل کیا تھا، پھر جو علوم ان کے دل پسند تھے اور ان کی تحقیقات کا موضوع تھے ان

کے بیان میں وہ سب پر فوقیت لے گئے تھے ، ان کو بھی حق تلفی نے مار ڈالا۔ ان کے مد مقابل اور ان سے مناظرہ کرنے والے کسائی تھے جب برامکہ نے ان دونوں کو بلایا اور ”مسألة الزنبور“ کی بابت پوچھا تو سیبویہ نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا جو عرب کے سلیقے اور ان کی زبان کے طریقے کے عین مطابق تھا لیکن کسائی نے اس کو نہ مانا وہ زبردستی کرتا رہا محض اس بل پر کہ وہ الرشید کا چہیتا اور اس کا منظور نظر تھا۔ بالآخر بدو عرب بلائے گئے تاکہ وہ یہ بتائیں کہ دونوں میں کون صحیح ہے۔ عربوں نے محض یہ سن کر کہ یہ کسائی کا قول ہے اس کی تائید کر دی اس لیے کہ کسائی کا درجہ بڑا تھا یا اس لیے کہ بعض روایات کے مطابق ان کو پہلے سے اس بات کی رشوت دے دی گئی تھی حالانکہ وہ اس طریقے پر بولنے سے عاجز تھے اور سیبویہ ، یحییٰ بن خالد برمکی سے کہتے ہی رہ گئے کہ ان عربوں سے کہیے کہ بول کر دکھائیں ، ان کی زبانیں اس طرح روان ہیں نہ ہوں گی^۱۔ اس کے بعد سیبویہ کے بس میں اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ ”مجبوری اور حق تلفی کا احساس لیے بصرہ چھوڑ کر فارس چلے جائیں ، چنانچہ وہ مرتے دم تک وہیں رہے۔ ابن حازم الاندلسی^۲ نے اس مسئلہ (الزنبور) کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کو اپنے ”المنظومة النحویة“ میں درج کیا ہے ، چنانچہ وہ کہتے ہیں.....“ اس کے بعد [ابن عمار نے] ابیات نقل کیے ہیں۔

” ایسے ہی لوگوں میں سے جنہوں نے حق تلفی کے سبب حال میں جان دی الجہال بن مالک^۳ ہیں جو سارے جزیرہ عرب میں نحو اور لغت

۱۔ سیبویہ کا کہنا تھا کہ اس مثال میں ”قد کنت اظن ان العقب اشد لسعة من الزنبور فاذا هو هی“ صحیح یونہی ہے فیذا هو هی“ اس کے مقابلے میں کسائی کو ”فاذا هو ایٹاھا“ (منصوب) کی صحت پر اصرار تھا۔

۲۔ حازم بن محمد ، ف ۵۶۸۴۔

۳۔ بظاہر محمد بن عبداللہ ، ف ۵۶۷۲ ، مصنف ’الالفیة‘ مراد ہیں۔

کے مانے ہوئے راوی تھے باوجودیکہ وہ بڑی اچھی صفات کے مالک تھے اور ان کو بہت کچھ ضرورت اور تنگی بھی لاحق تھی مگر جب وہ دمشق کے ایک گاؤں میں خطیب ہوئے تو ایک جاہل نے ان کی مخالفت کی اور خطابت ان سے چھین لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ خاص وجہ یہ ہوئی کہ وہ جمعہ کی نماز کو آئے اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر اُس جاہل سے پوچھ بیٹھے کہ 'الف' کا معراج تو بتاؤ۔ وہ چکرا گیا، اسے یوں معلوم ہوا جیسے ابن مالک کوئی عجمی زبان بولے ہوں۔ پھر اس نے سارے حروف تمہجی گنا ڈالے اور الف سے شروع کرتے ہوئے سب کے سب بتا دیے۔ لیکن وہ عوام جو اس جاہل کے ساتھ تھے خوشی سے چیخ پڑے کہ پوچھی تو ایک بات اور جواب ملا ۲۹ کا۔ جاہل کی کسی نے نہ مٹی چنانچہ وہ خاموش ہو گئے اور چند ہی دن بعد انتقال کر گئے۔"

ابن عمار نے یہ قصہ اور اس جیسے اور بہت سے قصے بڑی تفصیل سے درج کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن الرفعة جو بہت بڑے عالم تھے "سعیّد" (مددگار مدرس) کے منصب تک بھی نہ پہنچ پائے درآنحالیکہ بہت سے جاہل مال و دولت کے ذریعے یا کہینے جاہ طلب لوگوں کے ساتھ میل جول گانٹھ کر 'مدرس' کے مرتبے کو جا پہنچے۔ ابن الحاجب^۲ جب دمشق سے واپس آئے تو قاہرہ اور اسکندریہ میں ان کی سب سے بڑی عزت افزائی یہ ہوئی کہ انہیں "شاہد" [ص: ۳۵] مقرر کر دیا گیا، چنانچہ ابن خلکان^۳ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

۱۔ بظاہر احمد بن محمد ف ۵۷۱۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ خاصے کامیاب تھے۔

۲۔ عثمان بن عمر، ف ۵۶۳۹۔

۳۔ Notary = قانونی کاغذات کی تصدیق کا مجاز۔

۴۔ احمد بن محمد بن خلکان، ف ۵۶۸۱۔ مصنف "دقیات الاعیان"۔

سے بہت سے عربی زبان کے مشکل مسائل پوچھے اور انہوں نے پورے سکون اور وثوق کے ساتھ شافی جواب دیا۔۔۔ ابن عمار نے اس قسم کی بہت سی باتیں لکھی ہیں جو سب کی سب ہمارے مفید مطالب نہیں تاہم بات سے بات نکل آتی ہے۔ میں نے اس قسم کی سب باتیں اپنی ایک اور کتاب میں جس کا نام 'الفرجة' ہے تفصیل سے درج کر دی ہیں۔

تقی (الدین) مقریزی کہتے ہیں: "فی الجملہ عام کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور نقلی۔ انسان کو چاہیے کہ جب دونوں علوم حسب ضرورت اچھی طرح سیکھ لے تو تمام تر تاریخ کے مطالعے میں کھو جائے اور اس کی عبرتوں پر غور کرے۔ اللہ تعالیٰ جس کے دل کا پٹ کھول دیتا ہے اور آنکھوں کے پردے ہٹا دیتا ہے اس کو اس غور و فکر کے نتیجے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے انسانوں کو جو دولت اور فوجی طاقت پر اکڑتے تھے بالآخر کس ہلاکت و بربادی سے دو چار ہونا پڑا۔ اس طرح اسے دنیا سے کنارہ کشی کرنے اور آخرت پر دھیان دینے کی توفیق ہوتی ہے۔"۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں: "کتنی بری بات ہے کہ ایک شخص عالم کہلانے اور سمجھ بوجھ کا دعویٰ کرے، پھر جب اس سے اللہ تعالیٰ کے ان رسولوں کی بابت پوچھا جائے جن پر ایمان لانے کا حکم ہے تو وہ جواب میں صرف ناموں کی فہرست گنا دے اور ان ہستیوں کی بابت کچھ نہ بتا سکے جو ان ناموں کی حامل تھیں۔ اسی طرح یہ کتنی بری بات ہے کہ ایک شخص درس دینے اور فتویٰ دینے کی طرف پیش قدمی کرے، لوگوں کے جھگڑے چکائے اور فیصلے دے لیکن یہ نہ جانے کہ مصطفیٰ (صلعم) کے احوال کیا تھے، آپ کا نسب کیا تھا اور آپ کی پاکیزہ سیرت، آپ کا بلند مرتبہ اور آپ کی ذاتی اور عرضی خوبیاں کیا تھیں۔ یہ باتیں تو وہ ہیں کہ ہر ایمان والے کے لیے ان کا جاننا ضروری ہے اور جو عالم کہلانے اس کے لیے تو ان سے پوری پوری واقفیت

۱۔ احمد بن علی المقریزی ۲۶۶ - ۸۲۵ مصنف "المواعظ و الاعتبار
بذکر المخطط والآثار"۔

لابدی ہے۔ جس کی نا واقفیت کا یہ حال ہو اُس سے تو یہی بن پڑے گا کہ جب قبر میں منکر و نکیر اس سے پوچھیں کہ تم اس ہستی (محمد صلعم) کی بابت کیا جانتے ہو تو وہ یہ جواب دے کہ 'مجھے خود تو کچھ نہیں معلوم' دوسروں کو جو کہتے سن رہے ہیں میں نے بھی کہا، اللہ ہمیں اس صورت حال سے محفوظ رکھے۔"

اسی لیے ابو الحسن بن فارس^۱ جو نحو اور لغت کے بڑے امام گزرے ہیں فرماتے ہیں: "یہ سب باتیں خاص طور پر ایسی ہیں کہ تمام مسلمانوں کو ان سے واقف ہونا چاہیے۔ بڑا افسوس ہے اس شخص پر جو عالم ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ نہ جانے کہ مہاجرین میں سبقت و اولیت کس کس کو حاصل تھی، اسے یہ بھی تمیز نہ ہو کہ کن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور جائیں دیں اور کن لوگوں نے فتح کے بعد۔ نہ یہ معلوم ہو کہ وہ اہل بدر کون سے ہیں جن کی بابت یہ کہا گیا ہے: "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" (تمہارا جو جی چاہے کرو، ہم نے تمہاری خطائیں معاف کر دی ہیں) نہ یہ کہ 'بیعة الرضوان' میں شریک وہ کون لوگ تھے جن کو آگ نہیں چھوئے گی^۲ اور نہ یہ خبر ہو کہ انصار کون تھے جن کی بابت ہم کہہ کر یہ حکم ہے کہ ان میں سے جو بھلائی کرے اس کے ساتھ بھلائی کریں اور جو برائی کرے اس سے درگزر کریں اور ان کی محبت کو اپنا ایمان سمجھیں۔"

مقریزی کا ایک اور قول یہ ہے جو نجم الدین بن فہد^۳ نے خود ان کے ہاتھ کی تحریر سے نقل کیا ہے: "جو تاریخ لکھتا ہے وہ مارے (گزشتہ) زمانے کو [ص: ۳۶] اپنی عمر کے حساب میں شامل کر لیتا ہے اور جو اپنے زمانے کے واقعات قلمبند کرتا ہے وہ اپنا زمانہ ان

۱ - احمد بن فارس، ف بعد، ۵۳۹۔

۲ - مشکوٰۃ: باب جامع المناقب۔

۳ - حدیث ہے "لا بد لخل النار احد" متن بايع تحت الشجرة۔

۴ - عمر بن محمد ۸۱۲ - ۵۸۸۵۔

لوگوں کے روبرو رکھ دیتا ہے جو اس زمانے کے نہیں ہیں۔ اس طرح وہ پڑھے لکھے لوگوں کو عمروں کا ہدیہ پیش کرتا ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں کو ان ملکوں سے آشنا کر دیتا ہے جو خود ان کے ملک نہیں ہیں :

غترنی ان ارئی الدیار بیعینی۱
ولتعلیٰ ارئی الدیار بسامعی

یہ محض دھوکا ہے کہ یہ گھر بار میری نظروں کے سامنے رہیں گے ہو سکتا ہے کہ میں اس گھر بار کو صرف اپنے کانوں سے دیکھ پاؤں۔

پاک ہے وہ ذات جس کی ہر روز ایک نئی شان ہوتی ہے ۲۔

نیز وہ (مقریزی) اپنی کتاب 'العقود الفریدة' میں لکھتے ہیں :
" اللہ تعالیٰ مخلوق کو نسلاً بعد نسل پیدا اور پے در پے قبیلوں میں آباد کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ اگلے لوگ پچھلوں کے لیے اپنے قصے بطور عبرت و نصیحت چھوڑ جائیں اور پچھلے لوگ اگلوں کی یاد تازہ کرتے رہیں اور ان کی خبریں پھیلاتے رہیں تاکہ سمجھدار لوگ مذموم باتوں سے باز رہیں اور ان سے نفرت کریں اور با ادب حضرات ان اخلاق کی پیروی کریں جو اچھے اور پسندیدہ ہوں " الخ۔

تقی الدین بن قاضی شہبہ^۳ کہتے ہیں : " جو لوگ پچھلے دور کے ہیں ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ان کی خبروں کے سننے کا شرف حاصل

۱۔ الشریف الرضی مجد بن الحسین ، ف ۶۰۳ کا بیت ہے۔ دیوان (بیروت ، ۱۹۶۱ع) ۶۵۸/۱ میں " فاتنی.....بطرفی " ہے یعنی میرے لیے ناممکن ہو گیا ہے کہ میں اس گھر بار کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں...،

۲۔ آیت قرآنی " کل یوم ہُو فی شان " - ۲۹/۵۵ -

۳۔ ابو بکر بن احمد ، ف ۵۸۵ -

ہو کیونکہ ان کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں اور یہ اس (تاریخ) کے فائدوں میں سے ایک بڑا فائدہ ہے۔“

البدر حسین الاهدل^۱ ”تحفة الزمن فی تاریخ سادات الیتمن“ کے شروع میں لکھتے ہیں: ”یہ بڑا مفید علم ہے، اس کے ذریعے خلف کو سلف کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور راست باز لوگ ظالموں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، مطالعہ کرنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کرتا ہے اور گزشتہ لوگوں کی عقل و دانش کی قدر پہچانتا اور بہت سے دلائل کا پتا لگا لیتا ہے۔ اگر یہ علم نہ ہوتا تو تمام حالات، مختلف حکومتیں، حسب و نسب اور سبھی علل و اسباب نامعلوم رہتے اور جاہلوں اور عقلمندوں کے مابین تمیز ہی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراہ کی ایک پوری کتاب ایسی اتاری ہے جس میں گزشتہ قوموں کے حالات اور ان کی زندگی کی مدت اور نسب کا بیان ہے۔“

العالم المچیوی (مچی الدین) الکافیا جی العنفی^۲ جو از راہ نوازش میری بابت یہ فرماتے ہیں کہ ”تم معقول و منقول.....“ میں اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم ہو“ انہوں نے تاریخ کے موضوع پر اپنی ایک تصنیف مجھے بھیجی جسے انہوں نے رجب سنہ ۶۷۷ (۸) میں مکمل کیا۔ وہ اس کے شروع میں لکھتے ہیں: ”یہ علم دنیا اور آخرت اور سارے درمیانی زمانے میں نفع دینے والا ہے، اس کے فائدے عجیب و غریب اور بے شمار ہیں، یہ موتی اور مرجان کا سمندر ہے، اس کے فائدوں کا ٹھیک ٹھیک بیان ناممکن ہے، یہ دونوں جہان (مسلک و مسلکوت) کے عجائب پر مشتمل ہے اور ذات حق کے حضور میں جو بڑی عظمت و شوکت والی ہے، [ص: ۳۷] پہنچا دیتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے موتی بحر عمان کی گہرائیوں میں بکھرے ہوئے تھے اور قواعد اور بیانات

۱ - الحسين بن عبدالرحمن ، ف ۵۸۵۵ -

۲ - محمد بن سليمان ۷۸۸ - ۵۸۷۹ -

۳ - اصل نسخے میں جگہ خالی ہے -

لڑی میں پروئے ہوئے نہ تھے اس لیے اہل طلب اور اہل ادب پر رحم کہا کر میں نے طاقت و امکان کی حد تک اس کو ترتیب اور بیان کے قاعدوں میں سمو دیا ہے۔ اگرچہ میں اس عظیم الشان کام کے لیے پیش قدمی کرنے سے کوسوں دور تھا پھر بھی میں نے یہ کتاب ”المختصر فی علم التاریخ“ تصنیف کر کے اپنے بھائیوں کو ویسا ہی تحفہ دیا ہے جیسا چیونٹیوں نے حضرت سلیمان کو دیا تھا۔“ اس کے بعد انہوں نے بتایا ہے کہ علم تاریخ تدوین کا کس قدر مستحق ہے اس لیے کہ اس کی کتابیں ساری دنیا میں مقبول عام ہیں، چنانچہ انہوں نے بھی، ان کے اپنے قول کے مطابق، تاریخ کو بحسن و خوبی مدون کیا ہے تاکہ کھلے طور پر مقبول ہو اور سینہ بہ سینہ لوگوں میں منقول ہو، ماہ و سال کی گردش کے باوجود باقی رہے، زبان پر اس کا ذکر ہو اور دل میں اس کی جگہ ہو۔ ہر زمانے میں ہر جگہ اس کے ذریعے یاد تازہ ہوتی رہے اور لوگوں میں شوق پیدا ہوتا رہے تاکہ اس میں جیسا درج ہے ویسا ہی ان کا عمل ہو اور اس مشہور عام مقولے کا مصداق سامنے آ جائے کہ ”جو لکیر کاغذ کے حوالے نہ کی جائے وہ باقی نہیں رہتی اور جو بات دو سے تیسرے کے کانوں تک پہنچے وہ عام ہو جاتی ہے۔“ ”الغرض تاریخ بڑی اہمیت رکھتی ہے اور پسندیدہ، خلائق ہے، اس میں عبرت اور غور و فکر کا سامان ہے، بہت سی نیک اور اچھی باتیں معتبر طور پر اس میں درج ہوتی ہیں، اگر تاریخ نہ ہو تو کوئی خبر اور اچھی بات ہم تک کبھی نہ پہنچے۔ وہ تو جسم اور روح دونوں کی غذا ہے، خاص و عام سب کی خبروں کا خزانہ ہے، عجیب و غریب باتوں روایتوں اور مثالوں کی کان ہے، ادیب کے لیے زینت، دانشمند کے لیے سہارا، محدث کے لیے باعث نقویت اور معلمند کے لیے کرامت ذخیرہ ہے۔ بادشاہ، وزیر، سمجھ بوجھ والے سپہ سالار اور تمام عالی مرتبہ لوگ اس علم کے محتاج ہیں۔ بادشاہ ان حکومتوں اور قوموں سے عبرت حاصل کرتا ہے جو پچھلے زمانے میں تھیں، وزیر ان لوگوں کے اعمال سے سبق لیتا ہے جو اس سے پہلے سیف و قلم دونوں میں امتیاز رکھتے تھے۔ سپہ سالار تاریخ کے ذریعے لڑائی

الاعلان بالتوبیخ

کی چالوں اور نیزہ و تلوار کے استعمال کے صحیح مقامات سے واقف ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کو دلچسپ گفتگو کی طرح سنتے ہیں اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف قسم کی بھلائیوں کی طرف بڑھتے اور برائیوں سے باز رہتے ہیں۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش رو بادشاہوں کے راستے پر چل کر ان سے نیک کام تو کرے البتہ وہ کام نہ کرے جس کی بدولت انہیں ندامت اٹھانی پڑی۔ اُسے یہ بھی چاہیے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے جو پیش رو بادشاہوں کے وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں، نیز ان کے احکام و مسائل پر غور کرے اس لیے کہ بعد میں آنے والوں کی بہ نسبت وہ زیادہ تجربہ رکھتے تھے اور زیادہ سبق سیکھے ہوئے تھے۔ بیشتر یہی پایا گیا ہے کہ وہ کھلی اور مخفی باتوں کی بابت زیادہ [ص: ۳۸] بصیرت رکھتے تھے چنانچہ اچھے اور برے میں تمیز کر لیتے تھے اور ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو جان لیتے تھے۔ انوشروان اپنی سیرت کی عمدگی کے باوجود گئے لوگوں کی کتابیں پڑھا کرتا تھا اور ان کے قصے سننے کی عواہش کرتا تھا نیز ان کے طریقے اختیار کرتا تھا۔ الغرض تاریخ لابدی ہے اور چاہیے کہ اس کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، سے لکھا جائے اور ایک دوسرے تک پہنچایا جائے یاں طور کہ، یاس آرائی اور اٹکل پچو باتیں جگہ نہ پائیں اور اوپر جو کچھ گزرا وہ وری طرح ملحوظ رہے۔ قابل غور ہے یہ مقولہ جو بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے سے منقول ہے: ”عقل مند کو چاہیے کہ اپنے کام سے کام رکھے، اپنے زمانے کے لوگوں کو جانے اور اپنی بان کو قابو میں رکھے“۔ اسی جیسے ایک موقع پر نبی (صاعدا) نے فرمایا تھا ”کف عینک هذا، (اپنی اس چیز - زبان - کو قابو میں رکھو)۔“

ز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قابل غور ہے ”لقد ان فی قصصہم لعلامہ“ (ولہ الا لشباب، ما لان حدیثا یفسرہ و لان صدیق الذی بین یدہ و صیل کل شیء و ہدی و بحمۃ لقوم یؤمنون“ (گوشہ لوگوں کے

قصے عقلمندوں کے لیے باعث عبرت ہیں۔ یہ کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ عین مطابق ہے ان واقعات کے جو رسول اللہ سے پہلے رونما ہوئے۔ اس میں ہر بات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے موجب ہدایت و رحمت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”نحن نقص“ علیک احسن القصص بما أوحینا الیک هذا القرآن“^۱ (ہم تم کو اچھے اچھے قصے سناتے ہیں اس قرآن کو تم پر نازل کر کے) اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے ”منہم من قصصنا علیک و سنہم لم نقص علیک“ ”و کلا“ نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک“^۲ (بعض ایسے ہیں جن کے قصے ہم نے تم کو سنائے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کے قصے ہم نے تم کو نہیں سنائے۔ اور ہم تم کو انبیا سے متعلق وہ سب خبریں سناتے ہیں جن سے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں) اقتباس ختم ہوا تھوڑے سے الٹ پھیر کے ساتھ۔ ہمارے بافیض دوست اور حدیث کے مانے ہوئے جید عالم النجم عمر بن فہد الهاشمی المکیؒ اپنی کتاب ”الصدر الکمین بذیل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین“ جو ان کے شیخ الحافظ التقی الفاسیؒ (رح) کی کتاب کا ذیل ہے، اس کے مقدمے میں بایں الفاظ رقمطراز ہیں: ”تاریخ بڑے اچھے اور مفید علوم میں سے ہے۔ اس سے بڑی ضروری اور لازمی تنبیہ حاصل ہوتی ہے اور بعد میں آنے والے اگلے لوگوں کے حالات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اگر تاریخ نہ ہو تو ان کے حالات کبھی نہ جانے جاسکیں اور عالموں اور جاہلوں کے درمیان فرق معلوم نہ ہوسکے۔ ہر زمانے میں لوگوں کی یہی متفقہ رائے رہی ہے اور انہوں نے اس (فن) میں انواع و اقسام کی تصانیف کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توراہ کا ایک پرزہ باب نازل کیا جس میں جداگانہ طور پر گزشتہ امتوں کے حالات، ان کے زمانوں کی مدت اور ان کے نسب کا بیان ہے۔“^۳ اس کے

۱ - قرآن ۳/۱۲ -

۲ - قرآن ۲۸/۱۱، ۱۲۰/۱۱ -

۳ - مجد بن احمد ۲۷۵-۵۸۳۲ -

۴ - لحظ ص ۱۶ سبق -

الاعلان بالتویخ

بعد انہوں نے "الدور النظیم" سے ابن الاکفانی کے الفاظ اور العز لعنبلی کے فتویٰ سے اقتباس درج کیا ہے -

نیز النجم اپنی کتاب "حوادث حکمہ" جس کا پورا نام ہے "اتحاف الوریٰ باخبار ام القریٰ" کے مقدمے میں لکھتے ہیں: "اس علم کے مرتبے کی بلندی اور درجے کی رفعت میں کوئی شک نہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ زمانے کے واقعات، (ص: ۳۹) لوگوں کی سیرت اور ان کی وہ خبریں جو مرنے کے بعد دنیا میں باقی رہ جاتی ہیں سب معلوم ہو جاتی ہیں، عبرت حاصل کرنے والے کو عبرت اور غور و فکر کرنے والے کو بیداری نصیب ہوتی ہے۔ جو لوگ گزر گئے اور فنا ہو گئے ان کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے اور یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ دنیا میں بسنے والا یا بہ رکاب ہے۔ تاریخ کو سنہ وار درج کرنے میں بہت بڑے فائدے اور اہم مصلحتیں ہیں جن کا ذوق اور صحابہ (رض) نے تاریخ وضع کرتے وقت لحاظ کیا"۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شیخ لمقشریزی کے وہ مختصر الفاظ نقل کیے ہیں جو ہم نے ان کے مفصل اقتباس کے بعد درج کیے۔^۳ اسی ذیل میں اور بہتوں کے اقتباس ہیں مثلاً ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب الرازی، مسکوویہ کہنا ہے کہ 'جب انہوں نے قوموں کے حالات اور بادشاہوں کی سیرت کا غور سے مطالعہ کیا اور شہروں کی خبریں اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں تو دیکھا کہ ان سے متعدد ایسے امور کا تجربہ حاصل ہوتا ہے جو بار بار رونما ہوتے ہیں اور جن سے ملتے جلتے واقعات ظہور پذیر ہونا کسر بھی وقت متوقع ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب "تجارب الامم و عواقب الہمم" تصنیف کی۔ یہ چار جلدوں میں ہے اور وزیر الحضرتین ابوشجاع محمد بن الحسین بن عبداللہ البغدادی نے اس کا ذیل لکھا ہے -

۱ - لفظ ص ۳۰ سبق -

۲ - بظاہر احمد بن ابراہیم الکنانی، ف ۵۸۷۶، مراد ہیں -

۳ - لفظ ص ۳۵-۳۶ سبق -

۴ - ف ۵۴۸۸ -

دوسرے ابوالفتح احمد بن مُطَرِّف الکنانی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بہت سی تصانیف سے اخذ کر کے ایک ایسی کتاب جمع کی ہے جس میں صرف خاص خاص تواریخ ہیں اور بہت ہی واضح طریقے پر لکھی ہوئی ہیں۔ وہ ایسی ہیں کہ اہل علم کے لیے ان کا جاننا، ان سے بخوبی آگاہ ہونا اور ان کی بابت انجان نہ رہنا از بس ضروری ہے۔ تمام وہ لوگ جو مذاہب کا اور ذاتی سیرتوں کا علم رکھتے ہیں اور زمانے اور اس کے تقلبات کو جانتے ہیں ان کو یہ باتیں درکار ہیں۔

ایک اور مورخ ابوالحسین علی بن احمد السلاسی^۱ ہیں۔ میں نے حافظ الجمال ابوالمحاسن الیغموری^۲ کے ہاتھ کی تحریر پڑھی ہے جس میں انہوں نے موصوف کی کتاب ”اخبار و لاة خرامان“ سے اقتباس کرتے ہوئے لکھا ہے: ”علوم کی بہت سی قسمیں مختلف سلسلے“ اور رنگا رنگ اصناف ہیں۔ جو ادیب کہلائے اور ادب سے وابستہ ہو، اسے چاہیے کہ مختلف انواع کے علوم سے کچھ نہ کچھ بہرہ ور ضرور ہو، دوسرے لوگوں کے ساتھ جو ان پر ٹوٹے بڑے ہوں مقابلے میں شریک ہو اور جس حد تک بھی ہو ان علوم کی زینت سے آرامتہ ہو۔ علم تاریخ علوم رئیسیہ میں سے ہے۔ ہر زمانے کے بڑے لوگوں کی نشاندہی کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کونسے واقعات ہوئے، کونسی تاریخی باتیں وقتاً فوقتاً رونما ہوئیں اور کیا اسباب پیش آئے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف ادوار اور ہر وقت اور ہر زمانے کے بڑے لوگوں کی زندگی کے حالات سے واقف ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ ان کی بابت جو کچھ کہتا ہے اور خبر بھی ان سے متعلق نقل کرتا ہے اس میں غلطی کرنے اور دوسرے کو غلطی میں ڈالنے کے عیب سے محفوظ رہتا ہے۔ بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بعض باتیں بیان

۱ - ۵۹۵ء کے آس پاس زندہ تھے۔ ان کا صحیح نام ابوعلی الحسین بن احمد السلاسی ہے۔

۲ - یوسف بن احمد ف ۵۶۷۳ء۔

تو کر دیتے ہیں لیکن ان کے ظہور و وقوع کے زمانے سے واقف نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو بعد میں ہوتا ہے اسے پہلے کر دیتے ہیں اور جو [ص : ۴۰] پہلے ہوتا ہے اسے بعد میں رکھ دیتے ہیں۔ خاص طور سے جن کا تعلق ملک خراسان سے ہو ان کا یہی حال ہے۔ اہل خراسان کے ہاتھوں وہ بڑے بڑے کارنامے انجام پائے ہیں جو کسی اور نے انجام نہیں دے۔ ان میں جو اہل علم ہوں ان کا فرض ہے کہ ملک کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہوں اور مقامی مسروں کے معرکے یاد رکھیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی غیب نہیں کہ وہ خود اپنے ملک کی خبروں سے تو ناواقف ہوں اور دوسرے ملکوں کی خبروں کی تلاش میں رہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی فرض چھوڑ کر نوافل میں لگ جائے۔ اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص تھا جو برید (خبر رسانی) کے کام پر متعین تھا۔ اس کی لونڈی حمام کے بہانے اپنے ایک آشنا سے ملنے چلی گئی اور اسے پتا بھی نہ چلا، چنانچہ اس کے بارے میں کسی نے کہا :

دَعَتْكَ بَعْلَةُ الْحَمَامِ نَعْمَ
وَمَا لِبِهَا الطَّرِيقُ إِلَى سَعِيدِ

’نعم نے حمام کا بہانہ کر کے تجھے دھوکا دیا وہ تو اس راستے پر گئی
جو اُسے سعید کے پاس لے گیا

اَرَى الْخَبَارَ دَارَكَ عَنْكَ شَخْسِي
فَكَيْفَ وَ لَيْتَ الْخَبَارَ الْبَرِيدِ

میں دیکھتا ہوں کہ اپنے گھر کی خبریں تم سے پوشیدہ

۱۔ یہ بیت ابو علی البصیر (الاشباہ و النضائر المتخلیفات) قاعرہ ۱۹۵۸
(۶۳/۱) نیز البحتری (دوران العجوات، ص ۲۵) اور ابن
المعدنی (الجاحظ : القول فی البغال، مصر ۱۹۵۵) کی طرف
منسوب ہیں۔

رہتی ہیں۔ پھر تم کس طرح برید کی خبروں پر متعین کیے گئے ہو!

ایسا ہی ابن ہرمة^۱ کا قول ہے :

فانتی و تترّیٰ کی ندی الا کثر مین
و قدّ حی بکفتی زناداً شحاحا

میں نے جو اہل کرم کی بخشش چھوڑ دی اور اپنے ہاتھوں بخیلوں
کے چقماق سے آگ نکالنی چاہی

کتارکة بیضہا فی العراء
و ملیبسة ببعض اُخری جناحا

تو میری مثال ایسی ہی ہے جیسے مادہ شتر مرغ جو اپنے انڈے
تو صحرا میں چھوڑ دیتی ہے اور کسی دوسری کے انڈوں کو اپنے
پروں میں ڈھانپ لیتی ہے

اسی بدولت مادہ شتر مرغ کو بہت زیادہ احمق کہتے ہیں۔
مجاورہ ہے ”انہ لامشوق من نعامہ“ (وہ تو مادہ شتر مرغ سے بھی
زیادہ احمق ہے) اس لیے کہ اکثر اوقات جب کھانے پینے کی تلاش میں
انڈوں پر سے اٹھے اور کسی دوسری کے انڈے نظر پڑ جائیں تو ان کو سینے
لگ جاتی ہے، خود اپنے انڈے چھوڑ بیٹھتی ہے یہاں تک کہ وہ
خراب ہو جاتے ہیں۔ ”بیضة البلد“ (بلد یعنی ریگستان) سے بھی
یہی مراد ہوتی ہے۔ الراعی^۲ کا قول ہے :

تابی قضاة لم تعرف لکم نسبا
وا بشنا نزار فأنتم بیضة البلد

- ۱ - ابراہیم بن ہرمة - اوائل عہد عباسی کا شاعر۔
- ۲ - عبید بن حصین - اموی عہد کا شاعر۔
- ۳ - اصل کتاب میں ”لم“ کے بجائے ”ان“ ہے۔ تصحیح لسان العرب
۸/۸۹۳ سے کی گئی ہے۔

تضاعف بھی اور نزار کے دونوں بیٹے بھی تمہارا نسب ماننے سے انکار کرتے ہیں، پس تم 'بیضة البلد' ہو۔

'بیضة البلد' سے مراد یہی ہے کہ نہ ان کو کوئی پہچانتا ہے نہ ان کے والد کو کوئی جانتا ہے جس طرح شترمرغ کے انڈے صحرا میں بے توجہ پڑے ہوتے ہیں اور ان کی بابت کوئی کچھ نہیں جانتا۔ ایسے انڈے 'تربیکہ' کہلاتے ہیں۔

(تربیکہ بمعنی متروکہ) جمع : ترائک - اعشیٰ کا قول ہے :-

و یہماء قنصر تائه العیر وسطہا

و یسئقی بہا التبیض الحسان ترائکا

یہماء ایسا ریگستان ہے کہ اس کے اندر حمار وحشی بھٹکتے پھرتے ہیں اور خوبصورت انڈے ایسے پڑے رہتے ہیں (ترائکا) کہ کسی کو ان کی پروا نہیں ہوتی۔

اسی طرح کے ایک مورخ المصریٰ مصنف "کتب الدولتین" میں - کتاب کا پورا نام "زحرة العیون و جلاء القلوب" ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں : تاریخ اور جو کچھ اس کے ذیل میں ہو وہ سب بڑے کارناموں کی نشاندہی کرتی ہے اور نیک اخلاق [ص : ۱۴] اور اعمال کی طرف رہنمائی دیتی ہے، بُری اور ذلیل باتوں سے روکتی ہے اور صحیح صحیح تدبیر، بھیک بھیک اندازہ اور نرمی کی سیاست پر آمادہ دیتی ہے۔ ادیب کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے اور ہوشمند عالم کو یاد دہانی ہوتی ہے۔ عام لوگ اس سے ادب سیکھتے ہیں، بادشاہوں کا دل بہلتا ہے، مجالس، منجیدہ ہوں یا ہنسی

۱ - میمون میں قیس - دیوان (طبعة جیٹر، ص ۶۵) میں ابو عبیدہ کی روایت "تالہ العین" (بجائے "تالہ العیر") ہے یعنی نصر حیران ہو جاتی ہے۔

۲ - لحظ ص ۱۵۹ لحق -

مذاق کی ، دونوں اس سے آباد رہتی ہیں ۔ اس کی مثالوں سے دلیلیں روشن ہو جاتی ہیں اور ارادوں میں باسانی کامیابی ہوتی ہے اور سب باتیں ایسی گرفت میں آ جاتی ہیں جیسے وہ آنکھوں دیکھی ہوں ۔ حضرت علی رض کا قول ہے : آخر دل بھی اسی طرح اکتا جاتے ہیں جس طرح کہ بدن تھک جاتا ہے ، اس لیے تم ان کے لیے دلچسپ حکمت کی باتوں کی تلاش میں رہا کرو۔ اور بھلا کتاب سے بڑھ کر کون ایس جلیس اور باتوں سے دل بہلانے والا ہو سکتا ہے ۔ کتاب عقلمند کے لیے باعث تقویت اور ادیب کے لیے سوجب تازگی ہوتی ہے ۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کوئی ان کی مجلس میں قرآن اور تفسیر کے بعد عام باتیں کرنے لگتا تو وہ کہتے ” ذرا زبان کا چٹخارہ بدلو “ یعنی شعر وغیرہ کا سلسلہ چلاؤ ۔ کسی اور کا قول ہے دل بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا ، اس لیے تم ذکر سے انہیں جیلا دیا کرو “ ۔ ابوالدرداء رض سے منقول ہے ” میں نہوڑنے بہت ہنسی مذاق سے اپنا دل خوش کر لیتا ہوں تا کہ اس طرح حق کے لیے مزید کمر بستہ ہو جاؤں “ (ہ ق) تاریخ کے اور فوائد جو ہم نے ذکر کیے ہیں وہ اس کے ساتھ شامل کر لیے جائیں تو پھر کیا ہی کہنے ہیں ۔

ایک اور ہستی کا جس کے دین اور علم پر ابوالعباس المیورقی کو پورا بھروسہ ہے ، کہنا ہے : ” زمانے کے اہل فضل کی خبروں کا پھیلانا ، خواہ ان سے متعلق تاریخیں ہی کیوں نہ ہوں ، دنیا اور آخرت کی سعادت کی علامت ہے ، اس لیے کہ ایسے لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہوتے ہیں ، وہ نفرت کرتے ہیں تو اس وجہ سے کہ اللہ نفرت کرتا ہے ، ان کی محبت اور اللہ کی محبت دونوں ایک ہیں ، نیز کسی بد کردار سے ان کو نفرت ہونا علامت ہے اس بات کی کہ اللہ کو اس سے نفرت ہے ۔ اللہ ان سب کو ، اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ۔ اپنی رحمت ، خوشنودی ، برکتوں اور مغفرت سے نوازے ۔

اسی طرح ہمارے شیوخ ہیں :- القایاتی،^۱ استاذنا (ابن حجر)،
 العینی،^۲ ابن الدیرمی،^۳ الیعز الحنبلی، جن کے تذکرے کے ساتھ ساتھ
 ان کے ارشادات بھی میں آئندہ نقل کروں گا^۴ بلکہ وہ تمام لوگ
 جنہوں نے اس سلسلے میں کچھ لکھا ہے یا جرح و تعدیل سے بحث کی ہے
 (ہر دو فریق کی ایک خاصی تعداد کا تذکرہ آگے آئے گا) اگر وہ تاریخ کے
 دنیوی اور اخروی فائدوں سے باخبر نہ ہوتے تو کبھی اس کی طرف
 توجہ نہ کرتے۔ اتنا تو واضح ہو ہی گیا کہ تاریخ کے ذریعے بہت کچھ
 معلوم ہو جاتا ہے کہ دینا مفید ہے اور کیا مضر۔ استاد ابوالقاسم
 جنید^۵ نے تو قصص کی بابت یہاں تک فرمایا کہ یہ بھی اللہ کا
 ایک لشکر ہیں جن کے ذریعے اللہ عز و جل اپنے ویوں کے دل مضبوط
 کرتا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اے استاد! آپ یہ کس بنیاد پر
 فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "و دُلَّا"
 نقص علیک من انباء المرسل ما اُشبهت بہ فؤادک"^۶ (ہم تم کو
 رسولوں کے متعلق وہ تمام باتیں سناتے ہیں جن سے تمہارے دل کو مضبوط
 کر دیں)۔

[ص: ۴۲] علاوہ ازیں جو تاریخ سنہ وار ہو اس کے فائدے یہ ہیں کہ
 حقوق کی مدت، سکتوں کے اختلاف اور اوفاف کے وقفہ، جن سے بہت
 سے حقوق وابستہ ہوتے ہیں، ذکر کیا جا سکے۔ نیز ان بہتر زمانوں کو
 پہچانا جا سکے جن کی طرف رسول اللہ (صلعم) نے اپنے اس قول میں اشارہ
 کیا ہے: "خیر الناس قرنی ثم التذین یلونہم"^۷ (بہترین لوگ وہ

۱ - محمد بن علی ۷۸۵-۸۵۰۔

۲ - محمد بن احمد ۷۶۲-۸۵۵۔

۳ - سعد بن محمد، ف ۶۱۶۔

۴ - احوط ص ۵۴-۵۵، احوط۔

۵ - مشہور صوفی الجُنید بن محمد، ف ۵۲۹، احوط۔

۶ - احوط ص ۵، سبق۔

ہیں جو میرے زمانے میں ہیں ، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں ، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں)۔ غرض یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون پیروی کے لائق ہے اور کون نہیں۔ اس قول کی رو سے اگر چند افراد کے عمل میں کوتاہی ہو بھی تو ایک زمانے کی بہتری دوسرے کے مقابلے میں بحیثیت مجموعی دیکھی جائے گی۔ خلفاء راشدین جن کی سنت کی پیروی پر ہم مامور ہیں ان کے مخصوص زمانے کا اختتام بھی تاریخ سے معلوم ہو جاتا ہے اور اس وقت کا بھی پتا چل جاتا ہے جب بدعتوں اور نئی نئی باتوں کا ظہور ہوا۔ باقی تاریخ کے فائدے تو اتنے ہیں کہ ان کا شمار نہیں، بقول عینی کے (جیسا آگے آتا ہے) تاریخ کے فوائد کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں۔ الغرض اس کا ثمرہ یہ ہے کہ رغبت اور خوف، رشک اور جوش عمل، تنبیہ اور عبرت، تسلی اور دل جمعی، نصیحت اور کاسیابی، تکلیف اور افاقہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اس ثمرے سے انکار نہیں ہو سکتا خواہ عبرت حاصل کرنے والے اتنے کم کیوں نہ ہو جائیں کہ کوئی پرانا شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو:

لقد اسمعت لو نادیت حیاً

و لکن لا حیاة لمن تنادى

اس میں شک نہیں کہ تم نے خوب سنایا بشرطیکہ مخاطب میں زندگی ہو مگر بات تو یہ ہے کہ تمہارے مخاطب میں زندگی ہی نہیں

و نار لوففخت بہا أضاءتہ

ولکن انت تنفخ فی الرماد

اگر آگ ہوتی تو تمہارے پھونکیں مارنے سے ضرور بھڑک اٹھتی مگر وہ تو راکھ ہے جس میں تم پھونکیں مار رہے ہو

بہر حال کسی نہ کسی شوق رکھنے والے، عبرت حاصل کرنے والے، غور و فکر پر آمادہ، صاحب بصیرت کا وجود ضروری ہے۔ اللہ سے

الاعلان بالتوبیخ

دعا ہے کہ ہمیں باشعور دل اور سچی زبان عطا کرے جو مشکلات کے بارے میں پوچھ گچھ کی عادی ہو، نیز ہم کو قول اور عمل میں نیکی کی توفیق دے اور جب ہم آخر عمر کو پہنچیں تو ہماری مراد پوری کر دے۔

جب اتنی بات ذہن نشین ہوگئی تو اب کہنا یہ ہے کہ گو تاریخ کی خوبیاں اتنی ہی نہیں جتنی کہ ہم نے اوپر بیان کی ہیں تاہم جو بھی ہیں وہ ایسی نہیں کہ علما کے ساتھ مخصوص ہوں، بلکہ تاریخ کی کان سے گُہر رولنے میں ماہرین فن کے ساتھ سبھی علم و فہم رکھنے والے شریک ہیں۔ اسی لیے علما کو اس کا شوق ہوتا ہے اور علما کے علاوہ بادشاہوں اور منتظمین کو بھی۔ سالک اور مناظر (صوفی اور متکلم) بھی اہل تاریخ کی صحبت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، اہل تاریخ کے پاس بیٹھتے اٹھتے ہیں اور فی الجملہ اس کی اتنی قدر کرتے ہیں کہ معمولی اور واضح باتوں میں بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ علامہ، مجتہد التقی بن دقیق السیّدؒ تو جب درس دیتے دیتے تھک جاتے تھے تو اپنے شاگرد ابن سید السناسؒ سے فرمائش کرتے تھے کہ ”اے شیخ فتح الدین! بزرگوں کے سوانح سنا کر ذرا ہمیں خوش کرو“۔ یہ بھی روایت ہے، اللہ جانے کہاں تک صحیح ہے، [ص: ۳۳] نہ قاضی ابو یوسف اتنا بے پایاں علم رکھنے کے باوجود، مغازی اور ”ایام العرب“ (عربوں کی اڑتیاں) وغیرہ کو جو از قسم تاریخ ہے حفظ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کچھ عرصہ مغازی سننے یا سنانے میں لگے رہے اور اپنی روزمرہ کی مجلس سے غائب رہے۔ جب واپس آئے تو اسی نے؟ پوچھا ”بتائیے، حالوب کا علمبردار کون تھا؟“ وہ سمجھ گئے کہ اس کا مقصود مذاق یا اسی قسم کی کوئی بات ہے چنانچہ انہوں نے غصے میں جواب دیا: ”اگر تم

۱ - محمد بن علی ۶۲۵-۵۷۰ھ -

۲ - فتح الدین محمد بن محمد بن محمد ۶۷۱-۵۷۳ھ -

اس قسم کی باتوں سے باز نہ آئے تو میں سب کے سامنے تم سے پوچھوں گا کہ بتاؤ بدر کی لڑائی پہلے ہوئی یا اُحد کی۔ تم تو اتنا بھی نہیں جانتے ہو حالانکہ یہ تاریخ کا سب سے آسان مسئلہ ہے۔“

بلکہ یہاں تک اتفاق پڑا کہ امیر منجر دواداری^۱ نے حافظ شرف الدین دمیاطی^۲ سے جن کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ کتنے بڑے آدمی تھے، پوچھا کہ بخاری^۳ کا سنہ وفات کونسا ہے تو اتفاق سے انہیں ہر وقت یاد نہ آیا۔ اس کے ذرا دیر بعد ابن سیّد الناس ان سے ملنے گئے، ان سے پوچھا تو انہیں فوراً یاد آ گیا۔ اس کی بدولت دواداری کے یہاں ان کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا اور اس نے نہایت عزت کے ساتھ ان کو اپنا مقرب بنا لیا۔

ایک روز قاضی جلال الدین بُلُقِیْنِی اپنے گھر سے برآمد ہوئے اور بلند آواز سے اپنے ایک خاص آدمی سے کہا کہ تقی مقریزی کے پاس جا کر اُن سے تاریخ کا فلاں مسئلہ پوچھو۔ بُلُقِیْنِی جیسے مرتبے والے سے یہ بات مقریزی کے لیے فخر کا موجب ہوئی۔ اس سے بھی زیادہ فخر کی بات ان کے لیے یہ تھی کہ ہمارے شیخ (ابن حجر) خاص طور پر علمی گفتگو کے لیے ان کے گھر جایا کرتے تھے حالانکہ تقی کا آنا جانا ان کے پاس بہت تھا اور دونوں کے اپنے اپنے مقاصد تھے۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) نے بیان کیا کہ الظاهر ططّر نے ان کو بتایا کہ جس رات المویّد^۴ کا انتقال ہوا میرا ہاتھ بہت تنگ تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے مجھے کچھ کھانے کی چیز دی تو میرے ہٹوے میں پانچ دینار بھی نہ نکلے جو میں اس کے عوض میں دے سکتا، نہ ہی کوئی ایسا نظر آیا جو مجھے یہ رقم قرض دیتا، لیکن زیادہ دیر نہ

۱ - ف ۵۶۹۹ - دوادار - وزیر داخلہ (عہد ممالیک میں)

۲ - عبدالمومن بن خلف ۶۱۳-۵۷۰ -

۳ - محمد بن اسماعیل البخاری، ف ۵۲۵۶ -

۴ - المویّد، ف اوائل، و ططّر، ف اواخر - ۵۶۹۹ -

الاعلان بالتویخ

لگی کہ میں حکومت اور اس کے مال دولت پر قابض ہو گیا ، نیز الظاهر نے ابن حجر کو تاکید کی کہ وہ یہ قصہ اپنی تاریخ میں درج کریں اس لیے کہ یہ ندرت رکھتا ہے ۔

ہمارے شیخ البدر العینی ، اشرف برسبای وغیرہ کو تاریخ اور اسی قسم کی چیزیں پڑھ کر سناتے تھے اور اشرف کہا کرتا تھا (مفہوم یہ تھا) کہ مجھے تو اسلام انہیں^۱ سے ہاتھ آیا ہے ۔ عینی اور ان کے علاوہ ابن ناہض^۲ وغیرہ نے بادشاہوں کے لیے سیرتوں کا مجموعہ بھی تیار کیا اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ بادشاہ اس کے شوقین ہوتے ہیں ۔

دوادار کبیر یعنی فقیہ یشبیک المویثدی^۳ ، جو بڑے جلیل القدر امیر تھے اور نیک مقصد کے ساتھ مجھ سے پڑھتے تھے ، مجھ سے خواباں ہوئے کہ میں الظاهر^۴ خشتقدم^۵ کی خاطر وہی کروں جو عینی نے کیا مگر میں نے ان کا کہا نہ مانا۔ البتہ ان کے بعد جو دوادار ہوئے یعنی یشبیک بن مہدی عظیم الدولہ^۶ [ص : ۴۴] وہ خاص طور پر اس فن کا اچھا ذوق رکھتے تھے ، انہوں نے جب مجھ سے مقریزی کی تاریخ 'الساوک' کا ذیل لکھنے کو کہا تو میں نے استخارے اور مشورے کے بعد مان لیا اور 'التبیر المسبوک' تصنیف کی ۔ چنانچہ وہ اس کو اتنا پسند کرتے تھے کہ اس کے جتنے بھی حصے ان کے پاس ہوتے وہ سب سفر میں اپنے ساتھ رکھتے اور جو بھی ان کے سامنے آتا اسے دکھاتے اور تمام رؤساو منتظمین اور بڑے بڑے نوکروں کے سامنے اس پر اظہار فخر کرتے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تعریف اور ذکر خیر کے دلدادہ ہوتے ہیں ۔ وہ جن سے ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ ان کا تذکرہ لکھتے

۱ - انہیں (عینی) سے یا اسی (تاریخ) سے ؟؟

۲ - محمد بن ناہض ، ف ۵۸۴۱ - مصنف سیرت المویثدی

۳ - یشبک بن سلمان شاہ ، ف ۵۸۷۸ -

۴ - ف ۵۸۷۲ -

۵ - ف ۵۸۸۵ -

وقت برائیاں نکالیں گے تو یہ اُن کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لیکن اب یہ سب باتیں ختم ہو گئیں، اب تو صرف جہل باقی ہے، ادب کا فقدان ہے اور دنیا کا کاٹھ کباڑ ہی توجہ کا مرکز ہے، آگے خیر سلا۔

”الستبر“ کے مقدمے میں میں نے جو کچھ کہا ہے منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ ”علم تاریخ حدیث نبوی کے فنون میں سے ہے، ایسی خوبصورتی کی چیز ہے کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں بشرطیکہ اس میں سیدھا اور مناسب راستہ اختیار کیا جائے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے اس کا اثر بہت گہرا ہے اور شریعت کے لیے اس کا فائدہ مسلم اور اتنا معروف ہے کہ مزید بیان کرنے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ بڑے پائے کے لوگ اسی کے ذریعے ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہیں، اسی سے ملاقات کا دعویٰ کرنے والے کا جھوٹ کٹھلتا ہے اور اوپر تک سلسلہ قائم کرنے میں وہ جس تعریف کا مرتکب ہوتا ہے وہ سامنے آ جاتی ہے۔ بایں طور کہ یہ پتا چل جاتا ہے کہ جس شیخ سے وہ روایت کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے وہ خود اس کی پیدائش سے پہلے ہی مر چکا تھا یا خلل دماغ میں مبتلا ہو چکا تھا اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگا تھا یا یہ کہ وہ اپنے شہر سے باہر نہیں گیا اور جو اس سے روایت کرنے کا مدعی ہے وہ کبھی اس کے شہر میں داخل نہیں ہوا۔ نیز تاریخ کے ذریعے نسب محفوظ رہتا ہے جس پر صلہ رحم کا مدار ہے اور وہی وراثت اور ہمسری کی علت بھی ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر طے ہے اور ذہن نشین کیا جا چکا ہے۔ تاریخ ہی کے ذریعے حقوق کی ادائیگی کے اوقات، سکٹوں کے اختلاف، اور اوقاف کا علم حاصل ہوتا ہے جن سے بہت سے جانے پہچانے حقوق وابستہ ہوتے ہیں۔ تاریخ سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عالموں، زاہدوں، فاضلوں کی اور خلفاء، سلاطین، امرا اور شرفا کی خبریں، میرتیں، صلح و جنگ میں ان کے کارنامے، اور اُن کی خوبیاں اور بُرائیاں جو دنیا میں باقی رہ جاتی ہیں بعد اس کے کہ وہ خود زمانے کے ہاتھوں فنا ہو جاتے ہیں اور گردش ایام ان کی تازگی کو پڑسردگی میں بدل دیتی ہے۔ سب کی سب معلوم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کے اچھے کارناموں کی

تقلید کی جاتی ہے البتہ جو باتیں ایسی ہوں کہ نیک طالب عقلمیں ان سے دور بھاگیں وہ نہیں سنی جاتیں۔ اس میں جو مفید نصیحتیں ہوتی ہیں وہ قبول کی جاتی ہیں اور اچھے اچھے لطیفوں سے ذوق و شوق رکھنے والوں کی دلہستگی کا سامان ہوتا ہے۔ اس ذیل میں بہت سے علمی مسائل، نظری مباحث اور اشعار بھی آ جاتے ہیں جو لغت، معانی اور عربی زبان سے [ص: ۴۵] متعلق ادبی علوم کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ اسی بنا پر بہت سے دیانت دار فقہا نے صاف طور سے کہا ہے کہ تاریخ ایک فرض کفایہ تو ہے لیکن ایسا فرض کفایہ جو بلندیٰ مرتبہ کے لحاظ سے فرض عین پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ جو یہ فرض انجام دیتا ہے اس کی بدولت دوسروں کے سر سے بہت سے الزام ٹل جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو تمام مضامین چھوڑ کر اس میں لگ جانا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ سمجھ بوجھ والوں پر عیاں ہے، گو اس میں شک نہیں کہ تاریخ منجملہ دیگر علوم کے ایک علم ہے اور معلومات اور نقوش کی ایک لڑی ہے۔ اس کی مدح میں جو بہترین شعر میرے علم میں آیا اور جو مجھے سب سے زیادہ پسند اس لحاظ سے ہے کہ وہ اس علم کو نظر انداز نہ کرنے اور اس کے اہتمام کا شوق دلانے میں بالکل صریح ہے وہ قاضی ارجمانی کا قول ہے جو معنی اور لفظ دونوں کے حسن کا جامع ہے :

إذا عَلِمَ الإنسانُ أخبارَ مَنْ مَضَى
تو هَمَّتْهُ قد عاشَ من أوَّلِ الدهرِ

جب انسان گزرے ہووے کی خبریں جان لے تو تم یہ سمجھو کہ وہ آغاز زمانہ سے جی رہا ہے

و تَحْسَبُهُ قد عاشَ آخِرَ عُمُرِهِ
إذا كانَ قد ابقَى الجمیلَ من الذِّئْبِ

اسی طرح یوں سمجھو کہ وہ آخر وقت تک زندہ رہے گا
وہ اپنے بعد ذکرِ خیر چھوڑ جائے

فقد عاش كل الدهر من كان عالماً
حليماً كريماً فاغتنم طول العمر

ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ملے گی اسے جو عالم حلیم اور شریف ہوگا ،
اس لیے تم بھی ایسی زندگی کو غنیمت جانو جو سب سے زیادہ لمبی
زندگی ہے ۔

اس فن کی برتری کے لیے تو صرف اتنا کافی ہے کہ بخاریؒ نے
نے اپنی 'تاریخ' مدینۃ النبی میں نبی علیہ السلام کی قبر کے پاس تصنیف
کی ۔ آپ چاندنی راتوں میں لکھا کرتے تھے اور 'تاریخ' کو اور 'صحیح'
کو برابر درجہ دیتے تھے ، وہی 'صحیح' جس کے ابواب قبر نبوی اور منبر
شریف کے مابین جگہ بدل بدل کر لکھتے تھے اور ہر عنوان پر دو رکعت
ادا کرتے تھے ۔ میرا کہنا ہے کہ دونوں کا برابر ہونا تو کھلی بات ہے
اس لیے کہ حدیث کی قدر و قیمت پہچاننے کا تاریخ کے سوا اور کوئی
ذریعہ نہیں ۔

اس فن کی معلومات کے ضمن میں بہت سی ایسی باتیں ہاتھ آ جاتی
ہیں جن کا تعلق دوسرے علوم سے ہے مثلاً سیاست یعنی وہ علم جس میں
ریاست اور سیاست کی قسمیں اور اچھے اور بُرے معاشرے اور متعلقہ امور کا
ذکر ہوتا ہے یا علم الاخلاق جس کے ذریعے فضیلتوں کی قسمیں اور ان کے
حصول کے طریقے اور برائیوں کی قسمیں اور ان سے بچنے کی صورتیں معلوم
ہوتی ہیں ، یا علم تدبیر منزل جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان اور
اس کے بیوی بچوں اور نوکروں کے باہمی حالات کیا ہوتے ہیں اور ان
کی صحیح شکل کیا ہونی چاہیے ۔

ہم نے سنا ہے کہ اشرف برسبای کے کسی ندیم نے اس کی تعریف
کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فقیہوں کو مالدار بنا دیا ہے اور ایسے ایسے
کام کیے ہیں جو آپ سے پہلے بہتوں سے آبن نہ پڑے یعنی قاہرہ ،
مجرہ ، خانقاہ وغیرہ میں مدرسے قائم کیے ۔ اس پر اُس نے جواب

۱ ۔ خانقاہ سریا قوس ۔

دیا کہ ہمارے پیشرووں کا ، فقہا ساتھ نہ دیتے تھے اس لیے وہ ان کے حق میں کوتاہی کرتے تھے ۔ ہمارے فقہا ہمارے خلاف نہیں جاتے اس لیے کم از کم اتنا تو ہو کہ ہم دنیا کا کاٹھ کباڑ ان کو دیدیں ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو گئی گزری بات ہے ۔ اب تو یہ حال ہے [۳۶] کہ تائید بھر حال حاصل ہے اور اطاعت نکیل (خِطَام) کے ذریعے کرائی جاتی ہے نہ کہ کاٹھ کباڑ (حُطَام) کے بدلے ، بلکہ وہ گزارے کی رقمیں جو آگے وقتوں سے فقہا کے لیے مخصوص ہیں ان میں بھی دوسروں کو شریک بنایا جاتا ہے ۔ اللہ ہماری اور ان کی مغفرت کرے ۔

تمہ جو دو فائدوں پر مشتمل ہے :-

اول : العز بن جماعۃ کا کہنا ہے : ”ایک چیز جو مشکل بھی ہے اور ضروری بھی وہ یہ کہ علم تاریخ اور علم طبقات کا فرق جانا جائے اور ان دونوں کے موضوع اور مقصود میں جو تفاوت ہے وہ بھی معلوم رہے ۔ آگے چل کر وہ کہتے ہیں ۔ ”سیرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اصل میں تو دونوں ایک ہی چیز ہیں البتہ مختلف اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں میں عموم و خصوص وجہی کی نسبت ہے ۔ راویوں کا حال بیان کرنے کی حد تک دونوں ایک ہیں ، اس کے بعد تاریخ صرف واقعات کو لیتی ہے اور طبقات میں یہ ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر ایک بدری (جنگ بدر میں شریک) ہے جس کی وفات اس شخص کے بعد ہوئی جو بدر میں شریک نہ تھا تاہم اس بعد میں مرنے والے کا ذکر پہلے ہوگا ۔ اصول تو یہی ہے لیکن ہرانے لوگوں کے بعد جو مصنفین ہوئے ہیں انہوں نے ، مثلاً طبقات الشافعیہ میں ، اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے اور وہ طبقے میں شمولیت کے لیے وفات کے قرب کا لحاظ کرتے ہیں ۔ بسا اوقات ایسا ہونا ہے کہ ایک شخص ایک طبقے میں وفات کے مقدم ہونے کی وجہ سے رکھا جائے

۱ - عبدالغریز بن نهد ، ف ۵۷۶ مراد ہو سکتے ہیں نہ کہ نهد بن ابی بکر ،

ف ۵۸۱۹ ۔

ہے اگرچہ تحصیل علم کے لحاظ سے اس کا زمانہ بعد کا ہوتا ہے لہذا درحقیقت وہ بعد والے طبقے میں ہوتا ہے۔ بعض متاخرین نے فرق یوں بیان کیا ہے کہ تاریخ اصل میں پیدائش اور وفات بتانے کا اہتمام کرتی ہے اور ضمنی طور پر حالات زندگی کا۔ اس کے برخلاف طبقات میں اصل اہتمام حالات زندگی کا ہوتا ہے اور ضمنی طور پر پیدائش اور وفات کا لیکن پہلی بات زیادہ قرین صحت ہے۔

دوم: اکثر بولا جاتا ہے 'فلان المتوفی' اس میں تمہیں اختیار ہے کہ ف کو زبر دو (متوفی) یا زیر (متوفی)۔ زیر کی توجیہ یوں ہے کہ "مدت عمر کو پورا لے لینے والا"۔ اس کی سند اللہ تعالیٰ کا قول ہے "والتذین یتوفون منکم" ۱ یاء کے زبر کے ساتھ (یتوفون) علی رض کے قرأت کے مطابق جس کا مطلب ہے "جو اپنی مدت پوری لے لیتے ہیں"۔ یہ ضرور ہے کہ ابو الاسود الدؤلیؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جنازے کے ساتھ جا رہے تھے، کسی نے پوچھا "من المتوفی؟"، ف کے کسرہ کے ساتھ (کون پورا لے لینے والا ہے؟) تو انہوں نے کہا "اللہ"۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ منجملہ دیگر اسباب کے یہ واقعہ سبب بنا اس بات کا کہ علی رض نے ابو الاسود کو نحو [وضع کرنے] کا حکم دیا۔ اگر اس حکایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ انہوں نے صرف اس کا لحاظ کیا کہ پوچھنے والے کی سمجھ میں کیا بات آسکتی ہے اور اس کی عقل کی رسائی کہاں تک ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ انہیں کا مقولہ ہے "لوگوں سے وہی باتیں کرو جو وہ سمجھتے ہوں"۔ ۳

۱ - قرآن ۲/۲۳۳ -

۲ - ظالم بن عمرو، ف ۵۶۹، علم نحو کا بابا آدم -

۳ - یہ قول "حدیث" ثوا الناس بما یعرفون" رسول اللہ کی طرف منسوب ہے -

لحظ ص ۶۴ لحق -

۲۔ تاریخ کی غایت

اس کی غایت یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کی امید قائم ہو اس لیے کہ، وہ کسی نیک کام کرنے والے کو اجر دینا بھولتا نہیں،^۱ اور 'اعمال کا دار و مدار تو نیت ہی پر ہے'۔^۲

۵۔ تاریخ کا حکم

[ص : ۴۷] اس کا حکم پر حال میں نیک نہیں ہے، کبھی تو واجب ہے یعنی اس صورت میں جب یہ ذریعہ قرار پائے حدیث کے اتصال [راویوں کا سلسلہ پورا ہونے] اور اس جیسی باتوں کے معلوم کرنے کا، اور نسخ کے پہنچاننے کا، اور انساب کو جاننے کا، جس پر وراثت اور کفو (شادی بیاہ میں ہمسری) کی بنا ہے، چنانچہ بعض نے صاف طور سے کہا ہے کہ اس پر احکام کا دار و مدار ہے اور ایک سے زیادہ لوگوں نے اسے فرض کفایہ بتایا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ 'ضروری' تو ہے لیکن صریحاً واجب نہیں، مناسبت اور میاق کے لحاظ سے 'مساجب' بھی اس کے ضمن میں آتا ہے اور کبھی 'مباح' پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ خطیب نے ایک باب باندھا ہے اس بارے میں کہ کذاہین (جھوٹے راویوں) کا حال بیان کرنا، ان کی پول کھولنا اور بادشاہوں تک ان کی شکایت پہنچانا واجب ہے۔ امام احمد (بن حنبل) کی بیعت انہوں نے نقل کیا ہے کہ وہ اس کا شدید اہتمام کرتے تھے، چنانچہ حبیب بن العسین بن الربیع^۳ کو رخصت کرنے لگے تو ان کے پاس سے ان کی تعزیرات نکالیں اور ان سے درخواست کی کہ ان عبارتوں کی وفات

۱۔ اشارہ بآیت قرآنی "فان الله لا يضيع اجر المحسنين" - ۹۰/۱۲۔

۲۔ مشہور حدیث "الاعمالُ بالنیات"۔ لحظہ سے یہ بھی۔

۳۔ ف ۵۲۲۰ تقریباً۔

۴۔ عبداللہ بن المبارک۔

لکھوائیں، چنانچہ انہوں نے لکھوا دی۔ وفات سنہ ۸۱ [۱] میں واقع ہوئی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اس سے آپ کا مقصد کیا ہے تو انہوں نے کہا (الفاظ جو بھی رہے ہوں) میں چاہتا ہوں کہ اس کی بنا پر جھوٹے راویوں کو پہچان لوں۔“

ابوالحسین بن فارس کا یہ قول اوپر گزر چکا ہے کہ ”و علم تاریخ میں سے خاص طور پر سیرت نبویہ ایسی ہے کہ ہر مسلمان پر اس کا حفظ کرنا واجب ہے اور ہر دیندار کے لیے اس کا جاننا ضروری ہے“^۱ اس کی تائید میں کسی اور کا قول بھی ہے کہ جو سیرت نہ جانے اس کی بابت اندیشہ ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ ”تم اس ہستی (محمد صلعم) کی بابت کیا جانتے ہو تو وہ یہ جواب دے کہ مجھے خود تو کچھ نہیں معلوم، دوسروں کو جو کہتے سنا وہی میں نے بھی کہا“^۲ اللہ ہمیں اس صورت حال سے محفوظ رکھے^۳۔ اسی طرح مقلد کے ایمان کو صحیح نہ ماننے والا قول ہے۔

ابو محمد بن حزم^۴ کا یہ قول بھی سند مانا گیا ہے جو ان کی کتاب ’مراتب العلوم‘ میں ہے : موجودہ وقت میں علوم کی سات قسمیں ہیں جو ہر قوم، ہر زمانے اور ہر ملک میں رائج ہیں۔ علم شریعت، اس سے متعلقہ اخبار کا علم جس میں فن تاریخ بھی شامل ہے، نیز اس سے متعلقہ لغات کا علم۔ اس کے بعد انہوں نے باقی علوم کا ذکر کر کے انہیں واجب بتایا ہے۔

العز بن عبدالسلام^۵ اپنی کتاب ’القواعد‘ میں لکھتے ہیں : جو بدعتیں واجب ہیں ان کی ایک مثال جرح و تعدیل کی بحث ہے جس سے صحیح اور سقیم [حدیث] پہچانی جاتی ہے۔ شریعت کے اصول عامہ

۱ - لحظ ص ۳۵ سبق -

۲ - ایضا -

۳ - علی بن احمد، ف ۵۴۵۶ -

۴ - عبدالعزیز بن عبدالسلام، ف ۵۶۶۰ -

کا منشا بھی یہی ہے کہ ایک معینہ حد سے زائد [جو سب کے لیے لازمی ہے] شریعت کا تحفظ فرض کفایہ ہے اور شریعت کا تحفظ صرف اسی ذریعے سے ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کیا۔ (ہ ق) انہوں نے جو جرح و تعدیل کو بدعتوں میں شمار کیا ہے یہ چنداں درست نہیں اس لیے کہ رسول اللہ (صلعم) نے اس قسم کی دونوں متقابل حالتوں میں ”نعم الرجل عبد اللہ“^۱ (عبداللہ کیا خوب آدمی ہے) اور ”بشّ اخوالعشیرة“^۲ (یہ کیا ہی بُرا فرد خاندان ہے، [ص : ۸۸]) ارشاد فرمایا ہے۔ اسی ذیل میں یہ ہے کہ دارقطنی^۳ نے ’العلیل‘ میں ابن المسیب سے روایت کی ہے جو ابوہریرہ^۴ کے واسطے سے اس کی سند رسول اللہ تک پہنچانے ہیں : اذاعیلم احدکم من اخیه خیرا فلیخبّره بہ فانّہ تزاد^۵ رغبتہ فی الخیر“ (جب تم میں سے کسی کو اپنے بھائی کی اچھائی کا علم ہو تو چاہیے کہ اسے بتا دے اس لیے کہ اس سے وہ بھلائی کی طرف اور زیادہ راغب ہوگا)۔ دارقطنی کے کہنے کے مطابق زہری^۶ سے اس کی روایت صحیح نہیں ہے۔ ابن المسیب سے ان کا روایت کرنا ارسال کے طریقے پر ہے۔ ایسی ہی اسامہ بن زید کی وہ مرفوع حدیث ہے جو

۱ - عبداللہ بن عمر نے ایک خواب دیکھا تھا۔ حضرت حفصہ نے یہ خواب رسول اللہ کو سنایا تو آپ نے فرمایا ”نعم الرجل عبد اللہ“۔۔۔ طبقات ابن سعد چہارم ۱/۱۰۸۔ دوسری حدیث کی کتابوں میں ”تیرا بھائی مرد صالح ہے“ بھی مروی ہے۔

۲ - مشکوٰۃ (باب حفظ اللسان، الفصل الاول) : ایک شخص نے رسول اللہ سے ملاقات کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا : اے اللہ کے رسول! فبشّ اخوالعشیرة۔۔۔ اس طرح آپ نے اس کے تیرا آنے سے پہلے اپنے اصحاب سے اس کی سیرت کی بڑائی سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ لفظ ص ۵۳ نحو۔

۳ - علی بن عمر، ف ۵۳۸۵۔

۴ - ف ۵۵۔

۵ - محمد بن مسلم بن شہاب، ف داین ۱۲۳-۱۲۵۔

۶ - لفظ ص ۸ سبق ح ۱۔

طبرانی^۱ نے ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے: ”إذ أُمدِحَ المؤمنُ ربا الإيمان في قلبه“ (جب مومن کی مدح ہوتی ہے تو اس کے دل میں ایمان بڑھتا ہے)۔

تاریخ کی ایک قسم وہ ہے جو حرام ہے مثلاً وہ ساری باتیں جو جاہل مورخوں کے ہاتھ لگتی ہیں اور وہ انہیں درج کر دیتے ہیں۔ بیشتر ان کا دار و مدار پرانے لوگوں کی کتابوں سے نقل پر ہوتا ہے مثلاً ”مبتدأ“ (ابن منبہ) جس کا مصنف کہتا ہے کہ میں نے تیس نبیوں پر اتنی ہی تیس کتابیں پڑھی ہیں، مزید یہ کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے بعد کعب الاحبار^۲ اس زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں اور ان دونوں کا علم میں نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی خبریں ہیں جو خرافات کے درجے کی ہیں لیکن انہیں وثوق کے ساتھ لکھ جاتا ہے، نہ تو یہ بتاتا ہے کہ یہ جھوٹی ہیں نہ یہ کہ پرانے لوگوں کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، بالخصوص وہ باتیں جو نبیوں کے حالات میں بڑھا دی جاتی ہیں یا خبریں سنانے والوں (اخباری) کی جانب سے صحابہ کے باہمی اختلافات کی بابت بیان کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان (اخباری) لوگوں کو بولنے اور گڈ مڈ کرنے کی لت ہے۔

اسی ذیل میں وہ باتیں ہیں جن کا ذکر کرنا عقلمندوں کے نزدیک معیوب ہے مثلاً ایسے واقعات جن کی کوئی اہمیت اور افادیت نہیں، جس طرح بادشاہوں اور بڑے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کو شراب خواری اور بیہودگیوں کا مرتکب بتانا درآنحالیکہ ان لوگوں کے بارے میں ایسی باتوں کی حقیقت دریافت کرنا سخت دشوار ہے، اس کی دو ہی صورتیں ہیں: اگر صحیح نکلے تو ایک عیب کی تشہیر ہے اور غلط ہو تو قذف ہے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ پہلو قابل لحاظ ہے کہ اس سے دوسرے

۱۔ سلیمان بن احمد، ف۔ ۵۳۶۔

۲۔ ف۔ ۱۱۳۱۔

۳۔ ف۔ ۳۲ یا ۵۳۔

انسانوں کی نظر میں ان کی اپنی لغزشوں کی برائی کم ہو جاتی ہے ، مگر کیا کیا جائے کہ خبروں میں اس قسم کی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ضرور ہے ۔

بادشاہوں اور حاکموں کی سب سے بڑی خطا یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیسروں کی سیاست کی دیکھا دیکھی عمل کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس بارے میں شریعت کا کہنا کیا ہے ، پھر وہ اپنے خارج از شریعت اعمال کو سیاست کا نام دیتے ہیں درآنحالیکہ حقیقت میں شریعت ہی سیاست ہے نہ یہ کہ بادشاہ اپنی ذاتی خواہش اور رائے پر چلے ۔ ان کی خطا یوں دیکھی جا سکتی ہے کہ ان کے قول کا جو حاصل ہے اس سے لازم آتا ہے کہ شریعت میں وہ سب کچھ نہیں ہے جو سیاست کے لیے کافی ہو اس لیے ہمیں ضرورت پڑی کہ ہم اپنی رائے سے اس میں اضافہ کریں ، چنانچہ وہ یہ کرتے ہیں کہ جس کا قتل جائز نہ ہو اسے قتل کر دیتے ہیں اور جو فعل حلال نہ ہو اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سیاست ہے ۔ یہ شریعت کے ساتھ دست درازی ہے اور اس کی توہین کے مترادف ہے ۔ یہ تو وہی ہوا کہ ” اَنَا وَ جَدُّنَا اَبَاءَنَا عَلٰى اُمَّتِنَا عَلٰى اَثَارِهِمْ مُعْتَدُونَ ” (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک ڈھنگ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نشانات قدم پر چل رہے ہیں) ۔

[ص : ۴۹] حرام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ برائیوں کا وضاحت کے ساتھ بیان ہو اور ان کی حرمت کا خیال کیے بغیر کسی بڑے آدمی سے متعلق مدح ، اچھائی اور عظمت کے پیرائے میں پیش کیا جائے ۔ اسی طرح یہ بھی حرمت کا سبب بنتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جرح میں تجاوز کیا جائے اور مدح میں کمی کی جائے ۔

تاریخ کی ایک اور قسم وہ ہے جو مستحباب ہے ۔ یہ وہ صورت ہے جب تاریخ وسیلہ ہو اچھائیوں کی پیروی کرنے کے ، بدناما عیوب سے بچنے

کا ، ذہن کو انجام کی بابت غور و فکر کی زحمت دینے کا ، عزیزوں دوستوں کی دائمی رفاقت پر بھروسہ نہ کرنے کا ، اور ایسے ہی بہت سے امور کا جن کی طرف ہم فوائد کے ذیل میں اشارہ کر آئے ہیں ۔

تاریخ کی ایک قسم مکروہ ہے مثلاً بہت سے لوگ کثرت سے اوراق سیاہ کیے چلے جاتے ہیں ۔ ابن الاثیر کے قول کے مطابق ، ان میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن سے غافل رہنا ہی بہتر ہے اور جن کا تحریر میں نہ لانا ہی مناسب اور موزوں ہے جیسا یہ کہ فلاں ذمّی کو خلعت بخشی گئی ، روزمرہ کے نرخ میں زیادتی ہوئی ، یا یہ کہ فلاں شخص جو مجرم تھا اس کی عزت ہوئی اور فلاں جو مسلمانوں کا امام تھا اور قابل اعتبار طبقے سے تھا اس کی توہین ہوئی ۔ اس سے ، جیسا کہ آگے آئے گا ، اوروں کے ساتھ دست درازی کرنے کی شہ ملتی ہے ۔

ایک قسم مباح ہے یعنی وہ جس سے کوئی فائدہ نہیں نہ دین کا نہ دنیا کا ۔ حجة الاسلام الغزالی نے ' الاحیاء ' میں اس کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے : " علم کی وہ قسم جو مباح ہے اس میں اشعار کا علم ہے بشرطیکہ ان میں کوئی رکاکت نہ ہو ۔ تاریخی خبریں اور ایسی ہی اور چھڑیں بھی اسی میں شامل ہیں " ۔ ایک اور جگہ پر یہاں تک کہہ دیا ہے ، اور نتووی نے بھی ' الروضة ' باب الصدقات میں اس کی تصدیق کی ہے ، کہ " کتاب کی ضرورت تین غرض سے ہوتی ہے : تعلیم ، تفریحی مطالعہ اور استفادہ ۔ تفریح کا شمار تو ضرورت میں نہیں چنانچہ کتب شعر و تواریخ وغیرہ جمع کرنے سے نہ تو کوئی دنیوی فائدہ ہے اور نہ اخروی ۔ کفارہ اور صدقہ فطر کے لیے انہیں فروخت کر دیا جاتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے مسکینی کا اطلاق نہیں ہوتا " ۔ اسی سے ملتا جلتا ان کا یہ قول ہے جو ان کی کتاب " فضائح الباطنیة " کے باب اول میں ہے کہ " انہوں نے اس فن کی تصانیف کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ وہ دو قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہیں : ایک تو ان

۱ - لفظ ص . ۷ لفق ۔

(باطنیوں) کی تاریخی خبریں ہیں اور ابتدا سے لے کر ان کی گمراہی آشکارا ہونے تک کے حالات کا بیان ہے، ایک ایک کر کے مختلف ممالک میں ان کے داعیوں کے نام ہیں اور گزشتہ زمانوں میں ان کو جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل ہے۔ جہاں تک اس فن کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں مشغولیت ایسی ہی ہے جیسے گپ شپ میں وقت گزارنا اور یہ تو مورخین اور خبریں سنانے والوں ہی کے شایان شان ہے۔۔۔ الخ۔ دوسرے فن کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے صاف [ص : ۵] لکھا ہے کہ اس میں وقت نہیں صرف کرنا چاہیے۔ اس سے لازم آیا کہ پہلا فن مباح ہے اگرچہ یہ تسلیم ہے کہ اس کے خلاف بھی کہا جا سکتا ہے۔

۶۔ دلائل تاریخ کے حق میں

اوپر جو فوائد بیان ہوئے اور آگے عنقریب جو امور بیان ہوں گے انہیں سے وہ دلیلیں بھی اخذ کی جا سکتی ہیں جو تاریخ کے حق میں ہیں۔

۷۔ تاریخ کو برا کہنے والوں کی مذمت

تاریخ کو برا کہنے والے کچھ ایسے ہیں جو نیک خاص پہلو اور کچھ ایسے ہیں جو سارے کے سارے فن کو لپیٹ میں لے لیتے ہیں : (۱) تخصیص کرنے والے صرف ان مورخین کو لیتے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں ایسی باتوں کی بھرمار کر رکھی ہو جن کا ذکر ناپسندیدہ ہے اور جن کو ہم نے حرام کے ذیل میں درج کیا ہے۔ (ب) جو ساری کی ساری تاریخ کی تعقیر کرتے ہیں اور اس کو برا کہتے ہوئے اور یکسر باطل فرار دیتے ہوئے اس سے منکر ہوتے ہیں وہ وہ ہیں جو علم اور سنجیدگی کے دعویٰ دار ہیں اور اپنے آپ کو علم کی گہرائی اور دیانت داری سے منصف سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تاریخ کا بڑے سے بڑا فائدہ نصے اور خبریں ہیں اور مجلسی گفتگو اور تفریحی بات چیت پر ہی اس کی معلومات کی انتہا ہے۔

(ج) کچھ لوگ چند مخصوص مورخین کو اس بنا پر تصور وار بتاتے ہیں کہ انہوں نے جرح اور اس کی ضد (تعدیل) سے کام نہیں لیا حالانکہ تاریخ کا یہی سب سے بڑا فائدہ ہے۔ نیز انہوں نے اماموں، زاہدوں اور عالموں کی خبریں درج نہیں کیں جن کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے، نہ ہی لوگوں کے فقہی مذاہب بیان کیے جن کی بابت سبھی کو جستجو رہتی ہے، بلکہ صرف لڑائیوں اور فتوحات پر اکتفا کی۔ جس میں ذرا بھی انصاف ہو گا وہ یہ مان لے گا کہ علم اس کا نام نہیں کہ فلاں شہر کس سنہ میں فتح ہوا یا یہ کہ لشکر کی تعداد کتنی تھی۔

(د) بعض ایسے بھی ہیں جو بعد کے دور میں جرح سے کام لینے والوں کو حرام کا مرتکب قرار دیتے ہیں اس لیے کہ یہ غیبت میں داخل ہے اور چونکہ وہ خبریں جن کی خاطر اس امر کی اجازت تھی ان کے جمع کرنے کا کام پہلے ہی انجام پا چکا ہے لہذا اب یہ سب بے فائدہ ہے۔ منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے صاف صاف یہ بات کہی ابو عمرو بن المرابطا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چوتھی صدی (۵) کے اختتام سے جرح لا حاصل ہو کر رہ گئی ہے، وہ اور ان کے علاوہ دوسرے بغیر سوچے سمجھے بولنے والے لوگ بڑی بے باکی سے محدثین پر عیب لگاتے ہیں، بعض تو صاف کہتے ہیں کہ بہت سے بعد کے مورخین اور انہیں جیسے لوگ جیسے ذہبی یا ہارے استاد (ابن حجر) ہیں، ان کے یہاں جو معائب کا ذکر ہے، خواہ وہ راوی ہی ہو جس میں کہ عیب نکالا گیا ہے، یہ محض غیبت ہے۔ اسی انداز سے تقی بن دقیق العید نے ابن السمعی کی یہ بات پکڑی ہے کہ انہوں نے ایک شاعر کا ذکر کرتے ہوئے اس کے عیوب بیان کیے۔ بقول ان کے جب تک روایت کے ذیل میں قدح یعنی عیب بیان کرنے کی مجبوری نہ ہو یہ فعل ناجائز ہے۔

(۵) کچھ لوگ مخصوص مورخین پر تعصب اور یک طرفہ بات

کرنے کا الزام لگاتے ہیں ، وہ یوں کہ جس سے متنفر ہوئے اس کی بابت پورا بیان دینے کی بجائے یہ کیا کہ تعریف کے پہلو کو حذف کر دیا اور دوسروں کے بارے میں بغیر کانٹ چھانٹ کے لمبی چوڑی باتیں بیان کر دیں ۔

(و) بعض ایسے بھی ہیں جو محض جہالت کی بنا پر تاریخ کی برائی کرتے ہیں ۔

[ص : ۵۱] (ا) کی بابت تو یہ ہے کہ صرف اسی ایک قسم کی باتوں کی بھرمار بے شک حرام ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا بھی چکے ہیں ۔

(ب) کی بابت ابن الاثیر کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رائے اسی کی ہو سکتی ہے جو چھیلنے تک ہی رہے اور مغز کو نہ پہنچے ، جو ادھورا کام کرے اور تعصب کی وجہ سے تاریخ کے جواہر کو نہ دیکھ پائے ۔ ورنہ جن کو اللہ نے طبع سلیم سے نوازا ہے اور سیدھا راستہ دکھایا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے فائدے بے شمار ہیں اور دین و دنیا میں اس کی منفعت ۔ یعنی وہی جو ہم بیان کر چکے ۔ بڑی زبردست اور بھرپور ہے ۔

(ج) کی بابت یہ ہے کہ صرف مذکورہ باتوں پر اکتفا کرنا کوئی عیب نہیں ۔ مورخوں کے مقاصد الگ الگ ہوتے ہیں ۔ بعض ابتدائے آفرینش یا خلفاء اور بادشاہوں کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں ۔ مگر حدیث سے دلچسپی رکھنے والے عالموں اور زاہدوں کے تذکرے کو ترجیح دیتے ہیں اور صالحین کی باتیں پسند کرتے ہیں ۔ ادب کے شوقین عربی زبان کے ماہروں اور شاعروں کی طرف مائل ہوتے ہیں ۔ یہ تو کھلی بات ہے کہ سبھی باتوں کی تلاش ہوتی ہے اور سبھی باتیں پسند کی جاتی ہیں اور مقبول ہوتی ہیں ۔ پھر جو شخص بھی کسی ایک بات کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے وہ اکثر اوقات اپنے اس موضوع سے ادھر ادھر نہیں ہوتا خواہ اس پر بھی وہ اس کا پورا پورا احاطہ نہ کر سکے ۔ خوش نصیب ہے وہ جو اپنے موضوع کو ایک جگہ اکٹھا کر دے اور بغیر کسی نمایاں کمی یا نقصان کے محفوظ کر دے ۔ رہا کمال تو صرف خدا کے لیے ہے ۔

(د) کے ذیل میں ہارا جواب یہ ہے کہ اس (جرح) کے جواز میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مبنی بر نصیحت ہو۔ اس کو روایت تک بھی محدود نہیں رکھا جا سکتا اس لیے کہ بہت سے ایسے مواقع بتائے گئے ہیں جہاں کسی شخص کی بابت اس کو بری لگنے والی بات کہی جا سکتی ہے بغیر اس کے کہ اس کا شمار غیبت میں ہو، بلکہ وہ تو فرض نصیحت کے درجے میں ہوگی، مثلاً یہ کہ ایک شخص کو کچھ اختیاراتِ حکومت حاصل ہوں اور وہ ان کو صحیح طریقے پر انجام نہ دیتا ہو، یا اہلیت ہی نہ رکھتا ہو، یا یہ کہ فاسق اور بے پروا ہو یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو تو اس کا ذکر کیا جائے گا تا کہ وہ شخص ہٹایا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا آئے جو صلاحیت رکھتا ہو یا مثلاً ایک شخص بدعتی ہو، خواہ صوفی ہو خواہ غیر صوفی، یا فاسق ہو اور اس کے پاس کسی کو علم یا ارشاد کے لیے آنا جانا دیکھا جائے اور ڈر ہو کہ اس پر برا اثر پڑے گا تو اس کو ضرور ایسے شخص کا حال بتایا جائے گا۔ اسی ذیل میں وہ شخص بھی آتا ہے جو فتویٰ میں یا تصنیف میں یا احکام صادر کرنے میں اور شہادت کے بارے میں یا کسی کی بات دہرانے یا کسی کو نصیحت کرنے میں سہل انگاری سے کام لیتا ہو، مثلاً جھوٹی اور بے اصل باتیں عام لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہو، یا علماء کے تذکرے یا رشوت دینے لینے میں محتاط نہ ہو، خواہ وہ خود رشوت لے یا روک تھام پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے گوارا کرے، یا مکر اور دغا بازی سے لوگوں کا مال خورد برد کرے، یا ایسا ہو کہ مالکوں سے یا مسجدوں سے علمی کتابیں لے کر غصب کر جاتا ہو۔ اوقاف کا معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس میں کھانے پینے کا کوئی جواز نکل ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حرام باتیں ہیں۔ ان [ص: ۵۲] سب کا ذکر کرنا جائز یا واجب ہے تا کہ ان کے نقصانات سے بچا جا سکے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جرح کا سلسلہ ختم نہیں ہوا اور ان جیسے حالات میں اس کی حیثیت ایک واجب نصیحت کی ہے، جس کی ادائیگی ایک شخص کو ثواب کا مستحق بنا دیتی

ہے۔ چنانچہ ایک ایسی ہستی جس کی پرہیزگاری میں کسی کو شک نہیں یعنی امام احمد رضا، انہیں جب ابو تہریر نخشبی^۱ نے ملامت کی اور جرح سے روکتے ہوئے کہا کہ ”دوسروں کی غیبت نہ کیجیے“ تو انہوں نے جواب دیا: ”خدا تمہیں سمجھے، یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت، بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو روزہ و نماز سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ“^۲ (اور کہہ دیجئے کہ یہ حق بات ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے) اسی طرح جب کوئی فاسق خبر لائے تو اللہ تعالیٰ نے چہاں بین کرنے اور تحقیق کرنے کو واجب قرار دیا ہے، فرماتا ہے ”ان جاءکم فاسق بنبأ فتبينوا“^۳ (اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح دیکھو بھالو)۔ جرح کے ذیل میں رسول اللہ کا قول ہے ”بئس اخوالعشیرة“^۴ (یہ کیا ہی بُرا فرد خاندان ہے) تعدیل کے ذیل میں آپ کا فرمانا ہے کہ ”ان عبد اللہ رجل صالح“^۵ (کوئی تک نہیں کہ عبد اللہ نیک آدمی ہے)۔ اس کے علاوہ دونوں قسم کی اور بہت سی صحیح حدیثیں ہیں۔ بدیں وجہ جرح، حرام غیبت سے مستثنیٰ ہے، بلکہ مسلمانوں کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ اس کو ضرورت کے پیش نظر واجبات میں شمار کیا گیا ہے۔ نقوی اور عز بن عبدالسلام نے، جن کا قول آگے بھی آ رہا ہے اور گذر بھی چکا ہے^۶ اس کی تصریح کی ہے۔ متاخرین میں سے بھی جو نقوی میں بڑا درجہ رکھتے تھے جیسے حافظ عبدالغنی مقدسی تو انہوں نے بھی جرح کے سلسلے میں لب کشائی کی ہے۔ یہی حال متقدمین میں سے احمد (بن حنبل)۔

- ۱ - ف ۵۲۴ - ان کے نام میں شک ہے۔ غالباً عسکر (بن محمد بن حسین)۔
- ۲ - قرآن ۲۹/۱۸ -
- ۳ - قرآن ۶/۳۹ -
- ۴ - لفظ ص ۳۷ سبق -
- ۵ - لفظ ص ۳۷ سبق و ص ۵۵ لفظ -

کا ہے ، جیسا کہ ابھی ذرا اوپر مذکور ہوا ، نیز ابن المبارک کا جن کا کہنا ہے کہ ” میرا یہ حال تھا کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ یا تو جنت میں داخل ہو جاؤ یا عبداللہ بن المحریرؓ سے مل لو تو میں اس کو ترجیح دیتا کہ پہلے ان سے مل لوں پھر جنت میں داخل ہوں ، لیکن جب میں ان سے ملا تو ایک مینگنی بھی مجھے ان کی بہ نسبت زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی ۔ “ اسی طرح ابن سعین^۲ ہیں جو صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم تو ان لوگوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں جو جنت میں اپنا ٹھکانا بنا چکے ہیں ۔ نیز بخاری جن کا کہنا ہے کہ ” جب سے میں نے یہ سنا کہ غیبت حرام ہے ، کسی کی غیبت نہیں کی ، “ خطیب نے اپنی تاریخ میں بکر بن منبہ (منبہیر)^۳ کی روایت نقل کی ہے ، وہ کہتے ہیں ” میں نے بخاری کو کہتے سنا کہ مجھے امید ہے جب میں خدا سے ملوں گا تو مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کی بابت کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی “ نیز جب بخاری کے وراق ، محمد بن ابی حاتم ، نے ان کو یہ کہتے سنا کہ ” آخرت میں مجھ سے جھگڑنے والا کوئی نہ ہوگا “ تو انہوں نے بخاری سے بعینہ یہ لفظ کہے : ” بعض لوگ آپ کی تاریخ سے خوش نہیں ہیں ، کہتے ہیں اس میں لوگوں کی غیبت پائی جاتی ہے ، “ بخاری نے اس پر یہ کہا کہ ” ہم تو صرف ان باتوں کے روایت کرنے والے ہیں ۔ اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ نہیں کہا ہے ۔ اور خود نبی (صلعم) نے فرمایا تھا ” بش اخو العشیرة “ (یہ کیا ہی بُرا فرد خاندان ہے) ۔ ۵ ق۔ آگے^۴ یہ ذکر آنے والا ہے کہ بخاری (رض) ان باتوں کے بارے میں بہت سوچ بچار کرتے تھے اور بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے ۔ بیشتر [ص : ۵۳] وہ

۱ - ف مابین ۱۵۰ و ۵۱۶۰ -

۲ - یحییٰ بن سعین ، ف ۵۲۳۳ -

۳ - بخاری کے تذکرہ میں ” منبہیر “ ملتا ہے نہ کہ ” منبہ “ ، جیسا کہ

متن میں ہے ۔

۴ - لحظ ص ۶۹ لاجق ۔

اتنا ہی کہتے ہیں ”یہ محل نظر ہے“۔ ”اس کے بارے میں لوگ خاموش ہیں“۔ ”اس کو لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے“۔ یا ایسی ہی کوئی اور بات۔ بہت کم وہ یہ کہتے ہیں ”جھوٹا ہے، حدیثیں گھڑتا ہے“ بلکہ یوں کہتے ہیں ”فلاں نے اس کو جھوٹا بتایا ہے، فلاں نے اس پر الزام رکھا ہے“ یعنی جھوٹ کا۔ میں کہتا ہوں کہ اسی لیے تو انہوں نے کہا ”ہم تو صرف ان باتوں کے روایت کرنے والے ہیں، اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ نہیں کہا ہے“ ان کی حجت یہ ہے کہ یہ تو شریعت کی حفاظت کا ایک وسیلہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا حق بہر حال مقدم ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان نے اس کی تصریح کی ہے باین طور کہ کسی نے ان سے کہا ”کیا آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ سے جھگڑیں گے؟“ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا ”یہ لوگ مجھ سے جھگڑیں یہ میرے نزدیک کہیں بہتر ہے اس سے کہ نبی (صلعم) مجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ میں نے ان کی حدیث کا بچاؤ نہیں کیا“۔ ابن معین کی موت پر ایک شخص نے نبی (صلعم) اور آپ کے اصحاب کو اکٹھا دیکھا اور اجتماع کا سبب پوچھا تو نبی (صلعم) نے فرمایا ”میں اس شخص کے لیے دعا کرنے آیا ہوں اس لیے کہ یہ میری حدیثوں کو جھوٹ سے بچایا کرتا تھا“۔ ان کے جنازے کے آگے آگے بھی یہ صدا بلند ہوئی کہ ”یہ وہ ہیں جو رسول اللہ (صلعم) سے جھوٹ کو منسوب نہ ہونے دیتے تھے“۔ پھر وہ خواب میں نظر آئے اور ان سے پوچھا گیا ”اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟“ تو انہوں نے کہا: ”مجھے بخش دیا، بہت کچھ عطا کیا، انعام سے نوازا، تین سو حوریں زوجیت میں دیں، دو بار شرف باریابی بخشا“۔ انہیں (ابن معین) کے بارے میں کہا گیا ہے:

ذهب العلیم بعیب کلِّ محدثٍ
و بكلِّ مختلفٍ من الامتدادِ

چل بسا وہ جو واقف تھا ہر محدث کے عیب سے، اور اسناد کے تمام اختلافات سے،

و بکل وہم فی الحدیث و مشکل
یعنی بہ علماء کل بلاد

اور حدیث کے ان تمام شبہات اور مشکلات سے جن سے سارے ملکوں کے علما بحث کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص مذکورہ بالا یا انہیں جیسے اعمال کا علانیہ ارتکاب کرے تو، جیسا کہ ہم متعدد جگہ وضاحت کر چکے ہیں، اس کی بابت دوسروں کو بتا دینا بدرجہ اولیٰ فرض ہے، چنانچہ ہم تک یہ حدیثیں پہونچی ہیں: ”کیا تم فاجر کی بابت کچھ کہتے ہوئے ڈرتے ہو؟ وہ جیسا ہے سب کو جتا دو تا کہ لوگ اس سے خبردار ہو جائیں“ اور ”فاق سے متعلق کوئی غیبت غیبت نہیں“۔ ہر دو قول کی دلیلیں بھی لکھی جا چکیں، البتہ ان کا موقع مہل جبھی ہوگا کہ خود اس کے یا اس کے مماثل اور ہم پلہ کسی اور فرد کے برائی سے باز رہنے کی توقع ہو۔

ہمارے دوستوں میں سے چند اماموں نے تو ہمارے متعدد شیوخ^۲ سے فتویٰ پوچھا۔ اس شخص کے بارے میں جو محدث کو اس (جرح کی) بناء پر عیب لگائے۔ چنانچہ ہمارے شیخ اور مرشد (ابن حجر) کا کہنا یہ تھا کہ ”محدث کے فن کا تو اصل کام ہی جرح و تعدیل ہے۔ جو اس بات پر محدث کو برا کہے کہ وہ کہلم کہلا فسق کرنے والوں کی برائی جتانا ہے یا ان لوگوں کی برائی جتانا ہے جو مذکورہ صدر عیوب میں سے کسی عیب کے حامل ہوں تو وہ جاہل ہے یا دھاندلی باز ہے یا بے حیاؤں کے ساتھ ان کی برائیوں میں شریک ہے اور ڈرتا ہے کہ ان کی بابت جو کچھ کہا جائے اس کا [ص: ۵۴] اطلاق خود اس پر نہ ہو“ میں کہتا ہوں کہ یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ بیشتر وہ لوگ جو اس (جرح) کو اور اس جیسی باتوں کو برا کہتے ہیں وہ گندگیوں

میں لت پت ہوتے ہیں یا بغض ، حسد اور اسی قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ علما کے اقوال سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا شمار نصیحت عامہ میں ہے۔

بعض لوگوں نے ہمارے شیخ (ابن حجر) کو غیبت کا مرتکب قرار دیا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ایک خاص دوست ، صدر الدین ابن الادمیؒ کے بارے میں یہ الفاظ کہے : ” وہ اپنے آپ پر بڑی زیادتی کرتے تھے ، کھلم کھلا ایسی باتیں کرتے تھے جو فقہا کے شایانِ شان نہیں ، کئی بار وہ مصائب میں گرفتار ہوئے اور آزمائشوں سے گزرے لیکن جب اللہ نے ان کو بہت کچھ دیا اور ان کے لیے نعمتوں کی فراوانی کر دی تو انہوں نے اس کا جواب شکر سے نہ دیا۔“ ان لوگوں کی تردید میں ہمارے شیخ نے کہا کہ جرح و تعدیل کی باتیں غیبت میں داخل نہیں ، بلکہ ایک مرتبہ تو انہوں نے کہا کہ ایسا شخص جو اس کو غیبت کہتا ہے اگر وہ جاہل ہے تو اس کو تعلیم دینا چاہیے ، پھر بھی اگر وہ یہی کہتا رہے تو مناسب سزا دے کر اسے ادب سکھانا چاہیے ، تاآنکہ وہ بے گناہوں پر معترض ہونے اور قصورواروں کی حمایت سے باز رہے۔ جس کو اختیارات حاصل ہوں (خدا اس کی مدد کرے) اس کی جانب سے ایسا اقدام موجب ثواب ہوگا۔“ ”حق۔ یہ قول پیروں کے قابل ہے ، قایاتی نے اسی کی پیروی میں فونٹل دیا ہے کہ یہ تو نصیحت میں داخل ہے اور اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ملے گا بلکہ وہ تو فرض کفایہ ادا کرے گا اور اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو کر دوسروں کو گناہ سے بچائے گا۔ وہ کہتے ہیں اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ فرض کفایہ کی ادائیگی فرض عین کی ادائیگی سے کم نہیں افضل ہے۔“

ایسے ہی ابن التدیری الحنفی کا کہنا ہے کہ ” اس (جرح) میں کوئی بری بات نہیں ہے اس شخص کے لیے جو صحت اور باریکی کا خیال رکھے، انکل پچو سے کام نہ لے، اور جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق

۱۔ علی بن محمد، ف ۵۸۱۶۔ آدمی نسبت بہ ادم۔ چمڑا، چمڑے کا سامان۔

ہے پوری پوری احتیاط ملحوظ رکھے، اس لیے کہ دراصل یہ ان فرائض میں سے ہے جن کی بابت کوتاہی روا نہیں، نیز یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ اس کا خیال رکھنا اور اس کو برقرار رکھنا عین ضروری ہے، اس لیے کہ دین کا نقصان دنیا کے نقصان کی بہ نسبت کہیں زیادہ اہم ہے۔ جب مالی معاملات میں اہلیت کا ثبوت اور پاکیزگی سیرت (عدالت) کا لحاظ شرط ہے تو شرعی امور میں تو بدرجہ اولیٰ اس کا لحاظ کیا جانا چاہیے تاکہ شریعت کے احکام تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رہیں، خاص طور سے ان لوگوں کے ہاتھوں جو اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر صحیح راستے سے بھٹک جاتے ہیں جیسے بدعتی اور گمراہی کی طرف لے جانے والے لوگ۔ چنانچہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ خبروں کے راویوں کے حالات کھول کر بیان کیے جائیں اور جن کا قول قابل وثوق اور روایت باعث اطمینان ہو اور جن کے حال کی تشہیر ضروری ہو، دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ کہ جرح کوئی عیب نہیں اس شخص کے لیے جو مشہور و معروف اور تعصبات سے مبرا لوگوں کے اقوال پر بھروسہ کرتے ہوئے کچھ کہے، بلکہ ایسا کرنے والا قابل تعریف اور مستحق ثواب ہے بشرطیکہ اس کی نیت نیک اور مسلک راستبازی ہو۔

[ص: ۵۵] عینی بھی جو ایک بہت بڑے مورخ ہیں اس کے قائل ہیں کہ جو اس (جرح) کو عیب گردانے اس کی سرزنش کرنی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں: جہاں تک بعد میں آنے والے مورخین کا تعلق ہے ان میں سے خطیب، ابن الجوزی، اور ان کے پوتے (سبط ابن الجوزی) اور ابن عساکر جیسے لوگ جنہوں نے تاریخیں لکھی ہیں ان کا مقصد تو صرف اتنا تھا کہ اہل علم کو آگاہ کر دیں تاکہ وہ پاکیزہ سیرت والوں (مُعدّل) اور قابل اعتراض کردار والوں (مجروح) کو ایک دوسرے سے جدا رکھ سکیں۔ رہے وہ لوگ جو ہمارے زمانے میں تاریخ لکھتے ہیں

۱ - علی بن الحسن، مصنف تاریخ دمشق، ۴۹۹ - ۵۵۱ھ -

الاعلان بالتوبیخ

تو اگر وہ مشاہدے اور چشم دید یا قابل اعتماد لوگوں کی خبر کی بنا پر کچھ لکھیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس میں تو بہت سے فائدے ہیں جو کسی بھی غور و فکر کرنے والے سے مخفی نہیں۔ ان کے بیان کے لیے تو کئی جلدیں درکار ہیں۔“

العز الکنانی الحنبلی جو یگانہ روزگار تھے فرماتے ہیں: ”اس میں شک نہیں کہ علم تاریخ بہت بڑا علم ہے، دین میں اس کا بلند مقام ہے اور شرع میں اس کی بڑی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے کہ عقائد سے متعلق احکام اور فقہی مسائل اس راہ دکھانے والے کے کلام سے ماخوذ ہیں جس نے گمراہی سے نکالا اور جہل اور اندھے بن کے بجائے بینائی عطا کی۔ اس کلام کی روایت کرنے والے ہمارے اور راہ دکھانے والے کے درمیان واسطہ ہیں، لہذا ان کی بابت چھان بین کرنا اور ان کے احوال کا کھوج لگانا ضروری ہے۔ اس امر پر سبھی کا اتفاق ہے۔ جو علم اس ضرورت کو پورا کرتا ہے وہ علم تاریخ ہے۔ اسی لیے اس کو فرض کفایہ شمار کیا گیا ہے۔ فرض کفایہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا وہ فرض عین سے افضل ہے اس لیے کہ اس کی ادائیگی سے نہ صرف ادا کنندہ بکرا اس کے ساتھ دوسرے بھی سبکدوش ہو جاتے ہیں، فرض عین کا حال اس سے مختلف ہے، اس کے بعد انہوں نے اس کے بہت سے فائدے گنائے ہیں اور اس فن کے ان مصنفوں کے نام دیے ہیں جو راہ دکھانے والے ستارے اور اندھیرے کے چراغ ہیں، ان کے حق میں نہ کسی اعتراض کی گنجائش ہے نہ ان کا کوئی عیب نکالا جا سکتا ہے۔ اس طویل فہرست کو انہوں نے ذیل ہمارے شیخ ابن حجر اور العینی کے ناموں پر ختم کیا ہے۔ پھر یہ لوگ اس (جرح) کو غیبت میں شمار کرتے ہیں ان کا جواب دینے ہونے لگا ہے کہ ”بالفرض یہ بات نسیم بھی کر لی جائے تو ابھی ہر غیبت حرام نہیں ہے“ چنانچہ انہوں نے بتایا ہے کہ ان مواقع پر غیبت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مستند ایک تو انور علی ہے وہ قول ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ”ریاض“ میں درج کیا ہے، دوسرا ابن مفلح

وغیرہ کے اقوال ہیں جو دراصل حجة الاسلام غزالی سے لیے گئے ہیں، نیز العز بن عبدالسلام کا قول ہے ” القواعد “ میں کہ : راویوں کے عیب پکڑنا واجب ہے، اس لیے کہ اس کی بدولت شریعت صحیح بنیادوں پر استوار ہو جاتی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو حرام حلال اور دیگر احکام کے سلسلے میں لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے اور شریعت کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ ہر بھلائی کو اختیار کرنے اور کام میں لانے کو جائز قرار دیتی ہے۔ گواہوں کی جرح بھی جملہ حاکموں کے نزدیک، نیز مصلحت کی خاطر، واجب ہے، اس لیے کہ اس سے جان مال، جائداد، عزت و ناموس، حسب نسب اور اس سے بھی بڑے عام حقوق کا تحفظ عمل میں آتا ہے۔ [ص : ۵۶] نصیحت کے بارے میں دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے ” و قل الحق من ربکم “ (اور کہہ دیجیے کہ یہ حق بات ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے)۔ نیز فاطمة بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں : میں نبی (صلعم) کے پاس گئی اور عرض کیا کہ ابو جہم^۳ اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے مجھے پیام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ تو فقیر ہے، اس کے پاس کچھ روپیہ پیسہ نہیں، رہا ابو جہم تو وہ ہر وقت ڈنڈا سنبھالے رہتا ہے۔ متفق علیہ روایت یونہی ہے البتہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ” وہ تو عورتوں کو خوب مارتا پیٹتا ہے۔“ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے حسن بصری کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ ”کیا تم فاجر کا حال بیان کرنے سے جھجکتے ہو؟ اس کی بابت جو کچھ ہو کہہ دیا کرو تاکہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں۔“ دنیا کی بہ نسبت دین کے بارے میں سچا مشورہ کہیں زیادہ اہم ہے۔ جب نبی (صلعم) نے ایک عورت کو دنیاوی

۱ - قرآن ۱۸/۲۹ - لحظ ص ۵۲ سبق -

۲ - ان کی شادی پہلے ابو عمرو بن حفص اور ان کے بعد اسامہ بن زید سے ہوئی -

۳ - ابو جہم (نام یقین سے نہیں معلوم) بن حذیفہ -

معاملے میں سچا مشورہ دیا تو دین کے بارے میں تو سچا مشورہ اور بیوی زیادہ اہم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بہت سے ان مواقع کا ذکر کیا ہے جہاں غیبت جائز ہے۔ آخر میں نتووری کا قول نقل کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں: ”اس مورخ کا حال نیکی پر معمول کیا جائے گا اس لیے کہ کوئی دوسرا پیرایہ متعین نہیں ہے جس کا اعتبار ضروری ہو، اس کے برعکس حُسن ظن کا پہلو متعین ہے۔ اپنی نیت کا حال وہ خود ہی جان سکتا ہے^۱۔ ہمارے پاس تو اس کی نیت سے واقف ہونے کا خود اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں لہذا اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مستحب واجب نہ سہی کم از کم اتنا تو ہے کہ اس کی بات مباح ضرور ہے۔ اگر نیت سچے مشورے کی ہو تو اس پر ثواب اور اجر ملے گا۔ اعمال کا دار و مدار تو نیت ہی پر ہوتا ہے^۲۔ ہاں! قابل ملامت ہے وہ شخص جو اس علم سے نفرت دلائے اور اس میں عیب نکالے۔ بھلا یہ کیونکر مناسب ہے کہ ایک ایسے شرعی علم کو برا کہا جائے جو، ابن حزم کے لکھنے کے مطابق^۳، ہر دور اور ہر مقام کے لوگوں کے نزدیک متفق علیہ رہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان ہدایت کے اماموں کو کیونکر برا کہا جاسکتا ہے جن کی پاکیزگی سیرت پر اور قابل تروی ہونے پر سب کا اتفاق ہے (ہ ق)۔

(ہ) کی بابت یہ ہے کہ ذہبی کو ان کے شاگرد التاج السبکی^۴ اس امر کا مرتکب بتاتے ہیں۔ اگر بالفرض ان کی بات صحیح ہو جب بھی ذہبی کا فعل بہت معمولی ہے (?) خود التاج نے ان سے بھی بڑھ کر بری باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کے ہاتھ کی تحریر پڑھی ہے۔ سلامۃ الصیاد العنبری الزاهد کے سوانح میں بحرف نکلوتے ہیں:

۱۔ ”ہواخیر بنیۃ“ اس جگہ چند جملوں کا متن مذکور ہے۔

۲۔ لحظ ص ۲۸ سبق۔

۳۔ لحظ ص ۷۴ سبق۔

۴۔ عبدالوہاب بن علی ۲۷۰ یا ۲۸۰-۲۷۰-۲۷۰۔

” اے مسلم ! کچھ تو خدا کی شرم کر ! تو کتنی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا ہے اور اہل سنت کو جو اشعری ہیں رسوا کرتا ہے ! آخر حنابلہ کس کھیت کی سولی ہیں ؟ کیا کبھی حنبلی سر بلند تھے بھی ؟ “۔ یہ انتہائی عجیب بات ہے اور اس میں تعصب حد سے زیادہ ہے ، اس سے بڑھ کر تو بد نما انداز کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے ان کی تحریر کے نیچے ایک مدت کے بعد ہمارے ہم عصر قاضی اور شیخ مذہب (حنبلی) العز الکنانی نے یہ الفاظ لکھے : [ص : ۵۷] ” بخدا بالکل اسی طرح جیسے مُعْطِلٌ کبھی سر بلند نہیں ہوئے “۔ اس کے بعد التاج کی شان میں انہوں نے لکھا : ان میں ادب کی کمی ہے اور انصاف سے بے بہرہ ہیں ، اہل سنت اور ان کے مرتبے کو نہیں پہچانتے ۔ اتنا ان کے کلام سے صاف ظاہر ہے (۵ : ق) ۔

(و) کی بابت یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کو نہیں جانتا اس سے عداوت رکھتا ہے ۔ جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں ۔ البتہ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بیشتر لوگ جو اس (تاریخ) کو برا کہتے ہیں اللہ انہیں سر بلند نہیں کرنا ۔

ایک معاصر نے ہمارے شیخ (ابن حجر) کی ” معجم “ کے بہت سے سوانح پر گری ہوئی تنقید کی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور آج تک عرب و عجم سب شوق سے معجم کو حاصل کرتے اور اس سے اقتباس کرتے ہیں ۔ خدا کا شکر ہے اللہ اثر یہ ہوا کہ جس نے اس میں عیب نکالے اور پردہ ڈالنے کی بجائے انہیں شہرت دی وہ خود اس کے باعث ٹیٹھر کے رہ گیا، اس کے نام کو بٹہ لگا اور اس کا سر نیچا ہو گیا یہاں تک کہ مرتے دم وہ عبرت کا نمونہ بن گیا اور پشیمانی اور افسوس سے گھر گیا ۔

تاریخ وغیرہ ہی کے سبب ابو عمرو بن المرابط نے ذہبی کے حق

۱ ۔ معطیلہ یعنی صفات باری تعالیٰ کے منکر ۔ یہاں اشعریوں کے لیے طنزاً استعمال ہوا ہے ۔

الاعلان بالتوبیخ

میں فحش الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ ان کی ساری باتوں پر اجمالاً اعتراض کرتے ہیں اور بُرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ لیکن ان کی کسی نے نہیں سنی، الٹا اس کے باعث وہ خود جھوٹے کہلانے اور مورد اعتراض بنے اور ان کی بابت یہ رائے ٹھہری کہ وہ حد سے زیادہ متعصب ہیں جو اللہ کی ناراضگی کا موجب ہے، خاص طور پر اس وجہ سے کہ مشہور یہی تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ ذہبی نے ان کی اس ڈینگ کا جواب دیا جس کی رو سے انہوں نے ایک مسئلے میں ذہبی کی رائے کو ہڈیاں قرار دیا تھا۔

اسی طرح الشمس محمد بن احمد بن بصٹخان الدمشقی المقری ذہبی سے اس لیے خفا ہو گئے کہ ذہبی نے ان کے حالات میں ان کی سیرت کے چند حقائق درج کر دیے، چنانچہ انہوں نے موٹے خط میں اس صفحے پر جہاں ذہبی کی تحریر تھی کچھ ایسی باتیں لکھ دیں جو ذہبی کے لیے بڑی ہتک آمیز تھیں اور اس طرح لکھیں کہ ذہبی کی تحریر کا بیشتر حصہ پڑھا نہ جا سکتا تھا۔ جب ذہبی نے اس کو دیکھا تو انہوں نے یوں انتقام لیا کہ اپنے شیوخ کی 'معجم میں ان کے حالات درج کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی بیان کر دیا اور آخر میں لکھا کہ "انہوں نے اس صرح فراء کی فہرست سے اپنا نام مٹا دیا"۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) 'الذہبی' میں ابن المرابط کے سوانح کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ابن المرابط کی ایسی تخریج (مجموعہ احادیث) میرے علم میں ہے جو اعتبار کے قابل نہیں اور جس میں فہم اور حفظ کی کمی کی وجہ سے بہت دچھ گڑ بڑ ہوتی ہے۔ اب بھلا جس کا یہ حال ہو وہ کیونکر منہ آتا ہے اس (ذہبی) کے جو صحت اور درستی میں کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ حدید ہے کہ ہمارے شیخ سے اب زرم کی خبر

۱ - ۶۶۸-۷۳۳ھ - المقری - قاری -

۲ - لفظ ص ۷۶ - ۷۷ - الحق -

۳ - اب زرم پی کر دعا مانگنے کا طریقہ راجع تھا -

ذہبی کے مرتبے کو پہنچنے اور ان کی ذہانت کے معیار پر پورے اترنے کی دعامانگی - رہا ابن المرابط کا یہ کہنا یہ کہ ذہبی کی تاریخ کے چار حصے ہیں اور ان میں سے ایک حصہ محض غیبت ہے تو اس پر العزالکنانی نے ان کی خوب خبر لی ہے اور بتایا ہے کہ بیشتر اوقات کوئی بھی تاریخ [ص : ۵۸] ان چار حصوں سے خالی نہیں ہوتی - یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ایک حصہ محض غیبت ہے بلکہ اس میں تو بہت سے فائدے ہیں مثلاً یہ کہ لوگوں کے حالات سے عبرت ہوتی ہے، ان کی خوبیوں کا اعتبار بڑھ جاتا ہے اور ان کی برائیوں سے آگاہی ہو جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ -

ایک حافظ حدیث نے امام الحفاظ ابوبکر الخطیب کے خلاف ایک مستقل کتاب لکھی جس میں ان کی "تاریخ" کے مختلف مقامات پر اعتراضات کیے لیکن وہ کتاب رائج نہ ہوئی اور کوئی ایسا نہ ملا جو ان باتوں میں مصنف کی موافقت اور تائید کرتا - اس کے برخلاف وہ ساری باتیں ناقابل توجہ اور وہ ساری کوشش ناپسندیدہ قرار پائی - استاد ابوحنیان نے بلا کسی دلیل کے بلند پایہ ناقد یحییٰ بن سعین کی بابت لکھا :

و یحییٰ و ما یحییٰ و ما ذو روایۃ

وما ان لیحییٰ ذکر علم بہ یحییٰ

اور یحییٰ ، وہ تو کوئی زندہ رہنے والے صاحب روایت نہیں ہیں - اور یحییٰ کے علم کا تو کوئی نام نشان نہیں جس کی بدولت انہیں زندگی ملے -

سوی ثلب اقوام مضو والسبیلہم

سیسئال عنہا حین یسأل عن اشیا

بجز اس کے کہ گزرے ہوئے لوگوں کے عیب گناتے ہیں ، جہاں اور بہت سی باتوں کی پرسش ہوگی وہاں اس کی بابت بھی ان سے سوال ہوگا -

۱ - مجد بن یوسف ، ف ۳۵۷ ؟ ۵ -

الاعلان بالتویخ

یہی نہیں بلکہ اس طرح کی اور باتیں بھی لکھیں جن کا نقل کرنا ناگوار بھی ہے اور بے فائدہ بھی۔ ان باتوں پر نہ تو قدیم زمانے میں اور نہ ہی موجودہ زمانے میں کسی نے کان دھرا۔ سچائی کے حامی تو بیشتر یہی کہیں گے کہ ”جب پانی دو بڑے گھڑوں کی مقدار میں ہو تو کوئی گندگی اس پر اثر نہیں کرتی“ نیز یہ کہ ’حق تو سب سے بڑھ کر پیروی کا سزاوار ہے، بد سیرت کا سر اگر کاٹا نہ جائے تو اس پر ضرب لگانا بہر حال مناسب ہے۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ یہ فن لائق توجہ ہے اور جو اس فن کے اماموں کو بُرا کہے اس کی ایک نہ سنی جائے۔

نیز العز اپنے اس قول کے بعد جو ابن المرابط کے رد میں اوپر گزرا ہے^۱ کہتے ہیں: ابن المرابط نے ذہبی پر تنقید کی ہے کہ وہ لوگوں کو برا کہتے ہیں اور ان کے عیب بیان کرتے ہیں۔ ابن المرابط کے قول کے مطابق یہ غیبت ہے اور ناجائز ہے، جرح کا فائدہ تو چوتھی صدی (۴) کے اختتام پر ختم ہو گیا۔ کوئی بوچھے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خود اس گناہ کبیرہ میں ذہبی کی برابری کرتے ہیں جس کو وہ دوسروں کے لیے عیب قرار دیتے ہیں۔ اگر خود ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہے تو پھر ذہبی کے لیے بھی وہی عذر موجود ہے۔

العز (رح) نے اپنے جواب کی جس بات پر بنیاد رکھی ہے اسی سے ملتی جلتی وہ حکایت ہے جو انہوں نے معجہ سے بیان کی۔ انہوں نے کہا ”میں ایک شخص کے پاس بیٹھا تھا وہاں ایک ایسے آدمی کا تذکرہ نکلا جو معجہ سے عداوت رکھتا تھا، چنانچہ میں نے اس آدمی کی شدیدت کی۔“

۱۔ یہ حدیث طہارت کے باب میں متداول ہے۔ یہاں اس کا مفہوم معلوم ہوتی ہے کہ بلند پایہ علماء پر بے جا اعتراضات اچھ موثر نہیں ہوتے۔

۲۔ ص ۵۷ سبق۔

اس کی بعض باتیں سنائیں۔ اس شخص نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ غیبت ہے۔ مجبوراً میں خاموش ہو گیا اور دوسری باتیں کرتا رہا تا آنکہ ایک ایسے آدمی کا ذکر آیا جو اس کا دشمن تھا، وہ لگا اس کی برائیاں کرنے تو میں نے اس پر وہی اعتراض چسپاں کر دیا جو اس نے مجھ پر کیا تھا۔

[ص: ۵۹] رہا کسی امام کا یہ قول کہ ”کچھ لوگ مدینہ آئے۔ خود ان میں تو کوئی عیب نہ تھے لیکن انہوں نے دوسرے لوگوں کے عیب کا چرچا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے عیوب گھڑے اور ان کی طرف منسوب کر دیے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ ایسے تھے جو فی الواقع عیوب کے حامل تھے، وہ چپ رہے تو دوسرے لوگ بھی ان کے عیوب کی بابت چپ رہے۔ اسی کو ایک شاعر نے یوں کہا ہے :

كُفَّ عَنِ النَّاسِ إِذَا شِئْتَ أَنْ
تَسْلَمَ مِنْ قَوْلِ جَهْلُولٍ فِيهِ

تم دوسروں کو کچھ نہ کہو اگر تم چاہتے ہو کہ جاہل اور
ناممجھ لوگوں کے اقوال سے بچے رہو

مَنْ قَذَفَ النَّاسَ بِمَا فِيهِمْ
يَقْذِفُهُ النَّاسُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ

جو دوسروں کے حقیقی عیوب کا ذکر کرے گا دوسرے اس کی بابت
سن گھڑت باتیں کہنے لگیں گے

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی کو دیلمی نے اپنی مسند میں
اس سند کے ساتھ جو انہوں نے درج کی ہے ابن عمر سے حدیث مرفوع
کی حیثیت سے درج کیا ہے کہ ”مدینے میں کچھ لوگ تھے جن میں
فی الواقع عیوب تھے لیکن دوسروں کے عیوب کی بابت وہ خاموش رہتے
تھے۔۔۔“ (السخ)۔

۱ - شیخ و یہ بن شہر دار الدیلمی ، ف ۹ . ۵۵ -

الاعلان بالتوبیخ

کسی اور کا بھی قول ہے کہ ” تم شر سے دور رہو شر تم سے دور رہے گا “۔ ان سب اقوال کو اس صورت پر معمول کرنا چاہیے جس میں کہ (عیوب کا) تذکرہ فضول ہو اور کسی ایسے نیک مقصد سے نہ ہو جس کے لیے اجازت ہے یا یہ کہ اس حد سے متجاوز ہو جس کے اندر اندر مقصد حاصل ہو سکتا ہے ۔

اسی طرح یہ جو اقوال ہیں کہ ” علما کا گوشت زہریلا ہوتا ہے “ ۔ جو لوگ علما کو برا کہتے ہیں ان کی پردہ دری کی بابت اللہ کا دستور جانا بوجہا ہے ۔ جو آگے بڑھ کر علما کو گالی دے اس کو دل کی موت کا خطرہ لاحق ہوتا ہے ۔“ ان اقوال کا اطلاق عام نہیں ۔

ابن عساکر^۲ نے خوب کہا ہے : ” علما کی طرف ایسی برائیاں منسوب کرنا جن سے وہ پاک ہوں بڑی بُری بات ہے ۔ ان کی عزت کو جھوٹ، من گھڑت بہتان سے بٹہ لگانا مضرت رساں مشغلہ ہے ۔ جس کو اللہ نے علم کے احیاء کے لیے چنا ہو اس پر جھوٹا الزام لگانا بڑی مذموم حرکت ہے ۔ اچھی صفت تو یہ ہے کہ بعد میں آنے والوں کے جس قول کی اللہ نے مدح کی ہے ، یعنی یہ کہ وہ اپنے پیشرووں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اس کی پیروی کی جائے چنانچہ اللہ جو اچھے اور برے اخلاق کو خوب جانتا ہے اپنی کتاب میں ایسے لوگوں کی تعریف دیتے ہوئے فرمانا ہے : ” وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَ لَاتَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ “^۳ (اور وہ لوگ جو بعد میں آئے کہتے ہیں :

۱ - غیبت کرنے کو ” اپنے بھائی کا گوشت کھانا “ کہا جاتا ہے ۔ مطلب یہ کہ علما کی غیبت کرنے میں وہی مضرت ہے جو گوشت کھانے میں ۔

۲ - لفظ تبیین کذب المفتری (دمشق ۱۳۳۷ھ) ص ۲۹ ۔

۳ - قرآن ۵۹/۱۰ ۔

اے ہمارے رب ! مغفرت کر تو ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی، اور ہمارے دلوں میں ذرا بھی تمیل نہ رہنے دے، ان کی طرف سے جو ایمان لائے، اے رب ! تو بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے) (۵ ق)

احمد بن نصر السرویانی (جن کا سیرے سے وجود ہی نہیں) روایت کرتے ہیں الا شیح ابی الدنیا سے اور وہ علی سے، بطور حدیث مرفوع کے، کہ ”جب دل اللہ سے بے توجہی کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ اس کو نیک لوگوں کی عیب جوئی میں مبتلا کرتا ہے“۔ یہ اول تو صحیح نہیں لیکن اگر صحیح ہو تو اس کو بھی اسی صورت پر محمول کرنا چاہیے جو ہم نے اوپر بیان کی۔

رہا ابن دقیق العید کا قول کہ ”مسلمانوں کی عزت و ناموس ایک آگ کا گڑھا ہے، جس کے کنارے پر دو گروہ کھڑے ہوتے ہیں : ایک محدثین اور دوسرے قاضی“ نیز کسی اور کا یہ قول کہ ”جو میرے ساتھ رائی کا ارادہ کرتا ہے اللہ اسے یا تو محدث [ص : ۶۰] بنا دیتا ہے یا قاضی“۔ ان کی تاویل کرنا پڑے گی ورنہ جو بات قابل اعتبار اجتہاد اور پورے سوچ بچار سے کہی جائے وہ تو باعث اجر ہے نہ کہ موجب گناہ۔ اس کی بابت ائمہ مسلمین کے اقوال ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

امام ابوشامہ^۲ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی شبہ کے زبان درازی کرنے کی پاداش اٹھانی پڑی۔ وہ ”نوی“ کے استاد تھے اور باوجودیکہ وہ بلند پایہ عالم تھے، قاری، محدث، نحوی تھے۔ بڑا اچھا پختہ خط لکھتے تھے، متواضع اور منکسر المزاج بھی تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے، پھر بھی اکثر و بیشتر عالم، نیکوکار، اور بڑے بڑے لوگوں کی برائی کرتے تھے، ان پر طعن کرتے تھے، ان کا مرتبہ گھٹاتے تھے، ان کے عیب بیان کرتے تھے اور خود اپنے

۱۔ عثمان بن الخطاب، ف ۵۳۲۔

۲۔ عبدالرحمن بن اسمعیل، ف ۵۶۶۵۔

الاعلان بالتوبیخ

آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ ان سب لوگوں کی نظروں سے گر گئے جنہیں ان کی اس بات کا علم ہوا اور انہوں نے اس امر کا چرچا کیا۔ بالآخر ان پر یہ بلا ٹوٹی کہ دو قد آور آدمی فتویٰ لینے کے بہانے ان کے گھر گئے اور انہیں بری طرح مارا یہاں تک کہ وہ برداشت نہ کر سکے، پھر بھی کسی نے ان کی مدد نہ کی اور وہ شعر پڑھ پڑھ کر اللہ عزوجل سے مدد مانگتے رہے۔

الحافظ الشمس ابوالعباس محمد بن موسیٰ بن یسند (؟) کے سوانح میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا ذہن خراب ہو گیا تھا اور وہ بیشتر محفوظات حتیٰ کہ قرآن بھی بھول گئے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ان کو اس بات کی سزا ملی تھی کہ وہ سبھی کو بہت زیادہ برا بھلا کہا کرتے تھے۔ لیکن یہی کچھ برہان الحلبي^۲ کو بھی پیش آیا حالانکہ وہ کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ متقی پرہیزگار تھے، البتہ وہ مرنے سے پہلے اپنی اصلی حالت پر آگئے تھے۔ اسی طرح یہ مشہور ہے کہ "جو بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں وہ بڑھاپے میں بہک جاتے ہیں" حالانکہ بسا اوقات وہ لوگ بھی بہک جاتے ہیں جن کے متعلق ایسا کہنا صحیح نہیں۔

الجمال محمد بن ابی بکر المیصری^۳ سے مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے الجمال ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر الشریمی البغدادی القاضی الشافعی^۴ کا مرنے وقت یہ حال دیکھا کہ ان کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور سیاہ پڑ گئی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ یاداش تھی ان کے فتویٰ پر اعتراض کرنے اور کثرت سے ان کی برائی کرنے کی۔

اس سے بڑھ کر وہ حکایت ہے جو ابن النجّار نے ذیل تاریخ (بغداد)

۱ - ۲۲۹ - ۵۹۲ - آخری نام کا تلفظ مشکوک ہے۔

۲ - ابراہیم بن محمد، سبط ابن العجمی، ۵۳ - ۵۸۳۱۔

۳ - ف ۵۸۲۔

۴ - ف ۵۹۲ اصل کتاب میں "الریتی" کے بجائے "الدعیمی" ہے۔

میں شیخ ابو اسحاق شیرازی^۱ سے نقل کی ہے کہ ” انہوں نے قاضی ابو الطیب الطبرستانی کو کہتے سنا کہ ہم جامع منصور کے حلقہ^۲ درس میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک خراسانی نوجوان جو حنفی تھا آیا اور مسئلہ ”مُصَرَّاة“^۳ کی دلیل پوچھی۔ مدرس نے ابوہریرہ رضی سے روایت بیان کی۔ اس نوجوان نے کہا کہ ان کی روایت قابل قبول نہیں۔ قاضی کہتے ہیں کہ وہ اپنی بات ختم بھی نہ کر پایا تھا کہ جامع (مسجد) کی چھت سے ایک بڑا سانپ اس کے اوپر گرا۔ [ص : ۱۰۱] وہ نوجوان بھاگا تو اس سانپ نے اوروں کو چھوڑ کر اس کا پیچھا کیا۔ لوگوں نے اس سے کہا ”توبہ کر“ اس نے کہا ”میں توبہ کرتا ہوں“۔ اس کے بعد وہ سانپ ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا نشان تک کسی نے نہ دیکھا۔

ابن بشکوال^۴ اس سند کے ساتھ جو انہوں نے لکھی ہے احمد بن محمد بن عمر الیمامی^۵ سے روایت کرتے ہیں : میں صنعاء میں تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کو بہت سے لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا ”کیا معاملہ ہے“ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ آدمی رمضان کے مہینے میں ہمیں نماز پڑھایا کرتا تھا اور قرآن بڑی اچھی آواز سے سناتا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا ”ان الله و ملائکته یصلون علی النبی“^۵ (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی پر) تو اس نے پڑھا : ”یُصَلُّونَ عَلٰی عَلَیِّ النَّبِیِّ“ (رحمت بھیجتے ہیں علیؑ پر)۔ اس کی بدولت وہ گونگا ہو گیا، جذام، برص اور اندھے پن میں مبتلا ہوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ اب یہاں پڑا رہتا ہے۔“ (۵ ق)

۱ - ابراہیم بن علی ، ف ۵۴۷۶ -

۲ - وہ جانور جس کے تھنوں میں مشتری کو دھوکا دینے کے لیے دودھ جمع کیا گیا ہو۔

۳ - خلف بن عبدالملک ، ف ۵۵۷۸ -

۴ - تیسری صدی ۵ - اصل کتاب میں ” الیمانی “ ہے -

۵ - قرآن ۵۶/۳۳ -

اس مضمون کی خبریں بیسیوں ہیں۔ ایسے ہی ان اصحاب سے متعلق بھی بہت کچھ منقول ہے جن سے لوگ نفرت کرنے لگے تھے اور گو کہ علم، تقویٰ اور زہد میں ان کا بڑا درجہ تھا پھر بھی لوگ ان کے علم سے استفادہ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ یہ سب اس لیے کہ ان کی زبان بے لگام تھی اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، خوب بولتے تھے اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ دوسروں کی تنقید کرتے تھے۔ ابن حزم اور ابن تیمیہ^۱ ایسے ہی تھے چنانچہ دونوں کو خوب مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ یہ بات الگ ہے کہ امت کے ہر فرد کا کوئی قول مقبول ہوتا ہے اور کوئی متروک، اس میں استثنا صرف رسول اللہ^۲ کا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھانا اس شخص کے لیے جو پوری طرح آگاہ نہ ہو دشوار ہو جاتا ہے، اس وجہ سے نہیں جو اوپر بیان ہوئی، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اپنی تصنیف کے مقصد میں حد سے زیادہ مستعدی دکھاتے ہیں، مثلاً العاکم^۳ جنہوں نے یہ التزام کیا کہ اپنی ”مستدرک“ میں انہیں شرطوں پر چلیں گے جن پر شیخین (بخاری و مسلم) یا دونوں میں سے کوئی ایک چلا ہے لیکن وہ اتنے نرم پڑ جاتے ہیں کہ ضعیف تو ضعیف موضوع احادیث کو بھی جگہ دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ابن الجوزی ہیں جو اپنی ”موضوعات“ کا دائرہ اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ ضعیف تو ایک طرف رہی صحیح حدیث کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ غرض یہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں، ایک ایک سچے پر تو دوسرا دوسرے سچے پر۔ اللہ ان پر اور ہم پر رحم کرے اور ہمیں ان کی برکتوں سے مالا مال کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مورخین بھی دوسرے مصنفین کی طرح ہیں۔ ان کی بعض باتیں اچھے خمیر کی بدلتی ہیں اور بعض عفونت والی۔ خوش نصیب وہ ہے جس کی غلطیاں معدودے چند ہوں اور فروگذاشتیں بڑے درجہ کی نہ ہوں۔ اس لیے کہ اس ایک (رسول اللہ کے) استثناء کے ساتھ ہر انسان

۱ - احمد بن عبدالحلیم، ف ۲۸۵۔

۲ - محمد بن عبداللہ، ۳۲۱-۵۳۰۔

کی باتیں کچھ قابل قبول ہوتی ہیں اور کچھ متروک۔ دنیا کا عالم تو یہی ہے کہ یہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کمال پایا جائے اور کوئی مصنف ایسا نہیں جس کے یہاں کچھ کھلی اور کچھ ڈھکی چھپی باتیں نہ ہوں۔ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا: ”اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کو بھی اونچا اٹھائے اس کو نیچے گرا دے“ نیچے گرانے کے معنی یہ نہیں کہ اس کو معدوم اور تلف کر دیتا ہے بلکہ یہ کہ اس میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

ہاں! یہ صحیح ہے کہ خاصہ خلل رونما ہوا اور ایسی ایسی مذموم باتیں پھیل گئیں [ص: ۶۲] جو بدترین اخلاقی کمزوریوں پر مشتمل ہیں، چنانچہ اس شریف فن کی طرف وہ لوگ بڑھے جو الفاظ کی تبدیلی (تحریف) اور اسلا کی غلطیوں (تصحیف) کے مرتکب تھے، وجہ یہ ہے کہ وہ روایت اور نقل کی شرطوں کے پوری طرح پابند نہ تھے اور ایسوں پر بھروسہ کر لیتے تھے جو نہ امانت کی صفت رکھتے تھے اور نہ عقل کی۔ انہوں نے رطب و یابس اور صحیح، غیر صحیح اور ڈانواں ڈول سبھی چیزیں لکھ ڈالیں۔ اگر میں تحریر نگاروں کہ شیخ المؤرخین تقی مقریزی کا کیا حال ہے تو تمہارے تعجب کی انتہا نہ رہے گی اور تم ان کی تصانیف کی تلاش چھوڑ دو گے۔ ان کے علاوہ دوسرے شیوخ جو اسلام کے ائمہ اور انسانیت کا بہترین نمونہ تھے ان کا حال بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ ہمارے استاد (ابن حجر) نے اپنی کتاب ’انباء‘ کے خطبے میں اس قسم کی چند باتیں بطور اشارہ لکھ کر اسی پر اکتفا کیا ہے۔

ان سب پر مجھے بڑا ہی افسوس ہونا ہے لیکن ان کے بعد تو ایسے لوگ آئے جو ہزار کوشش کے باوجود ان کے بھی مرتبے کو نہ پہنچ سکے۔ انہیں میں سے خصوصیت کے ساتھ ایک وہ شخص ہے جس نے اس زمانے میں اس کام کے لیے اپنے کو آگے بڑھایا اور اس وادی کے بیچوں بیچ قدم رکھنے کی جرأت کی۔ اُس کو ایسے لوگ بھی مل گئے جنہوں نے سارے اسباب فراہم کیے اور نقد، قماش اور تمام خاطر خواہ چیزوں سے امداد کی، حالانکہ وہ (بزرگوں کے) مرتبے کو پہنچنا تو درکنار

اس کے لگ بھگ بھی نہیں ، صرف اتنا ہے کہ انہیں کے ڈھب کا ہے اور ان کے طرز پر چلتا ہے ۔ بالخصوص جہاں تک عبارتوں اور رموز کا تعلق ہے وہ ایسی ہیں کہ کوئی سمجھ دار آدمی انہیں پسند نہیں کر سکتا ۔ کوئی نادان بے علم ہی ہوگا جو اس کی ہوا باندھے اور اس کی تحریر کو ہمارے استاد (ابن حجر) کی تحریر پر اور ان لوگوں کی تحریر پر جو ہمارے نزدیک قابل اعتماد ہیں ، فوقیت دے ۔ تاہم میرا خیال تھا کہ چونکہ ایسے لوگ بڑے بڑے بادشاہوں ، امیروں ، ممالک کے سربراہوں اور وزیروں سے وابستہ رہتے ہیں اس لیے کم از کم ان کی خبریں قابل اعتبار نوعیت کی لکھے گا ۔ یہ تو میں جانتا ہی تھا کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے معاملے میں وہ بے احتیاطی برتتا ہے اور ایک سے ایک بڑھ کر ایسی خبریں درج کیے جاتا ہے جن میں اچھی بری سب باتیں آ جاتی ہیں ۔ اس لیے میں صرف وفات کی تاریخیں نوٹ کر لیتا تھا جن کی ضرورت پڑتی ہے اور حوادث و واقعات کا خلاصہ بنا لیتا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد مجھے اس بارے میں بھی عجیب و غریب باتیں نظر آئیں اور قابل وثوق لوگوں کو میں نے اس کے بہت سے عیوب کا تذکرہ کرتے سنا ۔ تب مجھے بہت افسوس ہوا لیکن افسوس سے فائدہ ؟ اس لیے کہ اس کی زندگی میں نے خبروں کی چھان بین نہ کی حالانکہ اس وقت ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا ۔ غالباً ایسے شخص کے لیے بہتر تو یہ ہوتا کہ وہ اس سے اہم تر علم میں پوری طرح لگ جاتا ، میری مراد عام حدیث سے ہے جس کے مختلف شعبے ہیں ، کہنا چاہیے کہ وہ ایک بھرے کنار ہے اور تفصیل تو کیا اس کے مقاصد کا اجمالی طور پر بھی احاطہ ممکن نہیں ۔ پھر بھی اس شخص کا وجود بسا غنیمت تھا ۔ گو وہ اس فن میں ادب اور بودا تھا لیکن اس کی جانشینی تو عوام میں سے ایک ایسے شخص کے حصے میں آئی جس کا کام صرف بڑھ بڑھ کر جمہالت کی باتیں کرنا ہے ۔ چنانچہ وہ دوسرے لوگوں کی طرف نا مناسب باتیں منسوب کرتا ہے اور جھوٹے الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس قابل ہوتے ہیں کہ انہیں پارہ

پارہ کر دیا جائے۔ [ص : ۶۳] نیز ایسے واقعات بیان کرتا ہے جو محض دل بہلاوے کے ہوتے ہیں اور ان کا چاقو سے چھیل دینا واجب ہوتا ہے۔ ایک محتاط پریزگار بزرگ کے سامنے جب تاریخ سے اس شخص کی دلچسپی کا ذکر ہوا تو انہوں نے کیا خوب کہا ”بخدا! وہ تو خود ایک کھلی اور واضح تاریخ ہے جو یہ بتاتی ہے کہ عہد حال میں فاسقوں اور ناپاک لوگوں کے ہاتھوں تاریخ کی کیا دُرگت بنی ہے“۔ البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ ایسے لوگ پختہ کاروں اور پریزگاروں کے ساتھ تھوڑی دور بھی نہیں چل پاتے۔ ان کا عمل بہت جلد زائل ہو جاتا ہے اور ان کی تحریریں تھوڑی کیا معنی بہت زیادہ فضیلت کی بھی حامل ہوں تو بھی زیادہ درد سر نہیں بنتیں۔ اس زمرے کا ایک اور شخص جس کی بابت ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں ہمارا ایک معاصر ہے۔ وہ بغیر سوچے سمجھے کثرت سے لوگوں کی برائیاں کیا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہر بدر کر دیا گیا جس کے باعث اس کی بدبختی اور تکلیف میں بہت اضافہ ہوا۔ پھر بھی وہ باز نہ آیا۔ لوگ اس سے متنفر ہی رہے اور کبھی اس کو گوارا نہ کر سکے مگر وہ مرتے دم تک ویسا ہی رہا اور دوسروں کی عیب جوئی سے سیر نہ ہوا۔ اس کے علاوہ مورخین میں اور لوگ بھی ہیں جیسے ایک مقدسی جو درس و تدریس کے لیے مشہور ہوتے ہوئے ابلیسوں کا ساتھی تھا۔ اللہ ہم کو اپنے نفس کی برائیوں سے اور زبان کی زیادتیوں سے بچائے۔

۸۔ مورخ کے لیے شرائط

تاریخ کا کام کرنے والے کے لیے عدالت شرط ہے اور اس کے ساتھ صحت کا پورا پورا اہتمام جس سے پختگی اور کمال پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مکمل غور و فکر سے کام لے، خاص طور پر ان باتوں میں جو انبیا (علیہ السلام) کے جاہل سیرت نگار لکھا کرتے ہیں۔ خطیب

۱۔ اصل کتاب میں ’جہلہ‘ ہے۔ ایک نسخے میں اس کی بجائے ’جملہ‘ ہے جس کے معنی ہوں گے ”بہت سے“ سیرت نگار۔

اپنی 'جامع' میں رقمطراز ہیں: "اور یہ لوگ یعنی اہل حدیث وہ روایتیں بھی جمع کر لیتے ہیں جو گزشتہ امتوں کے حالات اور انبیاء کی سیرت اور قصوں کے بارے میں مسلمانان سلف سے منقول چلی آتی ہیں۔ ہمارے خیال میں مناسب یہ ہے کہ ان چیزوں کے جمع کرنے میں کوئی اس وقت تک مصروف نہ ہو جب تک رسول اللہ (صلعم) کی احادیث سے فارغ نہ ہو لے"۔ اس کے بعد وہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا قول پیش کرتے ہیں کہ: "میں نے احمد (بن حنبل) سے کہا کہ میں انبیاء کی حدیثیں جمع کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ اس وقت تک نہیں جب تک کہ تم نبی (صلعم) کی حدیث سے فارغ نہ ہو جاؤ"۔ اس طرح انہوں نے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی تصریح کی ہے کہ پرانے لوگوں کی خبروں اور پرانی کتابوں اور آئندہ کے حوادث اور قیامت خیز معرکوں کے بارے میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں بڑی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کا باطل ہونا جائز ہے یا ان کے باطل ہونے کا یقین ہے، مثلاً وہ کتاب جو دانیال کی طرف منسوب ہے، بلکہ آئندہ کے متوقع معرکوں اور فتنوں میں سے جن کی پیش گوئی درج ہے کچھ بھی صحیح نہیں ہے بجز اس قدر قلیل کے جس کی سند مسلسل رسول اللہ (صلعم) تک پہنچتی ہے۔ ایک شخص نے امام مالک سے [ص: ۶۴] زبور داؤد کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا: تو کیسا جاہل ہے، تیرے پاس لکھا ہوا ہے وقت ہے۔ ہمارے نبی (صلعم) سے جو صحیح حدیثیں ابن عمر اور ان سے نافع نے ہم سے روایت کی ہیں کیا وہ ہمیں مشغول رکھنے کے لیے دی نہیں جو ہم ان باتوں کی طرف توجہ کریں جو داؤد کے اور ہارے ماہین ہیں؟"۔ اس چیز کو انہوں نے در میں نے اپنی کتاب 'الاصول الاسیلاب' میں بیان کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان میں سے بیشتر باتیں قرآن و حدیث سے بنی ہیں۔

۱۔ غالباً یحییٰ بن عیاش، ف ۶۹۶۔

شیخ الاسلام الموفق بن قدامة^۱ نے کتاب 'التواہین' میں بہت سی ایسی باتیں درج کی ہیں جن کا لکھنا میرے نزدیک ان کے شایان شان نہ تھا خاص طور پر جبکہ ان کی سندوں میں بھی خلل ہے۔ یہی حال ان کی رائے کا ہے جس کا وہ ابتدائی دور کی ممتاز ہستیوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے واقعات کی بابت ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ہم کو تو یہ حکم ہے کہ ان کے مابین جو کچھ ہوا اس کی بابت اظہار خیال سے باز رہیں اور اس کی ایسی تاویل کریں جس سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہ آئے۔

مذہب (شافعی) کو پاک کرنے والے سُحیتوی نتووی کو خدا اپنی رحمت سے نوازے، وہ الحافظ الحجّۃ ابو عمر بن عبدالبر کی 'الاستیعاب' کی خوبیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کاش اس میں یہ عیب نہ ہوتا کہ صحابہ کے اختلافات کا لمبا چوڑا تذکرہ ہے، جو اخبارین^۲ (خبر سراؤں) کی روایت پر مبنی ہے۔ وہ لوگ بہت باتیں کرتے ہیں اور الٹی سیدھی ہر قسم کی کرتے ہیں (ہ ق)۔ ایسی باتوں سے احتراز واجب ہے الا یہ کہ جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے ان کے لیے مناسب تاویل ساتھ ساتھ بیان کر دی جائے، چنانچہ صفات (باری تعالیٰ) سے متعلقہ اور اس جیسی دوسری احادیث کے بارے میں سب کا یہی کہنا ہے اور میں تو قصہ انک کے بارے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی تاویل ضروری ہے۔ اپنے 'جوابات' کے ضمن میں نے اس کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ' (کتاب) الاکراہ' سے ذرا پہلے جو کسی کا قول درج ہے اس کی بھی تاویل ضروری ہے، اور وہ یہ کہ "مجھے خوب معلوم ہے تمہارے بزرگ (یعنی علی رضی اللہ عنہ) نے کس وجہ سے بے دھڑک ہو کر خون بہائے" وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے تھے اور اہل بدر کے گناہ

۱ - عبداللہ بن احمد، ف . ۵۶۲ -

۲ - واحد: "اخباری" = خبر سرا (خبریں سننے والا) -

معاف تھے۔ اس قول کو کسی طرح ظاہری معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ علی رضی کا مقام اس سے کہیں بلند تھا۔ اسی قسم کی بات وہ ہے جو عباس نے علی رضی سے کہی جب وہ دونوں بنو نضیر کے اموال کے سلسلے میں عمر رضی کے پاس گئے۔ اس قصے میں بہت سی باتیں ہیں جن کی تاویل ضروری ہے بجز اس صورت کے کہ پوری پوری وضاحت ساتھ درج ہو۔

یہی مصداق ہے اس (حدیث) کا کہ ”لوگوں سے وہی باتیں کرو جو وہ سمجھتے ہوں“ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟“ اور اس کا کہ ”جب بھی کوئی شخص لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے جو ان کی عقل کی دسترس سے باہر ہوں تو وہ کسی نہ کسی کے لیے فتنے کا مسبب بنتا ہے“۔ امام اللیث بن سعید نے کیا خوب کہا ہے کہ جو یہ حدیث سنئے ”اگر فاطمة بنت محمد چوری کی مرتکب ہو تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا“ اسے چاہیے کہ کہے ”خدا کی پناہ! فاطمة اور ایسی بات!“۔ اسی طرح ابو داؤد نے خوب کیا کہ جب یہ حدیث نقل کی جس میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیٹی فاطمة [ص: ۶۵] سے فرماتے ہیں ”اگر تو ایسا کرنے گی تو جنت میں داخل نہ ہو سکتی گی تا وقتیکہ تیرے باپ کا دادا جنت کا منہ نہ دیکھے۔“ تو کنایہ سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا کہا نہ ”اس پر رسول اللہ نے سخت وعید فرمائی“۔ السُّہیلیؒ کہتے ہیں ”ہمارے لیے سزا وار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ کی بابت ایسا کہیں“ انہوں نے اس کی وجہ بھی بتائی ہے، البتہ میرے نزدیک درست یہ ہے کہ نہ نفی میں اور نہ اثبات میں رسول اللہ کے ماں باپ کی بابت کچھ بھی نہ کہا جائے

۱۔ لحظ ص ۳۵ سبق۔

۲۔ لحظ ص ۳۶ سبق۔

۳۔ عبدالرحمن بن عبد اللہ، ف ۵۵۸، (معینف "الروض الاذنیف)۔

بجز اس صورت کے کہ مجبوری ہو اور مخاطب بھی پختہ ایمان رکھتے ہوں۔ عائشہ رضی کا قول بھی قابل لحاظ ہے کہ ”میں صرف تیرے نام سے ہجر اختیار کرتی ہوں“۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں (صحابہ) میں آپس کی جو رنجش دکھائی دیتی ہے اس کی تاویل کیونکر کی جائے۔ اماموں اور خاص کر مناظرات و مباحثات میں مخالف فریقوں کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ رہا وہ جو حافظ ابوالشیخ بن حبیبان^۱ نے اپنی ’کتاب السنۃ‘ میں بعض مقلد اماموں کی بابت لکھا ہے یا حافظ ابو احمد بن عدی^۲ نے اپنی کامل میں اور حافظ ابوبکر الخطیب نے ’تاریخ بغداد‘ میں، اور ان سے پہلے اوروں نے جیسے ابن ابی شیبہ^۳ نے ”مصنّف“ میں اور بخاری اور نسائی^۴ نے وہ باتیں لکھی ہیں جن سے میں ان کو پاک و برتر سمجھتا ہوں تو باوجودیکہ وہ سب مجتہد تھے اور نیک مقاصد رکھتے تھے تاہم ان سب امور میں ان کی پیروی سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے شیوخ میں سے ایک بڑے قاضی نے اُس کو معذور گردانا ہے جس کی طرف اس قسم کی کچھ باتیں منسوب ہوں یہاں تک کہ ہمارے شیخ (ابن حجر) کے روبرو جب ہرّوسی کی ’ذم الکلام‘ پڑھی گئی تو انہوں نے اس کی روایت سے منع فرمایا اس لیے کہ اس میں اسی قسم کی باتیں ہیں۔

ایک معتبر ہستی نے جب حاطب بن ابی بلتعبد^۵ کا قصہ سنا تو ان کو ایسا جوش آیا کہ صحابی رضی کے مرتبے کا خیال نہ کرتے ہوئے،

۱ - عبد اللہ بن محمد بن جعفر ، ف ۵۳۶۹ -

۲ - عبد اللہ بن عدی ، ف ۵۳۶۵ -

۳ - عبد اللہ بن محمد ، ف ۵۲۳۵ -

۴ - احمد بن علی ، ف ۵۳۰۳ -

۵ - ف ۵۳۰۳ - اہل بدر میں سے ہیں۔ ان کے اہل و عیال مکے میں تھے ان کے خیال سے انہوں نے اہل مکہ کو مطلع کر دیا تھا کہ رسول اللہ چڑھائی کرنے والے ہیں۔ الاستیعاب لا بن حجر۔

بے سوچی سمجھی باتیں کر بیٹھے۔ حاضرین میں سے ایک نے فوراً انہیں سلامت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مہینے تک منہ چھپائے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی سرزنش تھی۔ اس سے پہلے انہیں کے ساتھ یہ ہو چکا تھا کہ ہمارے شیخ (ابن حجر) کے ایک شاگرد نے ان کے کسی عزیز قریب کے سوانح بیان کیے تو انہوں نے سخت اعتراض کیا اور ایسا حملہ کیا کہ وہ ہلاک ہوتے ہوتے رہ گیا اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارا نہ رہا کہ ایک مہینے تک جامع عمرو میں چھپا رہے تا آنکہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد معترض کو خود جو کچھ بھگتنا پڑا وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔

علاوہ بریں دوستوں کے بارے میں بڑے غور و تاثر کی ضرورت ہے اس لیے کہ محبوب ہستیوں کی پیروی کرنا اور ان سے محبت رکھنا خدا واسطے بھی ہو سکتا ہے اور کسی نیک ساواک وغیرہ کی وجہ سے بھی، کیونکہ نیک سلوک کرنے والے کی محبت کا دل میں گھر کرنا فطری امر ہے۔ چنانچہ کسی کا قول ہے ”اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ نونی فاجر مجھ پر احسان کرے اور اسکی وجہ سے میرے دل میں اس کا لحاظ پیدا ہو“۔

ابن معین کی حیثیت ملاحظہ ہو: جب وہ احقران پہنچے تو ابو سعید [ص: ۶۶] یحییٰ بن عبداللہ بن الضحاک الباہلیسی کو آرزو ہوئی کہ وہ ان کی ملاقات دو آئیں چنانچہ انہوں نے ایک سونے کی تھیلی اور کچھ عمدہ کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں۔ ابن معین نے کھانے پینے کی چیزیں نولے لیں اور تھیلی واپس کر دی۔ جب کوئی وقت آیا تو لوگوں نے الباہلیسی کی اہل ان کی رائے دریافت کی، اس نے انہوں نے کہا: ”اس میں شک نہیں ان کا تعفف بہت خوب تھا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی اچھی تھیں مگر انہوں نے اوزاعی سے نولی

۱ - ف ۵۲۱۸ -

۲ - عبدالرحمن بن عمرو، ف ۵۱۵۷ -

حدیث نہیں سنی۔“

رہا یہ جو اعمش کی بابت کہا جاتا ہے کہ جب انہیں حسن بن عمارہ کے کوفہ میں مظالم کا قاضی مقرر ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا: ”ہم میں سے ظالم ابن ظالم ہمارے مظالم کا قاضی مقرر ہوا ہے۔“ کچھ عرصہ بعد جب انہیں حضرت نے ان کو کسی تحفے سے نوازا تو انہوں نے کہا: ”ہم میں سے صالح ابن صالح ہمارے مصالح کا نگران مقرر ہوا ہے۔“ نیز یہ کہ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے وہی قول نقل کیا ”نیک سلوک کرنے والے کی محبت کا دل میں گھر کرنا فطری امر ہے۔“ میرے خیال میں یہ سب صحیح نہیں ہے، خاص کر اس وجہ سے کہ کہا یہ جاتا ہے کہ سلطان، بادشاہ اور تونگر کسی مجلس میں اتنے حقیر نظر نہیں آتے تھے جتنے کہ اعمش کی مجلس میں، باوجودیکہ اعمش بہت ہی حاجت مند اور فقیر تھے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اہل علم کی عزت کا خیال کرنے سے اعمش کی نظر میں حسن کے اوصاف بدل گئے تھے تو ایسی تو کوئی بات نہ تھی کہ اس کے باپ کے اوصاف بھی بدل جاتے۔

محبت اس سے بھی ہوتی ہے جو قریب کا رشتہ دار ہو جیسے باپ یا بیٹا۔ ابن السمدینی^۳ سے کسی نے ان کے باپ کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا: ”ان کی بابت مجھ سے نہیں، کسی اور سے پوچھو۔“ جب اس نے دوبارہ پوچھا تو نظریں نیچی کر کے سوچنے لگے، پھر سر اٹھایا اور بولے ”یہ دین کا معاملہ ہے۔ وہ (روایت میں) ضعیف تھے۔“

وکیع بن الجراح^۴ کا یہ حال تھا کہ چونکہ ان کے والد بیت المال

۱ - ف ۱۵۳ -

۲ - حکومت کے افسروں اور ان کے احکام و تصرفات کے خلاف داد رسی کا محکمہ۔

۳ - علی بن عبداللہ بن جعفر، ف ۲۳۴ یا ۲۳۵ -

۴ - ف ۱۹۷ -

الاعلان بالتوبیخ

کے نگراں تھے اس لیے جب وہ ان سے روایت کرتے تھے تو ان کے ساتھ کسی دوسرے راوی کو ملا لیتے تھے۔

”السنن“ والے ابو داؤد کہتے ہیں: ”میرا بیٹا عبداللہ^۱ کذاب ہے“ گو کہ ہم نے ’بذل المجہود‘^۲ میں اس کی تاویل کر دی ہے۔

ایسا ہی ذہبی کا قول ہے اپنے بیٹے ابو ہریرہ^۳ کے بارے میں کہ ”اُس نے قرآن حفظ کیا لیکن پھر چھوڑے رکھا یہاں تک کہ بھول گیا“۔

مقدمہ صحیح مسلم میں زید بن ابی انیسہ^۴ کا قول درج ہے کہ ”میرے بھائی یحییٰ سے روایت نہ کرو، کہا جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے“۔

الغرض ایسے اقوال بہت سے ہیں۔ ان کے برخلاف ایک وہ روایت ہے جو دارقطنی نے ’غرائب مالک‘ میں درج کی ہے: اسحاق بن اسماعیل السجوزجانی روایت کرتے ہیں سعید بن عیسیٰ بن معن (سعید بن؟) الاشجعی سے، وہ مالک سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر سے بطریق مرفوع (راست رسول اللہ سے): ”ایک چیز جو تمہارے لیے مسلمان بھائی کی محبت کو پاک صاف بنائے رکھتی ہے یہ ہے کہ اس کی موجودگی کی بہ نسبت اس کی غیبت میں تم اس کے لیے بہتر ثابت ہو“۔ البتہ دارقطنی نے یہ بھی کہا دیا ہے کہ یہ باطل ہے اور مالک سے نیچے کے راوی ضعیف ہیں۔

ذہبی کے کہنے کے مطابق یہ صحیح ہے کہ خلفا اور ان کے

۱ - عبداللہ بن سلیمان، ۵۳۱ھ -

۲ - سخاوی کی تصنیف کا پورا نام: بذل المجہود فی تخریج السنن لابی داؤد۔

۳ - ف ۵۷۹۹ -

۴ - ف ۵۱۲۳ -

باپ دادا اور خاندان والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جرح و تعدیل والے ان کا حال کھول کر بتانے سے گریز کرتے ہیں اس لیے کہ ان کو تلوار اور مار دھاڑ کا ڈر ہوتا ہے۔ ذہبی کے کہنے کے مطابق ہر حکومت کے قیام کے دوران یہی ہوتا ہے کہ مورخ اس کی اچھائیاں [ص: ۶۷] بتاتا ہے اور برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں کہ مورخ دیندار اور نیک ہو۔ اگر وہ مدح گو اور خوشامدی ہو تو تقویٰ کی پروا نہیں کرتا اور بسا اوقات بڑے لوگوں کی برائیوں کو اور ان کے عیوب کو مدح، خوبی اور عظمت کے پیرایے میں بیان کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ سوانح میں جو باتیں چھپاتا ہے ان کے بالکل برعکس بیان کرتا ہے اور بڑے آدمیوں کی زندگی میں جس طرح ان کے سوانح لکھتا ہے ان کے مرنے کے بعد اُس طرح لکھنا ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ اس سب سے تو بہتر یہ ہے کہ عبارت میں پوری پوری احتیاط کرتے اور تصریح سے بچتے ہوئے، چھپے ہوئے اشاروں سے کام لے۔

اسی طرح جن سے بغض و عداوت ہو ان کے بارے میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ اس کا سبب وہ رقابت ہوتی ہے جو حصول مراتب کے سلسلے میں رونما ہوتی ہے۔ ہم عصروں میں بسا اوقات اسی کے باعث اختلاف اور منافرت پائی جاتی ہے چنانچہ ابن عبدالبر نے 'جامع بیان العیلم' میں ایک باب قائم کیا ہے ہم عصر و ہم رتبہ علما کے ان اقوال کے بارے میں جو وہ ایک دوسرے کے متعلق کہتے ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ ان کا قول ایک دوسرے کے حق میں نہیں مانا جائے گا اگرچہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بھروسے کے قابل ہو اور سند مانا جاتا ہو۔ اکثر اوقات ہم عصروں میں عداوت نہ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ چلتی ہی رہتی ہے۔ بعض لوگ اس صورت کو عداوت سے جدا رکھتے ہیں لیکن حکم بھر صورت ایک ہی ہے اور اگر دونوں صورتیں اکٹھی ہو جائیں تو ایسے اقوال کو نہ ماننا ہی زیادہ مناسب ہے۔

اس عداوت کا سبب یہ بدگمانی بھی ہو سکتی ہے کہ مخالفت کی

الاعلان بالتوبیخ

بنا۔ کوئی ایسا عقیدہ ہے جس کو دوسرا فریق فاسد سمجھتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ جرح کرنے والوں پر بڑی آفت کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر یا بدعتی کہیں اور ایسے تعصب میں پھنس جائیں جسے وہ دین کا درجہ دیتے اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں دوسروں کو کافر یا بدعتی کہنا بھی ایک شخص کے اعتبار میں بٹہ لگانے کا موجب قرار پایا۔ التقی بن دقیق العید نے یہ بات کہی ہے اور پرانے اور موجودہ دونوں زمانوں میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

صوفیا اور فروع پر زور دینے والے فقہاء میں جو اختلاف ہے وہ اسی نوعیت کا ہے۔ ان میں باہم ایسی نفرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اسی ذیل میں وہ بات بھی آتی ہے جو ابن خیراش^۱ نے احمد بن عنبدة الضبئی^۲ کی بابت کہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ لوگوں نے اس پر کان نہیں دھرا اس لیے کہ ابن خیراش رافضی یا خُرمی تھا۔

اگر مذکورہ بالا اصول صحیح ہیں تو چاہیے کہ جس سے محبت ہو اس کو اس کے مرتبے سے زیادہ بلند نہ کیا جائے بلکہ اس بارے میں ان لوگوں کی اقتداء کر لی جائے جن کی باتیں میں نے اوپر بیان کیں، گو عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ انسان اس بارے میں احتیاط کر نہیں پاتا بمصداق ”جَبَّكَ الشَّيْءُ يُعْمِي وَيُصْمِمُ“^۳ (کسی چیز کی محبت بچھے اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے) :

وَعَيْنُ الرَّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَسَائِلَةُ

كَمَا أَنَّ عَيْنَ السَّخَطِ تُبِيدِي السَّوَابِيَا

۱ - عبدالرحمن بن یوسف، ف ۵۲۸۳ - خرمی بھی رافضی سلسلہ کے ہیں۔

۲ - ف ۵۲۴۵۔

۳ - حدیث نبوی۔

محبت کی نگاہ پر عیب کے معاملے میں اندھی ہوتی ہے جس طرح کہ نفرت کی نظر عیب ہی عیب دکھاتی ہے۔

مبالغے کی آفتوں میں سے صرف ایک وہی کافی ہے جس کی طرف ہمارے [ص: ۶۸] امام شافعیؒ نے اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے جب بھی کسی کو اس کے مرتبے سے زیادہ اونچا اٹھایا اُس کے نزدیک سیرا مرتبہ اتنا ہی گر گیا جتنا کہ میں نے اس کو اونچا اٹھایا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی۔“ اسی طرح ”تین لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم انہیں سر پر چڑھاؤ گے تو وہ تمہاری توہین کریں گے: عورت، گنوار اور غلام“ یہ بھی شافعی ہی کا قول ہے اور اسی سے ان کے پہلے قول کی تخصیص ہوتی ہے کہ اس کو پست اور کمینے لوگوں کے حق میں سمجھا جائے نہ کہ شرفاء کے بارے میں۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ”دوست کی محبت کو حد کے اندر رکھو، ہوسکتا ہے کسی روز تمہیں اس سے نفرت ہو جائے، اور اگر کسی سے نفرت ہو تو حد سے نہ گزرو، ہو سکتا ہے کہ کسی روز وہ تمہارا دوست بن جائے۔

نیز بغض کے باعث کوئی ایسا راستہ اختیار نہ کرنا چاہیے جو انصاف کے منافی ہو۔ بیشتر حالات میں اس کی بابت بھی کوئی بھروسا نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ جو ایسا راستہ اختیار کرے اس کی بات ماننے میں توقف کیا جاتا ہے۔

التقیی بن دقیق العید پر خدا کی رحمت ہو، جب ان کے سامنے وہ محضر لایا گیا جو التقیی بن بینت الاعزؒ کے خلاف لکھوایا گیا تھا اور ان سے بھی اس پر کچھ لکھنے کو کہا گیا تو انہوں نے سخت مست بھی کہا اور ان الفاظ کے ساتھ محضر لوٹا دیا کہ ”میرے لیے مناسب نہیں کہ میں اس پر کچھ لکھوں“۔ اس سے ان کی قدر و منزات اور بڑھ گئی اور یہ امر ان کی دیانت میں اضافہ کا موجب قرار پایا۔ یہ چنداں محل تعجب بھی نہیں اس لیے کہ وہ تو یہ کہا کرتے تھے کہ ”میں نے جو لفظ بھی بولا اور جو کام بھی کیا اس کی بابت خدا کے روبرو پیش

کرنے کے لیے جواب تیار کر لیا۔“

ہمارے شیخ (ابن حجر) نے جب قایاتی کے مرنے کے بعد ان کے سوانح لکھے تو یوں فرمایا : انہوں نے (قاضی کے فرائض انجام دینے میں) پاکیزگی اور عفت سے کام لیا اور معدودے چند کے علاوہ اپنے نائبوں کو مجاز نہیں بنایا۔ وہ اپنے فیصلے اور سارے کام پورے غور و فکر سے کرتے تھے۔“ یہ سب اس بات کے ہوتے ہوئے کہ وہ اس سے پہلے قایاتی کے خلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے یہاں تک کہ اس موقع پر انہوں نے قایاتی کی استادی کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا تھا۔ دعا ہے کہ خدا محبت و نفرت ہر دو حال میں ہمیں کامہ حق کی توفیق عطا فرمائے۔

نیز چونکہ ان کو ڈر تھا کہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس میں سے بیشتر امور کی پابندی نہ ہو سکے گی اس لیے ابن عبدالنبر نے یہ اصول وضع کیا کہ اہل علم کی بابت جرح اس وقت تک نہیں مانی جائے گی جب تک واضح الفاظ میں نہ ہو۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے۔

جہاں تک احتیاط کا تعلق ہے ہمارے امام شافعیؒ کا طرز عمل دیکھیے : فرماتے ہیں ”حدیث بیان کی ہم سے اسماعیل نے جو ابن عُلَیَّة پکارے جاتے ہیں۔“ یہ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اسماعیل اس (ماں کی طرف) نسبت کو پسند نہیں کرتے حالانکہ اس کی اجازت ہے ایسی حالت میں جب کہ اسی نسبت سے جانا پہچانا جائے۔ ہاں ! ان لوگوں کی طرح نہیں کرنا چاہیے جو دوسروں کے لیے القاب وغیرہ گھڑ لیتے ہیں مثلاً کسی کو کہنا ”ابن الطُّرَّاق“ (رات کو آنے والوں کا بیٹا) یا ”ابن غَفِیر السَّمَاء“ (آسمانی جم غفیر کا بیٹا) ایسے لوگ رسول اللہ (صلعم) کے اس قول کو دھیان میں نہیں رکھتے کہ ”انَّ الرَّجُلَ لیتکلم بِالکَلِمَةِ مَا یُأِیْقِی لَهَا بِالَا یَسْمِیْ بِهَا“ (نار جہنم سبعین خریفاً) (ایک شخص ایک کلمہ بولتا ہے اور اسے بتا بھی نہیں چلتا کہ کیا بولا لیکن وہ اس کی بدولت ستر سال جہنم کی آگ [ص : ۶۹] میں پڑا رہے گا)۔ جب اشارہ سمجھ میں آجائے

اور تھوڑی سی صراحت سے جرح کا کام بن جائے تو مزید کچھ کہنا جائز نہیں اس لیے کہ جن چیزوں کی اجازت بحالت مجبوری ہو ان میں مقصد پورا ہونے کے بعد اور آگے نہیں بڑھا جاتا۔

سُزنی سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے، کہتے ہیں: ”ایک روز شافعی نے مجھے یہ کہتے سنا کہ فلاں کذاب ہے تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے ابو ابراہیم! اپنے کلام کے لیے اچھے سے اچھا پیرایہ اختیار کرو، کذاب مت کہو بلکہ یوں کہو کہ ان کی حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔“

اسی طرح بخاری بھی چونکہ حد درجہ پرہیزگار تھے بہت کم کسی کو کذاب یا وضّاع کہتے تھے۔ بیشتر یہی کہتے تھے کہ ”اس کی بابت لوگ خاموش ہیں۔ یہ محل نظر ہے۔ اس کو لوگوں نے متروک قرار دیا ہے۔“ یا اسی قسم کی کوئی اور بات۔ بلکہ اکثر تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ”اس کو فلاں نے جھوٹا قرار دیا ہے یا فلاں نے اس پر جھوٹ کا الزام لگایا ہے۔“

مُسلم اپنی ”صحیح“ کے مقدمے میں روایت کرتے ہیں کہ ایوب السخّستانی نے ایک شخص کو ثقہ نہ مانا تو کہا کہ ”وہ بات بڑھا کر لکھتا ہے۔“ اس طرح انہوں نے جھوٹ سے کنایہ کیا۔

اور اگر معلومات ایسی ہوں کہ دونوں رخ کا احتمال برابر ہو تو چاہیے کہ کسی ایک رخ کے یقین کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ توقف کیا جائے اور پوری احتیاط کے ساتھ دیکھ لیا جائے کہ کن صورتوں میں تاویل صحیح کے ذریعے کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک قاضی نے کسی کی شہادت قبول کرنے میں توقف کیا، وہ شخص خفیہ طور سے قاضی کے پاس آیا اور توقف کا سبب دریافت کیا۔ قاضی نے وجہ یہ بیان کی کہ انہوں نے اس شخص کو طَبَّالَة کے پاس

۱ - ایوب بن ابی تمیمہ، ف ۵۱۳۱ -

دیکھا تھا جو بُرائیوں کا اڈا ہے۔ اس شخص نے کہا: مولانا! میں تو ایک مجبوری سے گیا تھا جس میں کوئی عیب کی بات نہیں لیکن آپ بتائیں کہ آپ وہاں کیسے پہنچے تھے؟ چنانچہ قاضی نے فوراً اس کی شہادت قبول کر کے درج کر لی۔

یہ بھی ضروری ہے کہ (مورخ) نقل کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو تاکہ جو بات پایہ تحقیق کو پہنچے اس پر یقین کرے۔ اگر روایت کی کوئی قابل اعتماد سند نہ ہو تو اس کا نقل کرنا جائز نہیں اس لیے کہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا ہے: "کفّی بالعمّٰر کذباً آن یُحدّث بکلّ ماسمیع" (جھوٹ کے لیے اتنا کافی ہے کہ ایک شخص جو کچھ بھی سنے وہ دوسروں سے کہتا پھرے) اس سے یہ نہ ہو پائے گا کہ اسے پتا بھی نہ چلے اور نظر تک نہ آئے اور اٹکل پچو باتیں کرنے یا بہتان لگانے، جھوٹ گھڑنے اور زیادتی کرنے کا مرتکب ہو بیٹھے۔ ایسے شخص کی تاریخ سے سارے ہی عقل، علم، شرافت اور حکمت والے لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں اور صرف وہی لوگ اس کی طرف توجہ کرے ہیں جو اسی جیسے یا اس سے بھی بڑھ کر فحش گو ہوں۔ بسا اوقات تو اس کی بے سوچی سمجھی باتیں خود اس کو اس حد تک گرا دیتی ہیں کہ اسے متروک اور غلاظت آلودہ مسجھ لیا جاتا ہے۔

نقل کرنے کے لیے یہ بھی کافی نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بات عام طور سے مشہور ہو، خاص کر جب اس سے یہ برائی پیدا ہو کہ کوئی اہل علم اور نیک انسان مطعون ہو، بلکہ اگر کسی واقعہ سے ایک ایسے شخص پر آنچ آتی ہو جس کا حال اچھی طرح معلوم نہ ہو تو چاہیے کہ اس واقعہ کو بے دھڑک نہ پھیلا یا جائے صرف اشارے پر اکتفا کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ [ص: ۷۰] اس شخص سے کوئی امر محض اتنا سرزد ہوا، اب اگر وہ اس کے خلاف درج ہو جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کلنک کا ٹیکہ بن جائے گا۔ شارع نے یہ جو فرمایا ہے "أقیسوا ذوی الھیئات عشراتہم" (باعزت لوگوں کی لغزشیں معاف کر دیا کرو) اس کا اشارہ اسی طرف ہے۔

ان واقعات سے بھی تعرض نہ کرنا چاہیے جو بدنامی کا باعث ہوں اور عنفوان شباب میں اس شخص سے صادر ہوئے ہوں جسے بعد میں اللہ تعالیٰ نے پیشوائی سے سرفراز فرمایا ہو۔ کون ہے جو ان باتوں سے بے خبری ہے! ”رب عز و جل“ کو اس نوجوان پر حیرت ہوتی ہے جو مستی عشق سے خالی ہو“ اور نوجوانی تو جنون کی ایک قسم ہے“۔^۲ اعتبار تو موجودہ حالت ہی کا کیا جائے گا۔ سعید بن المسیب نے کیا خوب کہا ہے: ”کوئی شریف، عالم، فاضل یعنی انبیا (علیہم السلام) کے سوا۔ ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، البتہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے عیوب کا ذکر نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ جس کی اچھائی بُرائی پر غالب ہو اس کی بُرائی بھی نیکی کے صدقے میں بخش دی جاتی ہے۔

اسی لیے یہ ضروری ہے کہ مورخ سب لوگوں کی قدر جانتا ہو اور ان کے حالات اور مراتب سے واقف ہو تاکہ کسی کم مرتبہ شخص کو اونچا نہ اٹھائے اور بلند مرتبے والے کو نیچے نہ گرائے اور اس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس قول پر عمل پیرا ہو کہ ”انزلوا الناس منازلهم“ (لوگوں کو ان کے صحیح مرتبہ میں رکھا کرو) یعنی بُرائی بھلانی کے لحاظ سے۔ مورخ کو، جب تک وہ بالکل مجبور نہ ہو جائے، ان امور کا تذکرہ بھی نہ کرنا چاہیے جو آبرو اور اقتدار والوں کو اربابِ حکم کے ہاتھوں پیش آتے رہتے ہیں مثلاً پیٹا جانا، قید ہونا اور بے عزت ہونا۔ اور اگر ان کے لیے ممکن ہو تو ضرور اس امر کی طرف اشارہ کر دے کہ ان میں سے اربابِ حکومت کی کونسی باتیں قابلِ ملامت ہیں تاکہ اگر کوئی اور اس جیسے فعل کا ارادہ کرے تو اس کی رہنمائی نہ ہو اور وہ اسے حجت نہ پکڑے جیسا کہ ملعون حجاج کے ساتھ عسریٰ نیین

۱۔ حدیث: ”تعجب ربک من شاب لیست له صہوة“۔

۲۔ حدیث: ”الشباب شعبة من الجنون“۔

الاعلان بالتوبيخ

کے قصے میں ہوا، چنانچہ مسلام بن مسکین^۱۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے باب الطیب^۲ میں ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے خبر ملی ہے کہ حجّاج - یعنی ابن یوسف الشّقفی - نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا ”بتاؤ سخت ترین سزا کونسی تھی جو کبھی بھی نبی (صلعم) نے دی ہو“ انہوں نے بتایا - لیکن جب حسّٰن - یعنی البصری - کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا ”کاش انس اس کو کچھ نہ بتاتے“۔

الغرض عدالت، قوت حفظ، مقبول اور مردود جو باتیں سننے میں آئیں ان میں تمیز کرنا، بلند مرتبے والے اور پست مرتبے والے کو پہچاننا، دنیاوی عداوت کا نہ ہونا اور ایسی جنبہ داری کا بھی نہ ہونا جو تعصب کو پہنچ جائے، یعنی وہی جسے بعض لوگوں نے یوں کہا ہے کہ ذاتی اغراض و خواہشات سے بچنا۔ اس سب کے ساتھ ایک اور شرط فہم بھی ہے کہ علوم اور بالخصوص فروع اور اصول کے مراتب سے ناواقف نہ ہو اور الفاظ اور ان کے محل استعمال کو اچھی طرح جانتا ہو مبادا کسی کے سوانح لکھتے وقت اس کے قلم سے ناشایان شان کوئی لفظ درج ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو لوگ پیچھے پڑ جائیں گے، برا بھلا کہیں گے اور ایسی سزا دیں گے جو باعث رسوائی [ص: ۱۷] ہوگی۔ مغلطی^۳ کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوا حالانکہ وہ بہت بڑے آدمی تھے اور ان کے بعد ابن دُشّاق^۴ کے ساتھ بھی جو بڑی عزت والے تھے، عقیدے کے بھی اچھے تھے اور زبان اور قلم دونوں پائیزہ رکھتے تھے۔ اسی طرح ابن ابی حجلّہ^۵ کے ساتھ بھی ہوا حالانکہ ان کے پاس خاص طور پر عذر موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی لوگ دشمنوں کے تعصب کا شکار ہوئے اور ان کے بچھانے ہوئے حسد کے جال میں

- ۱ - ف ۵۱۶۳ یا ۵۱۶۷
- ۲ - ۵۹۱-۹۳ کے آس پاس -
- ۳ - مغلطی بن قبیج، ف ۵۷۲ -
- ۴ - ابراہیم بن عبد، ف ۵۸۰ -
- ۵ - شاید احمد بن یحییٰ، ف ۵۷۷ -

پہنس گئے۔

حافظ زاہد نور ہیشمی^۱ کا یہ تھا کہ وہ ہاتھ دھو کر ولی الدین ابن خلدون قاضی المالکیہ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں حسین بن علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”وہ اپنے نانا (محمد صلعم) کی تلوار سے قتل کیے گئے“۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) فرماتے ہیں: ”جب ہمارے شیخ (یعنی ہیشمی) یہ الفاظ ادا کرتے تو اس کے ساتھ ہی ابن خلدون پر لعن طعن کی بوچھاڑ کرتے اور روتے جاتے“۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے یہ بھی فرمایا کہ ”یہ الفاظ اس تاریخ میں جو آج موجود ہے نہیں پائے جاتے۔“^۲ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے میں رہے ہونگے جسے ابن خلدون نے بعد میں کالعدم قرار دیدیا تھا“۔ میں عنقریب خلفاء کے تذکرے میں ابن خلدون کی وہ عبارت نقل کروں گا^۳ جو قریب قریب شہادت ہے اس بات کی کہ یہ قول ان سے صادر ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں بچائے رکھے (اس سے کہ ہم سے کوئی ایسا قول صادر ہو)۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مورخ تقویٰ اور پرہیز گاری کا ساتھ نہ چھوڑے، تو ہم اور اذلتے بدلتے قرینوں پر مدار نہ رکھے اور ڈرتا رہے کہ نبی (صلعم) کے اس قول کا مصداق نہ بنے: ”إِيتَاكُمْ وَالتَّظَنُّ فَاِنَّ التَّظَنُّ الْكُذْبُ الْحَدِيثُ“ (گمان سے بچو اس لیے کہ گمان سب سے

۱ - علی بن ابی بکر، ف ۵۸۰۔

۲ - حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ ابن خلدون (فصل ولایة العہد) میں یہ الفاظ موجود ہیں: ”قُتِلَ بِشَرِّ جَدِّهِ“ (وہ اپنے نانا کی شریعت کے بموجب قتل کیے گئے) لیکن یہ خود ابن خلدون کا قول نہیں بلکہ قاضی ابو بکر بن العربی المالکی کا قول ہے جسے نقل کرتے ہوئے ابن خلدون نے اس کا رد کیا ہے۔

۳ - لحظ ص ۹۴ لحق۔

زیادہ بے بنیاد بات ہے)۔ اگر مورخ علم کے لیے مشہور ہو اور پریزگار نہ ہو تو بڑی ہی مصیبت کا باعث بنتا ہے، بخلاف اس صورت کے جب معاملہ برعکس ہو تو تقویٰ اور پریزگاری اُس کو [ص: ۷۲] روکے رہتی ہے، چہاں بین اور اجتہاد پر اکتفا ہے اور وہ بے پتر کی اڑانے سے باز رہتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنی تصانیف میں کئی جگہ تفصیل سے لکھی ہے۔

التاج السُّبُحٰی نے اپنی 'مُعَیِّدِ النَّعْمِ' میں ان میں سے چند شرائط کا ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ، جن کی عمومیت کا مواخذہ انہیں سے ہو، یہ ہیں: "وہ (یعنی مورخین) ایک کھٹائی کے کچے کنارے پر کھڑے ہوتے ہیں، [ص: ۷۳] اس لیے کہ وہ لوگوں کی عزت آبرو اور مسلط ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سچی جھوٹی جو بات سنی نقل کر ڈالی۔ اس لیے ضروری ہے کہ مورخ عالم ہو، انصاف پسند ہو، جس کے سوانح لکھ رہا ہے اس کے حالات کو اچھی طرح جانتا ہو اور اس کے اور خود مورخ کے مابین ایسی دوستی نہ ہو جو مورخ کے لیے تعصب کا سبب بنے اور نہ ہی ایسی عداوت ہو جو مورخ کے لیے اس کی شان گھٹانے کا موجب ہو۔ اکثر کسی نئی بات کو کہنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ عقیدے میں اختلاف ہو اور مورخ ان (عقیدے والوں) کو گمراہ سمجھ کر ان کی برائی کرتے یا ان کی خوبی بیان کرنے میں کوتاہی کرے"۔ آگے چل کر وہ کہتے ہیں: "ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی خاص مذہب کی تائید کرتے ہوتے ہیں اور اس تعصب کی خاطر کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، ان کے اخلاق کا بدترین پہلو ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض مذہبی فریقوں کی عصبیت اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ عداوت میں ناگفتنی باتیں ہیں۔ ان کا بُرا ہو، اللہ سے یہ آگے گئے دور جا گئے ہیں۔ اگر

۱۔ اشارہ بآیت قرآنی ۹/۹۱۔ احفظ ص ۲۴ سبق -

شافعی اور ابو حنیفہؒ زندہ ہوتے تو وہ اس گروہ کی بری طرح خبر لیتے " الخ -

نیز اپنی کتاب ' الطَّبَقَاتُ الْكُبْرَى ' میں احمد بن صالح المصریٰ کے سوانح کے تحت (السُّبُكِيُّ) فرماتے ہیں: " بسا اوقات اہل تاریخ کچھ لوگوں کا مرتبہ گھٹاتے اور کچھ کا بڑھا دیتے ہیں - اس کا سبب یا تو تعصب ہوتا ہے یا جہل یا ناقابل اعتماد لوگوں کی بات نقل کر ڈالنا - اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں - " مزید کہتے ہیں: " مورخین میں جہل زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت جرح و تعدیل والوں کے - تعصب کا بھی یہی حال ہے - شاذ و نادر ہی میں نے کوئی تاریخ اس سے خالی دیکھی ہے - رہی ہمارے شیخ ذہبی کی تاریخ (اللہ ان کی مغفرت کرے اور ان سے باز پرس نہ کرے) تو وہ بہت اچھی اور جامع ہے لیکن انتہائی تعصب سے بھری ہوئی ہے - انہوں نے اہل دین یعنی فقیروں (صوفیوں) کو، جو بہترین مخلوق ہیں، بہت بڑا بھلا کہا ہے اور شافعی اور حنفی اماموں میں سے بہتوں کے خلاف زبان درازی کی ہے " - اسی طرح وہ کہتے ہیں " اشعریوں پر انہوں نے بڑی زیادتی کی ہے اور مُجَسِّمہ کی خوب بڑھ بڑھ کر مدح کی ہے " حافظ، پیشوا اور معزز امام ہوتے ہوئے بھی اُن کا یہ حال ہے - رہے عام مورخین تو ان کی بابت کچھ کہنا ہی بیکار ہے - لہذا ہماری رائے یہی ہے کہ ان کی تعریف اور مذمت پر دھیان نہ دیا جائے نا وقتیکہ وہ شرائط پوری نہ ہوں جو انہوں نے یعنی ان کے اپنے والدؑ نے لازم قرار دی ہیں - چنانچہ وہ کہتے ہیں: مورخ کے لیے شرط ہے کہ وہ بیجا ہو - جب کوئی بات نقل کرے تو معنی نہیں بلکہ الفاظ پر مدار رکھے - ایسا نہ ہو کہ جو بات وہ نقل کر رہا ہے پہلے اس کو بات چیت کے دوران زبانی سن رکھا ہو اور پھر بعد کو سپرد قلم کیا ہو -

۱ - ف ۲۳۸ - ۵

۲ - یہاں سے ص ۷۵ س ۱۱ تک طبقات الشافعیہ الکبریٰ سے ماخوذ ہے -

۳ - علی بن عبدالسکافی، ف ۷۵۶ یا ۷۵۵ - ۵

نیز یہ کہ جس سے نقل کرے اس کے نام کی تصریح کرے۔ دوسروں سے نقل کرنے کی یہ چار شرطیں ہیں۔ رہا وہ جو مورخ اپنی طرف سے کہتا ہے اور جس کے باعث نقل ہوتے ہوتے بعض سوانح بسا اوقات دوسروں کی بہ نسبت لمبے ہو جاتے ہیں تو اس میں شرط یہ ہے کہ جس کے سوانح لکھے اس کے حالات سے بلاحفاظ علم کے، دین کے، اور تمام دوسری صفات کے، اچھی طرح واقف ہو، اور یہ [ص: ۷۷] شاذ و نادر ہی میسر ہوتا ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ مورخ عبارت اچھی لکھتا ہو، الفاظ کے مفہوم سے بخوبی واقف ہو، اور اس کا تخیل ایسا اچھا ہو کہ جب کسی کے سوانح لکھے تو اس کے تمام حالات پر نظر رکھے اور اس انداز سے بیان کرے کہ کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ اپنے ذاتی میلانات سے مجبور ہو کر ایسا نہ کرے کہ جس سے محبت ہو اس کی مدح کو طویل دے اور دوسروں کے حق میں کوتاہی کرے۔ اس میں اتنی انصاف پسندی ہونی چاہیے کہ اپنے ذاتی میلانات پر قابو رکھے اور عدل کے راستے پر چلے ورنہ ذاتی میلانات سے چھٹکارا پانا ہے بہت مشکل۔۔۔ پس یہ مزید چار شرطیں ہیں۔ ہم چہو تو انہیں پانچ کر لو اس لیے کہ تخیل کی خوبی اور علم کے ہونے ہونے بھی ہو سکتا ہے کہ تصنیف کے وقت خیال حاضر نہ ہو۔ اس طرح خیال کی حضوری ایک زائد چیز ہوگی، حسن تخیل اور علم کے علاوہ۔ چنانچہ مورخ کے لیے نو شرطیں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سب سے مشکل یہ معلوم کرنا ہے کہ کسی شخص کا علم کے لحاظ سے کیا حال ہے۔ اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ علم میں شریک ہو اور قرب حاصل کرے تا کہ مرتبہ پہچان سکے۔ "ختم بڑا جو انہوں نے اپنے باب سے نقل کیا۔"

مزید وہ کہتے ہیں: یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ "بعض سوانح بسا اوقات دوسروں کی بہ نسبت لمبے ہو جاتے ہیں" یہ بہت خوب ہے۔ یہ بات انہوں نے بڑے فائدے کی بنا پر ہے۔ ہم نے اس کی طرف دھیان نہیں دینے، جن دو خطا دہائیوں کے وہی اس سے بچتے ہیں۔ میری مراد ہے سوانح دو مختصر اور طویل بنانے سے۔ بہت سے احتیاط پسند

لوگ صرف وہی کچھ درج کرتے ہیں جو دوسروں سے منقول پاتے ہیں۔ لکن ہوتا یہ ہے کہ اگر انہیں کسی سے لاگ ہے تو اس کی جتنی برائیاں کہیں مل جائیں سب نقل کر دیتے ہیں اور بہت سی باتیں جو اس کی اچھائی کی ملیں وہ حذف کر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی سے لگاؤ ہو تو اس کے برعکس کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی سادگی میں سمجھتے یہ ہیں کہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا اس لیے کہ کسی کے سوانح کو طول دینا کوئی فرض تو نہیں، نہ ہی یہ فرض ہے کہ اس کی جتنی اچھائیاں بیان کی گئی ہوں سب کا احاطہ کیا جائے۔ دراصل ان کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس نیت سے سوانح کو مختصر کرنا عیب نکالنے کے مرادف ہے، اور خیانت ہے اللہ، اس کے رسولؐ، اور مومنین کے اس حق میں کہ کسی کی بابت اچھا برا جو کچھ کہا گیا ہے سب کا سب درج کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ وہ کوئی حکمت وغیرہ کی بات منے اور جو کچھ سنا ہے اس میں سے صرف بُرائی کے جزو کو دوسروں تک پہنچائے۔ شارع (رسول اللہ) نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ کوئی شخص ایک چرواہے کے پاس جا کر کہے کہ مجھ کو اپنے گلے میں سے ذبح کرنے کے لیے ایک بھیڑ دے دو اور وہ کہے: اچھا جو تمہیں پسند آئے لے لو۔ اس پر وہ جائے اور گلے کا کتا لے لے۔“ ھ ق

اس کے بعد التاج (السبکی) فرماتے ہیں: ”جو مذکورہ بالا عمل کا مرتکب ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہو اور وہ کہے ”چھوڑو بھی“ ہمیں اس سے کیا!“ یا ”وہ تو عجیب آدمی ہے“ یا ”اللہ اس کو نیک راستہ دکھائے“۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح اس نے اس شخص کی کوئی غیبت نہیں کی حالانکہ یہ تو بدترین غیبت ہے۔“

[ص: ۷۵] نیز وہ فرماتے ہیں: ”کیا اچھی بات کہی ہے کہ ”اپنے ذاتی میلانات سے مجبور نہ ہو“۔ فی الحقیقت ذاتی میلانات کا غلبہ بڑا زور دار ہوتا ہے، اس سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے۔“

البتہ کبھی کبھی ذاتی میلان سے پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے ذاتی میلان ہی نہیں سمجھتا بلکہ اپنی جہالت اور بدعت کے باعث اس کو حق سمجھتا ہے ، چنانچہ وہ اس بات کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ ذاتی میلانات پر قابو پائے اس لیے کہ اس کے ذہن میں تو یہ بیٹھا ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہے ۔ بہت سے لوگ جو عقائد میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں ان کا کردار ایسا ہی ہوتا ہے ۔ لہذا کسی ایسے شخص کی بات قطعاً نہیں ماننا چاہیے جو مخالف عقیدے کا ہو ، (جز اس صورت کے کہ وہ ثقہ ہو اور جو روایت کرے اس کے یاد رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہو اور خود اس کے اپنے معاینے یا تحقیق پر مبنی ہو ۔ ہم نے یہ جو کہا کہ ” اس کے یاد رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہو “ ان سے ان چھوٹی چھوٹی فضول باتوں کی روایت خارج ہو گئی جن کے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور جن کی بابت غور و فکر کرنے اور تحقیق کرنے سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا ۔ اور یہ جو کہا کہ ” خود اس کے اپنے معاینے یا تحقیق پر مبنی ہو “ اس سے غرض یہ ہے کہ وہ روایتیں خارج ہو جائیں جن کا ماخذ ایسے لوگ ہوں جو اپنے عقیدے کی ترویج کی خاطر بات بڑھانے بیٹھتے رہتے ہیں ۔ انہوں نے جو علم کی اور الفاظ کے مفہوم سے پوری پوری واقفیت کی شرط لگائی ہے وہ بھی بہت خوب ہے ۔ اس لیے کہ بہت سے لوگوں نے اپنے جہل کے باعث بے محل جرح کی ہے ۔ چنانچہ قدامت کی کتابوں میں احمد بن صالح المصری اور ابو حاتم الرازی وغیرہم پر فلسفے کے سبب جرح کی گئی ہے اس خیال میں کہ عدم دلائم بھی فلسفہ ہے ۔ اسے جرح کرنے والوں کے جواب میں بھی کہا گیا کہ وہ ان دونوں عقائد سے ناواقف تھے ۔ اسی سے ملتا جلتا قول ذہبی کا ہے ” میری رائے میں کہ ” وہ معقول کے دقائق جانتے تھے “ حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی عقلیات کی بابت لچو نہ جانتا تھا ۔

اس کے بعد وہ (السبکی) فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ ذہبی بھروسے کے قابل نہیں جہاں تک کہ اشعری کی مذمت اور حنبلی کی مدح کا تعلق ہے^۱۔ بلکہ وہ تو العلانی^۲ سے اقتباس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ العلانی نے ان کی تعریف میں کہا ”دیانت، تقویٰ اور دوسروں کی بابت رائے زنی میں ان کی احتیاط مسلم ہے“ اور اس کے بعد ہی یہ بھی کہا کہ ”ان پر مذہب اثبات^۳ کا غلبہ ہے، تاویل سے ان کو نفرت ہے اور تنزیہ کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ وہ اہل تنزیہ سے سخت برکشتہ ہیں اور اہل اثبات کی طرف بہت زیادہ جھکے رہتے ہیں۔ جب اہل اثبات میں سے کسی کے سوانح لکھتے ہیں تو حکایت دراز کرتے ہیں اور اس کی خوبیوں کی بابت جو کچھ کسی نے کہا ہو سب بیان کر کے اس کی تعریف میں مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کی تاویل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب دوسرے فریق (اہل تنزیہ) میں سے کسی کا ذکر کرتے ہیں، جیسے امام الحارثین^۴ اور غزالی وغیرہا، تو زیادہ تعریف نہیں کرتے اور بیشتر وہ اقوال نقل کرتے ہیں جن سے اس کی برائی نکلتی ہے، پھر ان باتوں کو بار بار دہراتے ہیں۔ اسی کو وہ دین سمجھتے ہیں اور سارا شعور کھو بیٹھتے ہیں۔ ان لوگوں کی نمایاں خوبیوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں اور سب کو نہیں سمیٹتے۔ البتہ جہاں کسی کی کوئی غلطی ہاتھ آئی فوراً ٹانک دیتے ہیں۔ ہمارے معاصرین کے ساتھ بھی ان کا یہی عمل ہے: جب وہ کھل کر کسی کے [ص: ۷۶] ستر کوئی عیب نہیں سنڈھ سکتے تو وہ اس کے سوانح میں ”اللہ جانے“^۵ یا

- ۱ - لحظ ص ۵۶ سبق -
- ۲ - خلیل بن کیکلدی، ف ۵۷۶۱ -
- ۳ - یعنی خدا کی صفات جیسی بیان کی گئی ہیں ویسی کی ویسی ہیں -
- ۴ - عبدالملک بن عبداللہ، ف ۵۴۷۸ -
- ۵ - السبکی کی اصل کتاب میں ”اللہ اسے نیکی دے“ -

الاعلان بالتوبیخ

اس قسم کے کوئی اور لفظ کہہ جاتے ہیں۔ اس کا محرک بھی وہی عقیدے کا اختلاف ہوتا ہے۔ “اس پر التاج یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ ”ذہبی کے بارے میں حقیقت حال اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو انہوں نے۔ یعنی العتلائی نے۔ بیان کی ہے۔ ذہبی ہمارے شیخ اور استاد ہیں لیکن حق بات ان سے بھی زیادہ حمایت کی حق دار ہے۔ ان کا تعصب تو اس قدر حد سے گزرا ہوا ہے کہ مضحکہ خیز بن گیا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ قیامت کے دن بیشتر علما مسلمین ان کے دامن گیر ہوں گے۔“ آگے چل کر وہ کہتے ہیں: ”مشایخ کا جو مسلک ہم نے دیکھا ہے وہ تو یہی ہے کہ ذہبی کے اقوال پڑھنے سے منع کرتے تھے اور ان کی باتوں پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔“ وہ تو ذہبی کی تاریخی کتابیں کسی ایسے شخص کو دکھانے کی جرأت نہ کرتے تھے جس کی بابت یہ گمان غالب نہ ہو کہ وہ ان میں سے وہ باتیں نقل نہیں کرے گا جن سے ذہبی پر حرف آئے۔ اس کے بعد وہ العتلائی سے حجت کرتے ہیں کہ کیوں انہوں نے ذہبی کو تقویٰ اور پرہیز گاری کا حامل بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں خود بھی ایسا ہی خیال کرتا تھا اور باور کرتا تھا کہ ذہبی اپنی ان باتوں کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ لیکن بعد میں مجھے توقف کرنا پڑا جبکہ میں نے دیکھا کہ وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کی بابت یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان کا جھوٹ ہونا اچھی طرح جانتے تھے۔ گو وہ اپنے دل سے گھڑتے نہیں ہیں لیکن اتنا تو ہے کہ انہیں ان باتوں کے نقل کرنے میں مزہ آتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ الفاظ کے اصطلاحی مفہوم سے بہت کم واقف ہیں اور شریعت کے علوم سے ان کا بہت کم تعلق رہا ہے۔“..... الخ

السبکی نے جو کچھ کہا ہے اس میں بہت سیالغہ ہے۔ وہ جو بیشتر سوانح میں ذہبی ہی پر تکیہ کرتے ہیں اور، جیسا کہ میں مذمت کرتے ہوئے اوپر لکھ آیا ہوں، حنبلیوں کے خلاف ان کا اپنا تعصب

کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ گو میں ذہبی کو بعض باتوں سے جو کہ السبکی نے ان کی طرف منسوب کی ہیں، بتری نہیں قرار دیتا، تاہم وہ جو تعصب اور الزام غیبت کی بات کرتے ہیں تو اس میں وہ ذہبی کے برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے ابن الجوزی کی بابت بھی یہ کہا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں جو ضُعتفاء (ضعیف راویوں) پر ہے، یہ تو لکھتے ہیں کہ راوی کو کس نے ناقابل اعتبار گردانا ہے لیکن یہ نہیں لکھتے کہ اس نے ثیقہ بتایا ہے۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے اپنی کتاب ”تہذیب“ میں ابان بن یزید العطار^۱ کے سوانح میں یہ بات درج کی ہے۔ حسن ظن سے کم لیتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ انہیں علم ہی نہیں ہوا کہ کسی نے راوی کو ثقہ بتایا بھی ہے۔ کمال تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہم تو ذہبی کی بزرگی کی وہ دلیل بہت کافی سمجھتے ہیں جو اوپر گزری^۲ یعنی یہ کہ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے آب زمزم پی کر ان کے مرتبے کو پہنچنے کی دعا مانگی۔ پھر یہ کہ ان کے عہد سے آج تک اس فن میں ان کی تصانیف کے علاوہ اور کہاں سے تمام لوگ مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں؟ خوش نصیب تو اسی کو کہتے ہیں جس کی غلطیاں معدودے چند ہوں^۳۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو جنہیں نیکی کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ ذہبی پر لے دے کرتے ہیں بسا اوقات وہ یہ سب کچھ اپنی قدر و منزلت کے تحفظ کے لیے کرتے ہیں، یا تو ذہبی نے ان کے سوانح اس طور پر لکھے ہوتے ہیں جسے وہ بخیال خویش اپنے مرتبے سے کم سمجھتے ہیں یا اسی سے ملتی جلتی کوئی اور بات ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ ذہبی نے ”طبقات القراء“ میں الشمس محمد بن احمد بن بصرخان المقری کے سوانح لکھے۔ جب انہوں نے ذہبی کا مقالہ دیکھا تو موٹے خط میں اس صفحے پر جہاں ذہبی کی تحریر تھی کچھ ایسی باتیں

۱ - ف ۵۱۶۰ -

۲ - لفظ ص ۷۷ سبق -

۳ - لفظ ص ۶۱ سبق -

لکھ دیں جو ذہبی کے لیے بڑی ہتک آمیز تھیں ، اور اس طرح لکھیں کہ ذہبی کی تحریر کا بیشتر حصہ پڑھا نہ جا سکتا تھا ۔ جب ذہبی نے اس کو دیکھا تو انہوں نے اپنے شیوخ کی معجم میں ان کے [ص : ۷۷] حالات درج کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی بیان کر دیا اور آخر میں لکھا کہ ” انہوں نے خود قسراء کی فہرست سے اپنا نام مٹا دیا “ ۵۱ ۔

میں نے ذہبی کی تصنیف ’عقیدہ‘ دیکھی ہے جو بہت خوب ہے ۔ ان کا وہ ” رسالہ “ بھی دیکھا ہے جو انہوں نے ابن تیمیہ کے نام لکھا تھا ۔ ذہبی پر جو حد سے زیادہ نعصب کا الزام ہے اس کے رفع کرنے میں یہ رسالہ بہت مفید ہے ۔ ایک جگہ اس میں وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میری آنکھیں کسی ایسے شخص کے دیکھنے سے قاصر ہیں جس کا علم ابن تیمیہ کے علم سے زیادہ وسیع اور ذہانت ابن تیمیہ کی ذہانت سے زیادہ قوی ہو ۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن تیمیہ کھانے ، پہننے اور حنسی میلان کے معاملے میں اچھے خاصے زاہد تھے اور حق و انصاف کی ہر ممکن مدد کے لیے کمر بستہ رہتے تھے ۔ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے سالہا سال ان کے حالات معلوم کرنے اور انہیں جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی تو نتیجہ یہی نکلا کہ مصریوں اور شامیوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی ۔ یہی سبب تھا کہ یہ لوگ ان سے عداوت رکھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے ، ان کو جنوٹا بلکہ دفر تک کہتے تھے ۔ بالکل بدنام تھا کہ وہ متکبر اور خود بین تھے ، بڑے بڑے دعوت دہنے والے ، اساتذہ میں سب سے مقدم رہنے کا انہیں حد سے زیادہ شوق تھا ، وہ بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور خود نمائی پر تلے رہتے تھے ۔ چنانچہ ایسے لوگ ان کے خلاف اٹھ دیڑھے ہوئے جو علم اور زہد و تقویٰ میں کسی طرح ان سے زیادہ نہ تھے ، اس کے برعکس اپنے ساتھیوں کے گناہوں اور دوستوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے کے عادی تھے ۔ اعلان اللہ نے جو ان کو ابن تیمیہ پر مسلط دیا اس کا سبب ان کا تقویٰ اور بلند مرتبہ

نہ تھا بلکہ ابن تیمیہ کے اپنے گناہ تھے۔ پھر بھی اللہ نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بہت بچایا اور ان کو جو پاداش ملی اس سے کہیں زیادہ کے وہ مستحق تھے۔ حنبلیوں کے بارے میں ذہبی کا کہنا ہے کہ ان کے پاس علوم ہیں جو بڑے کام کے ہیں اور فی الجملہ دین بھی ہے۔ دنیا سے وہ کم ہی واسطہ رکھتے ہیں۔ بعض علما ان کے عقیدے میں شک کرتے ہیں اور ان پر تجسیم کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حنبلیوں کے لیے تجسیم کا قائل ہونا ضروری ہے حالانکہ حنبلی اس قول سے بری ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔

”اصول الدین“ کے تحت وہ کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق کتاب اور سنت کے علم پر ہوتا ہے۔ دین اسلام کے یہی دو اصول ہیں، ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ البتہ مختلف فرقوں کے یہاں اس کے اطلاق کی بابت دستور مختلف ہے۔ چنانچہ سلف کے نزدیک اصول سے مراد ہے ایمان لانا اللہ پر، اس کی کتابوں پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، اس کی صفات پر، قضا و قدر پر، قرآن کے نازل شدہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہونے پر، تمام صحابہ سے عقیدت پر، اور باقی سب باتوں پر جو سنت کے اصول میں داخل ہیں۔ اس کے مقابلے میں خلف (بعد کے لوگوں) کے نزدیک اصول وہ ہیں جو ان کی تصنیفات میں مدوّن ہیں اور جن کی بنا انہوں نے عقل اور منطق پر رکھی ہے۔ یہ وہی باتیں ہیں کہ جو ان میں لگ جائے وہ سلف کی نظروں میں گیر جاتا تھا اور بدعتی قرار پاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلف کے یہاں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسے مسائل سے دور رہنا ہی ایک بندے کے اچھا مسلمان ہونے کی علامت ہے^۱۔ اس لیے کہ ان سے نفسانی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جسے یقین نہ آئے وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ اصولیوں کے درمیان آپس میں برابر تلوار چلتی رہتی ہے، یہ اس کو کافر کہتا ہے، وہ اس کو گمراہ بتاتا ہے، جو اصولی آیات و احادیث کے ظاہری معنی

۱۔ اشارہ بہ حدیث ”من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه“۔

سے آگے نہ بڑھے وہ اپنے مخالفین کے نزدیک [ص : ۷۸] مُجْتَسِم ، حَشَوِیٰ اور بدعتی بن جاتا ہے ، اور جو تاویل کے پیچھے پڑ جائے اُسے دوسرے لوگ جَسْمِیٰ اور مُعْتَزَلِیٰ اور گمراہ کہنے لگتے ہیں ، اور جو خدا کے لیے بعض صفات کا اثبات اور بعض کی نفی کرے اور چند مقامات میں تاویل روا رکھے اس کو کہتے ہیں کہ وہ متناقض باتیں کرتا ہے ۔ تمہارے لیے تو یہی بہتر ہے کہ تم سلامتی اور عافیت کی راہ چلو ۔ اگر تم اصول میں اور اس کے ملحقات یعنی منطق ، حکمت و فلسفہ ، قدماء کے خیالات اور عقل کے تصورات ، سب میں سہارت پیدا کر لو ، ساتھ ہی کتاب و سنت اور سلف کے اصول کا دامن بھی پکڑے رہو ، اور عقل اور نقل کا جوڑ ملا دو ، تو میں نہیں سمجھتا کہ تم اس میں ابن تیمیہ کے رتبے کو پہنچ سکو گے ، بخدا تم ان کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتے ، پھر بھی تم نے دیکھا کہ ابن تیمیہ کا کیا حال ہوا ، نا قدری کے ساتھ لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا ، اور جا و بے جا انہیں گمراہ ، کافر ، اور جھوٹا بتایا ۔ اس دھندے میں پڑنے سے پہلے ان کا چہرہ پُرنور اور روشن تھا اور اس میں سلف کی خصوصی شان نمایاں تھی ، اس کے بعد وہی چہرہ بے نور اور بے رونق بن گیا ، بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس پر سیاہی چھا گئی ، ان کے دشمنوں نے انہیں دجّال ، سازشی اور کافر بنا ڈالا ، البتہ سمجھدار ذی علم حلقوں میں وہ جدت پسند فاضل اور بائبہ کے محقق مانے گئے اور ان کے دوست تو ان کو بالعموم اسلام کا علمبردار ، دین کے ناموس کا محافظ ، اور سنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا سمجھتے تھے ۔

۹۔ تاریخ اور سنہ اسلامی کی ابتدا

اس امر میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے تاریخ ڈالنا شروع کیا ۔ ابن عساکر تاریخ دمشق میں آنس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا : تاریخ کی ابتدا مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کی اور یہ

۱۔ مجتسمہ ہی کا ایک فرقہ حَشَوِیہ کہلاتا ہے ۔

سے ہوئی۔ اصمعی کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہجرت کے ماہ ربیع الاول سے تاریخ کا آغاز ہوا۔ حاکم نے "الاکلیل" میں ابن جریرؑ کے واسطے سے، اور انہوں نے ابو سلمةؒ سے، اور انہوں نے ابن شہاب الزہری سے، روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ جب مدینے تشریف لائے تو آپ نے تاریخ کا حکم دیا چنانچہ ربیع الاول سے تاریخ ڈالی گئی۔ یہ روایت مُعضلؑ ہے۔ محفوظؒ روایت یہ ہے، اور ابن عساکر کا بھی یہی کہنا ہے، کہ اس کی بابت حکم عُمَر کے زمانے میں صادر ہوا، جمہور بھی اسی کو صحیح مانتے ہیں، بلکہ صحیح مشہور یہی ہے کہ یہ واقعہ عُمَر کی خلافت کا ہے، انہوں نے تاریخ کی ابتدا ہجرت نبوی سے اور سال ہجرت کے ماہ محرم سے کی۔ بخاری نے البتہ قَعْنَبِی سے، انہوں نے عبدالعزیز بن ابی خازمؑ سے، انہوں نے سلمة بن دنیارؑ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، اور انہوں نے سہل بن سعد الساعدیؒ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: لوگوں نے نہ تو نبیؐ کی بعثت سے تاریخ شمار کی نہ آپ کی وفات سے، [ص: ۷۹] بلکہ تاریخ کا شمار اس وقت سے کیا جب آپ مدینے میں وارد ہوئے۔ حاکم نے مُصَعَّب الزُبَیْریؑ کے واسطے

- ۱ - عبدالملک بن عبدالعزیز، ف ۱۳۹ھ۔
- ۲ - ابو سلمة بن عبدالرحمن، ف ۱۰۰ھ تقریباً۔
- ۳ - مُعضل = جس کی سند سے صحابی کے نیچے دو یا دو سے زائد راوی مسلسل چھوڑ دیے گئے ہوں۔
- ۴ - اگر حدیث صحیح اور حسن کا راوی اپنے سے زیادہ قوی راوی کے مخالف روایت کرے تو راجح کا نام محفوظ اور مرجوح کا نام شاذ ہے۔
- ۵ - عبداللہ بن مسلمة، ف ۲۲۱ھ۔
- ۶ - ف ۱۸۲ یا ۱۸۳ھ۔
- ۷ - ف ۱۳۰ھ تقریباً۔
- ۸ - ف ۸۸ھ۔
- ۹ - مصعب بن عبداللہ، ف ۲۳۵ یا ۲۳۳ھ۔

الاعلان بالتوبیخ

سے عبدالعزیزؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں نے شمار کرنے میں غلطی کی ، نہ تو بعثت سے شمار کیا اور نہ مدینے میں آپ کے ورود سے ، بلکہ آپ کی وفات سے تاریخ کا شمار کیا ۔ حاکم نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ قول غلطی پر مبنی ہے اور صحیح بات وہی ہے جو بخاری کے یہاں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ” نہ آپ کی وفات سے ، بلکہ تاریخ کا شمار اس وقت سے کیا جب آپ مدینے میں وارد ہوئے “ اور یہ جو کہا کہ ” لوگوں نے شمار کرنے میں غلطی کی “ اس سے مراد یہ ہے کہ غزت میں ان سے چوک ہو گئی اور بعد میں انہوں نے اس کا تدارک کیا ، یہ مراد نہیں کہ صحیح طریقہ وہ ہوتا جو ان کے عمل کے برخلاف ہے ۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہی ہو اور ان کی رائے میں بعثت یا وفات سے تاریخ کی ابتدا زیادہ مناسب ہو ۔ اس کی بھی توجیہ ممکن ہے لیکن دوسری صورت قابل ترجیح ہے ۔ یہ بالکل درس ہے تاریخ آغاز سال سے جاری ہوئی ۔

کسی نے اس امر کی تشریح بھی کی ہے کہ ہجرت سے ابتدا کرنا کیوں مناسب ہے ۔ ایسے بڑے بڑے واقعات جو رسول اللہ سے متعلق ہیں اور جو اس قابل ہیں کہ ان سے تاریخ کی ابتدا کی جائے ، چار ہیں : آپ کی پیدائش ، بعثت ، ہجرت اور وفات ۔ ہجرت سے ابتدا اس لیے قابل ترجیح قرار پائی کہ پیدائش اور بعثت دونوں میں سے ہر ایک کے سنہ کی تعیین اختلاف سے خالی نہیں ۔ رہا وفات کا وقت تو اسے اس وجہ سے نظر انداز کیا کہ اس کی یاد بڑی غم انگیز ہے ۔ اس طرح لے دے کہ ہجرت ہی باقی رہ گئی ۔ ربیع الاول سے محرم تک پیچھے لے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کے فیصلے کی ابتدا محرم ہی میں ہوئی ، اس لیے کہ بیعت ذی الحجہ کے دوران ہوئی اور یہی ہجرت کی تمہید تھی ، چنانچہ بیعت اور ہجرت کے فیصلے کے بعد پہلا چاند جو دکھائی دیا وہ محرم کا

۱ - ہو سکتا ہے کہ یہ وہی عبدالعزیز (بن ابی حازم) ہوں جن کا ذکر اوپر گزرا ، یا کوئی اور ہوں ۔

تھا، اس سے یہ عین مناسب تھا کہ اسے تاریخ کا نقطہ آغاز قرار دیا جائے۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) کا کہنا ہے کہ محرم سے ابتدا کی یہ سب سے زور دار توجیہ ہے جو میرے علم میں آئی۔

تاریخ کو عمل میں لانے کے اسباب بہت سے بتائے جاتے ہیں : ایک تو وہ ہے جو ابونعیم الفضل بن دکتین نے اپنی تاریخ میں اور ان کے واسطے سے الحاکم نے۔ الشَّعْثَبِيُّ کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمر رضی کو لکھا کہ آپ کے بہت سے مراسلے ہمارے پاس آتے ہیں، ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی۔ چنانچہ عمر رضی نے لوگوں کو اکٹھا کیا تو کسی نے کہا کہ بعثت سے تاریخ شروع کیجیے اور کسی نے کہا کہ ہجرت سے شروع کیجیے۔ اس پر عمر رضی نے ہجرت ہی حق اور باطل کے درمیان حد فاصل ہے اس لئے ہجرت سے تاریخ شروع کرو۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۰ کا ہے جب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا تو کسی نے کہا کہ رمضان سے ابتدا کرو لیکن عمر رضی کی رائے یہ ہوئی کہ محرم سے ابتدا کی جائے اس لیے کہ وہ لوگوں کے حج سے لوٹنے کا وقت ہے۔ اسی رائے کو سب نے مان لیا۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یعلیٰ بن أمیة جب یمن میں تھے تو انہوں نے [ص : ۸۰] سب سے پہلے تاریخ لکھنا شروع کی۔ ہوا یہ کہ انہوں نے یمن سے عمر کو ایک خط لکھا جس میں تاریخ درج تھی، عمر رضی نے اس کو پسند کیا تو تاریخ کا رواج ہو گیا۔ احمد بن حنبل نے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ درج کی ہے البتہ عمرو بن دینار اور یعلیٰ کے درمیان سند کا سلسلہ منقطع ہے۔ الہشتم بن عدیؓ بھی یہی کہتے ہیں کہ یعلیٰ نے سب سے پہلے تاریخ لکھنا شروع کی۔

- ۱ - عامر بن سراحیل یا بن عبداللہ بن سراحیل، ف ما بین ۱۰۳ و ۱۰۶ھ۔
- ۲ - عبداللہ بن قیس، ف ۴۲ و ۵۲ھ۔
- ۳ - پتہ نہیں چلتا کہ سنہ کونسا تھا۔
- ۴ - ف ۱۲۶ھ۔
- ۵ - ف ۲۰۶ یا ۲۰۷ھ۔

احمد (ابن حنبل) اور ابو عمرو بن العباس - "الاوائل" میں - اور بخاری - "الادب" میں - اور الحاکم ، سمیعون بن مسهران سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک چمک عمر رضی کے سامنے رکھا گیا جس کی ادائیگی کا وقت شعبان تھا ، تو وہ بولے "کونسا شعبان ؟ جو گذر گیا ، یا جو ابھی چل رہا ہے ، یا جو آنے والا ہے ؟ کوئی ایسی چیز وضع کرنا چاہیے کہ لوگ اس کو جان لیں ۔" اس کے بعد انہوں نے وہی کچھ دہرایا ہے جو پہلی روایت میں درج ہوا ۔ ابو الیقظان نے بھی عمر سے یہی روایت کی ہے ۔ الحاکم ، سعیر بن المسیب سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ عمر نے سب لوگوں کو یعنی مہاجرین اور غیر مہاجرین کو اکٹھا کر کے ان سے رائے لی کہ پہلا دن کونسا ہو جس سے تاریخ کا آغاز کیا جائے ، تو علی بولے کہ اُس دن سے جب رسول اللہ (صلعم) ہجرت کر کے آئے ، یعنی مدینہ آئے اور شرک کی سر زمین سے دور ہونے چنانچہ عمر رضی نے ایسا ہی کیا ۔

ابن ابی خیشمہ ، محمد بن یسیرین کی سند سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا اور اس نے کہا کہ میں نے یمن میں ایک چیز دیکھی ہے ، اسے تاریخ کہتے ہیں اور فلان سنہ اور فلاں مہینے سے لکھی جاتی ہے ۔ عمر نے کہا یہ تو بڑی اچھی چیز ہے ، تم بھی تاریخ لکھا کرو ۔ جب اس پر اتفاق ہو گیا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ولادت سے تاریخ کا آغاز کرو ، کسی نے کہا بعثت سے ، کسی نے کہا اس وقت سے جب آپ ہجرت کے لیے نکلے اور کسی نے کہا وفات سے ۔ عمر کی رائے یہ ہوئی کہ تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہو جب آپ مدینہ جانے کے لیے مکہ سے نکلے ۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ

۱ - الحسین بن محمد بن مودود الحمرانی ، ف ۵۳۱۸ ۔

۲ - ۱۱۸-۴ (یا ۱۱۷) ۵ ۔

۳ - مسحیم یا عامر بن حفص ، ف ۵۱۹ ۔

۴ - احمد بن زہیر ، ف ۵۲۷۹ ۔

۵ - ف ۵۱۱ ۔

اچھا کس مہینے سے ابتدا کریں تو کچھ لوگوں نے کہا رجب سے ، کسی نے کہا رمضان سے ، عثمان رضی نے کہا کہ محرم سے ، اس لیے کہ وہ حرام مہینہ ہے ، سال کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے اور اسی میں لوگ حج سے لوٹتے ہیں ۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۲ ربيع الاول کا ہے ۔

ان سب احادیث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محرم سے ابتدا کا مشورہ دینے والے عمر رضی ، عثمان رضی اور علی رضی تھے ۔

ایسی ہی وہ روایت ہے جو ہم عمرو بن دینار سے ، اور وہ ابن عباس رضی سے نقل کرتے ہیں کہ تاریخ کا آغاز اس سنہ سے ہوا جس میں کہ نبی (صلعم) مدینے آئے ۔ اسی سنہ میں عبداللہ بن الزبیر رضی کی ولادت ہوئی تھی ۔ اس سے پہلے عرب عام الیفیل (ہاتھیوں کے حملہ کے سنہ) سے تاریخ شمار کرتے تھے اور وہی رسول اللہ (صلعم) کی پیدائش کا سنہ بھی ہے ۔ سعد بن ابی وقاص رضی نے عمر رضی کو یہ رائے دی تھی کہ نبی (صلعم) کی وفات سے تاریخ کا آغاز کریں ۔ اس پر علی رضی نے کہا کہ زیادہ مناسب [ص : ۸۱] یہ ہے کہ نبی (صلعم) کی ہجرت سے تاریخ کا آغاز ہو اس لیے کہ ہجرت ہی حق اور باطل کے درمیان حد فاصل ہے اور اسی سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوا ۔ چنانچہ سب مسلمانوں نے یہ رائے مان لی کہ ہجرت کے سنہ سے آغاز ہو اس لیے کہ اسی سنہ میں اسلام اور اسلام والوں کو سر بلندی نصیب ہوئی ۔ اس کے بعد مہینے کی بابت اختلاف رہا ۔ عبدالرحمن بن عوف رضی کا کہنا تھا کہ رجب سے ابتدا ہو اس لیے کہ وہ حرام مہینوں میں پہلا ہے ، لیکن علی کی رائے یہ ہوئی کہ محرم سے ابتدا ہو اس لیے اسی سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور وہ حرام مہینوں میں سے بھی ہے ۔ چنانچہ عمر نے اسی کا حکم دیدیا اور یہی رواج سارے اسلامی ممالک میں عام ہو گیا ۔

۱ - ۵۲-۵۵ تقریباً ۔

۲ - ف ۵۳۲ ۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی (صلعم) کے مدینہ آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا، چنانچہ وہ آپ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ، دو مہینہ تاریخ شمار کرنے لگے، اور ان کا یہی چلن رہا تا آنکہ رسول اللہ (صلعم) نے وفات پائی اور تاریخ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ابوبکر (رض) کا زمانہ اور عمر رضی کی خلافت کے چار سال بھی یونہی گزرے، اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر (رض) نے بڑے بڑے صحابہ کو جمع کر کے کہا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، آخر اس کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنے کی کیا تدبیر کی جائے؟ اس پر ہرُمرُ مزان، جو آہواز کا بادشاہ تھا اور فتح فارس کے وقت قید ہو کر عمر کے روبرو لایا گیا تھا اور اس کے بعد اس کے لئے آیا تھا، وہ بولا کہ، ایرانیوں کے یہاں ایک حساب رائج ہے جسے وہ 'ماہ روز' کہتے ہیں اور جو کسری حاشم وقت ہو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی لفظ 'ماہ روز' معرب ہو کر 'مورخ' بن گیا اور 'تاریخ' اس کا مصدر بنا۔ اس کے مخالف صیغے بھی استعمال ہونے لگے۔ اس کے بعد ہرمزان نے اس کے استعمال کا طریقہ بتایا تو عمر رضی نے کہا: ایک ایسی تاریخ وضع ہونا چاہئے جس کو کام میں لا کر لوگ اپنے معاملات طے کرنے میں اوقات کی تعیین کر سکیں۔ حاضرین میں سے ایک نو مسلم یہودی نے کہا کہ ایسا ہی ایک حساب ہمارے یہاں بھی ہے جسے ہم اسکندریہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کو دوسرے لوگوں نے پسند نہیں کیا، اس لئے اس کی طرف سے طویل کھینچنا۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں کی تاریخوں کی جانے تو یہ اعتراض ہوا کہ ان کی تاریخ ایک معین تعدادِ اعداد پر نہیں رہتی بلکہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں ایک تھا بادشاہ تخت نشین ہوا اس کی تخت نشینی سے از سر نو آغاز کر دیا اور اس کے قبل کا سلسلہ ختم کر دیا۔ بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ اسلامی تاریخ کی تاریخ نبی (صلعم) کے مکنے سے مدینے ہجرت کرنے کے وقت سے قرار دینے لگی۔

ایسے کہ ہجرت کے وقت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں بخلاف بعثت کے وقت کے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اسی طرح آپ کی ولادت کے وقت میں دن اور سال کا اختلاف ہے، ربا وفات کا وقت تو وہ معین تو ضرور ہے لیکن عقل یہ پسند نہیں کرتی کہ اُسے تاریخ کا نقطہ آغاز [ص : ۸۲] قرار دیا جائے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ہجرت کا وقت ملت اسلامیہ کی مضبوطی اور وفود کی بے درپے آمد اور مسلمانوں کے غلبہ کا وقت ہے لہذا وہ باعث برکت ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کا گہرا اثر ہے۔ ہجرت بروز سنہ شنبہ ۸ ربیع الاول واقع ہوئی اور اس سنہ یعنی محرم کا آغاز اوسط کے حساب سے پنجشنبہ کو ہوا۔ چونکہ عام طور سے مشہور یہی تھا اس لیے اس کا اعتبار کیا گیا ورنہ رؤیت ہلال کے حساب سے اور (نجوم کے) اجتماع کے حساب سے وہ دن جمعہ کا تھا۔ 'نہایۃ الادراک' کے مصنف کا کہنا ہے کہ اسی ہجری سنہ نے رواج پکڑا چنانچہ ہجرت آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریخ کا نقطہ آغاز ہے۔ اس امر پر سب کا اتفاق سنہ ۱۷ ہجری میں ہوا، جو عمر کی خلافت کا چوتھا سال تھا۔ اس (ہجرت کے ساتھ) نسبت سے قبل لوگ ہر سال کو اس حادثہ کا نام دیتے تھے جو اس میں وقوع پذیر ہوتا تھا اور اسی سے تاریخ بتاتے تھے۔ چنانچہ نبی (صلعم) کے مدینہ میں قیام کا پہلا سال 'الایذین بالرحیل' یعنی مکے سے مدینے کوچ کرنے کی اجازت کا سال کہلاتا تھا۔ دوسرا 'الامر بالقتال' یعنی لڑائی کے حکم کا سال، تیسرا 'التمحیص' یعنی آزمائش کا سال، وعلیٰ هذا القیاس۔ اس کے بعد لوگوں نے حادثات پر سال کا نام رکھنا چھوڑ دیا۔ عبید بن جراح کا کہنا ہے کہ محرم اللہ کا مہینہ ہے اور سال کا آغاز بھی ہے، اسی سے تاریخ لکھی جاتی ہے، اسی میں کعبے کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور نئے سیکے ڈھالے جاتے ہیں، اور اس میں ایک دن ایسا بھی ہے کہ اُس دن جس نے توبہ کی اس کی توبہ قبول ہوئی۔

محرّم سے سال کا آغاز ہونے کی بابت ایک حدیث مرفوع بھی ہے جسے "دیلمی نے 'فردوس' میں درج کیا ہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نے بھی اس کو بلا سند علیٰ رضا سے نقل کیا ہے۔

یہ تو ہوا اسلامی سنہ کی بابت۔ رہا جاہلی سنہ تو ابن الجوزی، عامر الشّعبی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب روئے زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی اور وہ ادھر ادھر پھیل گئے تو انہوں نے "ہبوطِ آدم" (آدم کے زمین پر اترنے) سے تاریخ شمار کی طوفان (نوح) تک، پھر وہاں سے نارِ خلیل (علیہ السلام) تک، پھر وہاں سے یوسف (علیہ السلام) کے زمانے تک، پھر وہاں سے بنی اسرائیل سمیت موسیٰ (علیہ السلام) کے مصر سے نکلنے تک، پھر وہاں سے عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے تک۔ یہی روایت محمد بن اسحاق^۲ کے یہاں ابن عباس کی سند کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

اس بارے میں کچھ اور باتیں بھی کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تاریخ کا شمار تھا آدم سے [ص: ۸۳] طوفان تک، پھر وہاں سے نارِ خلیل (علیہ السلام) تک، اس کے بعد بنو اسماعیل نے تعمیرِ کعبہ سے تاریخ شمار کی، وہاں سے متعّد بن عدنان تک، پھر وہاں سے کعب بن لؤئی^۳ تک، پھر کعب سے عام الفیل (ہاتھیوں کے حملہ) تک۔ یہ واقدی^۳ کا قول ہے۔

کسی اور کا کہنا یہ ہے کہ بنو ابراہیم (علیہم السلام) تاریخ شمار کرتے تھے۔ نارِ ابراہیم سے تعمیرِ کعبہ تک جبکہ ابراہیم اور اسماعیل (علیہم السلام) نے بنایا، اس کے بعد بنو اسماعیل نے تعمیرِ کعبہ سے تاریخ شمار کیا۔ انکے وہ ادھر ادھر پھیل گئے، اس لئے لیجے میں جو لوگ ابھی تھے، چھوڑ کر

۱۔ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ۔ قرآن

۶۸/۲۱ - ۶۹ -

۲۔ مصنف سیرت، ف، ۱۵۰ یا ۱۵۱ -

۳۔ محمد بن عمر، ف، ۵۲۰ -

جاتے وہ اپنے ترک وطن سے تاريخ شمار کرتے ، البتہ جو بنو اسماعيل تيسامہ ميں باقى رہ گئے وہ سعد ، قسند اور جسئينة بنى زيد كے تيسامۃ چھوڑنے كے وقت سے تاريخ شمار كرتے رہے تاآنكہ كعب بن لؤىؓ كى موت واقع ہوئى تو اس كى موت سے تاريخ شمار كرنے لگے (عام) الفيل تك ۔ اس كے بعد (عام) الفيل سے ہى تاريخ شمار كى جاتى رہى ۔ تاآنكہ عمير نے ہجرت سے تاريخ لكھنا شروع كى ۔ يہ واقعہ سنہ ۱۶ يا ۱۷ يا ۱۸ كا ہے ۔

ايك قول يہ بھى ہے كہ حيمثير اپنے تبتع (لقب بادشاہوں كے عہد) سے تاريخ شمار كرتے تھے اور غستان سد (مأرب كے پھٹنے) سے ، اور صنعا والے يمن پر حبشيوں كى فتح سے اور بعد ازاں ايرانيوں كے غلبے سے ۔ اس سے متاخر دور ميں عرب اپنے مشهور لڑائيوں سے تاريخ شمار كرنے لگے جيسے بسوس اور داحيس و غبثراء كى لڑائى اور ذى قار اور فيجار اور اس جيسے ديگر معرڪے ۔ بسوس كى لڑائى اور ہمارے نبى (صلعم) كى بعثت كے درميان كى مدت ساٹھ سال تھى ۔ اس روايت كو ابن الكلبيؓ كى سند كے ساتھ محمد بن سعدؒ نے درج كيا ہے ۔

يہ بھى كہا جاتا ہے كہ ايرانى اپنے بادشاہوں كے چار طبقات سے تاريخ شمار كرتے تھے : اوّل كيشو . ثرت سے ۔ طيو سرت (كاف كے بجائے طاء سے) بھى بولتے ہيں اور اسى دو 'گل شاہ' بھى كہتے ہيں جس كے معنى ہيں 'مٹى كا بادشاہ' ۔ خيال كيا جاتا ہے كہ يہ آدم كا مرادف ہے ۔ دوم يترد جيرد سے ، سوم اردشير بن بابك سے ، اور چہارم انوشروان عادل سے ۔ يہ روايت ہے ہيشام بن الكلبي كى اپنے باپؓ سے ۔ وہ مزيد كہتے ہيں كہ رومى تاريخ شمار كرتے تھے دارا بن دارا كے قتل سے ايرانيوں كے ان فتح حاصل كرنے تك ، اور قيبطى تاريخ شمار كرتے تھے بخت نصر سے قلوبطرہ ملكہ مصر تك ،

۱ - ہشام بن محمد ، ف ۵۲۰ ۔

۲ - مصنف 'طبقات' ، ف ۵۲۳ ۔

۳ - محمد بن السائب ، ف ۵۱۳۶ ۔

الاعلان بالتوہیح

اور یہود تاریخ شمار کرتے تھے بیت المقدس کی تباہی سے ، اور عیسائی عیسیٰ مسیح (علسم) کے آسمان پر اٹھ جانے سے ۔

ابو معشرؑ کہتے ہیں کہ تاریخیں بیشتر گڈ مذ ہیں ۔ ان میں خلل پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی قوم کے سنہ پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے اور اس کی مدت طویل ہو جاتی ہے ، پھر جب اس کو کتاب در کتاب یا زبانی ایک سے دوسرے کو نقل [ص : ۸۴] کرتے ہیں تو اس میں غلطی ہو جاتی ہے ، یا تو کمی یا بیشی ۔ اس کی مثال وہ غلطی ہے جو آدم ، نوح اور دیگر انبیا کے درمیانی سالوں سے متعلق پائی جاتی ہے ، چنانچہ یہود اس بارے میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رکھتے ہیں ۔ اسی طرح ایرانیوں کی تاریخوں میں بھی بڑا الٹ پھیر ہو گیا ہے حالانکہ ان کی سلطنت کا سلسلہ ٹوٹا نہیں جب تک کہ وہ بالکل ختم نہ ہو لیا ۔ ابو معشر نے جو کچھ کہا اس کے صحیح ہونے کا ثبوت نبی (صلعم) کا یہ قول ہے : " لا تجاوزوا عدنان ، کذب النسب ابون " (عدنان سے اوپر کی بات مت کرو ، نسب کے ماہرین جھوٹ بولتے ہیں) ۔ ابن الاثیر کہتے ہیں : عرب کا ہر گروہ اپنے سے متعلق کسی مشہور واقعہ سے تاریخ شمار کیا کرتا تھا اور کوئی ایک تاریخ نہ تھی جو ان سب میں عام ہو ۔ کمی شاعر کے اس قول سے یہی پتا چلتا ہے :-

ها ان اوئل العخلود و قد

ادرکت عقلي و متوالدري حُجْرًا^۲

دیکھو تو ! میں امید رکھتا ہوں کہ میں برابر جیتا رہوں گا جب کہ میری عقل اور میری ہیدائش نے حُجْر ہا زمانہ پایا ہے ۔

الجمعدی^۳ کا قول ہے :

۱ - جعفر بن محمد ، ف ۵۲۷۲ ۔

۲ - بہت الربیع بن ضَبْعُ الفزازی کا ہے جو امرؤ القیس ۵ معاصر تھا اور حُجْر (بن عمرو) امرؤ القیس ۵ والد تھا ۔

۳ - النابغة الجمعدی ، ف ۵۶۵ ۔

وَمَنْ يَكُ سَائِلًا عِنْتِي فَانْتِي
مَنْ الشُّبَّانِ اِيَّامِ الْخُنَانِ

اگر کوئی میری بابت دریافت کرے تو نہ ہے کہ میں اونٹوں میں
خُنَان^۱ کی وبا پھیلنے کے وقت جوان تھا۔
ایک اور شاعر^۲ کہتا ہے :-

وَمَا هِيَ إِلَّا فِي اِزَارٍ وَ عِيْلَقَةٍ
مُغَارِ اِبْنِ هَمَامٍ عَلِيَّ حَتَّىٰ خَشَعْنَا

وہ (محبوبہ) اس وقت خالی ازار اور بٹلی میں ربا کرتی تھی (بہت
چھوٹی تھی) جب ابن ہمام نے قبیلہ خثعم پر حملہ کیا تھا۔

ان میں سے ہر شاعر نے ایک مشہور واقعہ کو تاریخ کا نقطہ آغاز
بنایا ہے۔ اگر کوئی ایک تاریخ عام ہوتی تو وہ تاریخ بتانے میں اس طرح
جداگانہ طریقے اختیار نہ کرتے۔

-
- ۱ - "خُنَان" سے ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی ناک میں پیدا ہوتی ہے
اسے اونٹوں کا زکام کہتے ہیں۔
۲ - یہ بیت حُمَیْدِ بْنِ ثَوْرٍ کی طرف منسوب ہے۔

تاریخ میں تصانیف

تاریخ میں تصانیف اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ میں نے حافظ العتلاء مُغَلِّطای الحنفی کی خود ان کے ہاتھ کی تحریر دیکھی ہے، وہ اپنی کتاب 'إصلاح بن الصلاح' میں لکھتے ہیں: "میرے تجربے میں ہے کہ ایک شخص کے پاس اس (تاریخ) کی تقریباً ایک ہزار تصانیف تھیں۔"

نیز میں نے مستند مورخ حافظ ابو عبد اللہ الذہبی کی اپنے ہاتھ کی تحریر دیکھی ہے جس کا متن یہ ہے: "میری جامع بڑی تاریخ (التاریخ الکبیر المعیط) جس میں میں نے اپنا پورا زور صرف نہیں کیا ورنہ وہ چھ سو جلدوں میں پھیل جاتی، اس میں تاریخ کے مندرجہ ذیل فنون شامل ہیں:-

- ۱ - ہارے نبی (صلعم) کی میرت۔
- ۲ - انبیاء (علمص) کے قصے۔
- ۳ - صحابہؓ کی تاریخ۔
- ۴ - خلفا کی تاریخ جو صحابہ میں سے اور بنو امیہ اور بنو العباس میں سے ہوئے اور انہیں کے ساتھ ساتھ وہ مروانی جو اندلس میں اور عبیدی جو مغرب اور مصر میں ہوئے۔
- ۵ - بادشاہوں، بادشاہتوں اور کسری و قیصر کے حاکماتوں کی تاریخ۔ اسی ذیل میں شاہان اسلام بھی آئے ہیں جیسے ابن سونوں، اِحشید، [ص: ۸۵] ابن بٹویہ، ابن سعید وغیرہ، نیز شاہان خوارزم و سمرقند و شاہان سمرقند اور وہ سب جنہوں نے مسک شاہ کا لقب اختیار کیا۔

- ۶ - وزیروں کی تاریخ ، جن میں سب سے پہلے ہارون (عالم) تھے ، ان کے بعد ابوبکر اور عمر ، پھر اور بہت سے - بعض ان میں سے انبیا ، خلفا وغیرہ اور بادشاہوں کے زمرے میں شامل ہیں -
- ۷ - اسیروں ، کیروں ، نوابوں اور بڑے بڑے کاتبوں^۱ کی تاریخ - ان میں بہت سے موقوف^۲ (احکام و فرامین تیار کرنے والے) تھے اور بعض ادیب اور شاعر بھی تھے -
- ۸ - فقیہوں ، مذاہب کے نمائندوں ، مختلف زمانوں کے اماموں اور فرائض کے ماہروں کی تاریخ - میں کہتا ہوں کہ اسی میں وہ اہل اجتہاد بھی داخل ہیں جو قابل تقلید قرار پائے اور انہیں جیسے اور لوگ بھی -
- ۹ - ساتوں قراءتوں کے ماہر قاریوں کی تاریخ -
- ۱۰ - حفاظ (حدیث کے حافظوں) کی تاریخ -
- ۱۱ - حدیث کے اساتذہ اور اماموں کی تاریخ -
- ۱۲ - مورخین کی تاریخ -
- ۱۳ - نجویوں ، ادیبوں ، لغت کی عالموں ، شاعروں ، اور بلاغت ، عروض اور حساب کے ماہروں کی تاریخ -
- ۱۴ - عابدوں ، زاہدوں ، اولیا ، صوفیہ ، اور عبادت گزاروں کی تاریخ -
- ۱۵ - قاضیوں اور والیوں کی تاریخ اور انہیں کے ساتھ ساتھ شاہدوں اور امینوں^۲ کی تاریخ -
- ۱۶ - معلموں ، وراقوں (ہاتھ سے لکھ کر کتابیں بیچنے والوں) ، قصہ خوانوں ، دوچہ گرد (طُرُقِیستہ) اور بے ٹھکانے آوارہ (غُرَباء) لوگوں کی تاریخ -

۱ - کاتب = سکریٹری ، منشی -

۲ - شاہد اور امین = (Notary) جن کی تصدیق عدالتوں کے نزدیک قابل اعتناء ہوتی تھی -

الاعلان بالتویخ

- ۱۷ - واعظوں ، خطیبوں ، نغمہ سراؤں ، ندیموں ، سُطربوں کی تاریخ -
- ۱۸ - شریف ، سخی ، عقلمند ، ذہین (ذکی) اور دانشمند (حکیم) لوگوں کی تاریخ -
- ۱۹ - طبیبوں ، فلسفیوں ، زندقوں ، انجینروں (مُہنڈِ سین) اور ایسے ہی دیگر لوگوں کی تاریخ -
- ۲۰ - متکلمین ، جہشیمیّہ ، مُعترِ لہ ، أشعریّہ ، کترامیّہ ، اور مُجتمّہ کی تاریخ -
- ۲۱ - مختلف قسم کے شیعہ کی تاریخ جیسے غالی (انتہا پسند) رافضی وغیرہ -
- ۲۲ - طرح طرح کے خارجی ، ناصیبی (دشمنِ علی) اور مختلف قسم کے بدعتی اور ہوا پرست لوگوں کی تاریخ -
- ۲۳ - سُنی علماء امت ، صوفیہ ، فقہاء اور محدّثین کی تاریخ -
- ۲۴ - بغیل ، طُفیلی ، ثقیل (= bore) ، پیٹو ، احمق ، مغرور اور بے وقوف لوگوں کی تاریخ - میں کہتا ہوں کہ انہوں (ذہبی) نے ان کی ضد یعنی کریم اور سخی لوگوں کا ذکر نہیں کیا ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوپر جو سخی لوگوں کا ذکر گزرا ہے اسی کو کافی سمجھا - میرے پاس ان لوگوں سے متعلق خاصا مواد اکٹھا ہے -
- ۲۵ - نابینا ، اباہج ، بہرے ، گونگے اور کبڑے لوگوں کی تاریخ -
- ۲۶ - منجّم ، ساحر ، کیانی ، خزانہ جو (مُطالِب) ، اور شعبدہ باز (مُشعشوذ) لوگوں کی تاریخ -
- ۲۷ - انساب اور اخبار کے ماہرین اور اعراب (بدو عربوں) کی تاریخ -
- ۲۸ - بہادروں ، شہسواروں اور چابک دست ، پھرتیلے لوگوں کی تاریخ -
- ۲۹ - تاجروں ، حیرت انگیز برّی و بحری سفروں ، بردیس کے سمندری مسافروں ، اور ہرہنہ جوگیوں کی تاریخ -

- ۳۰ - بڑے بڑے کاریگروں ، ماہر دستکاروں ، نئی نئی چیزیں بنانے والوں اور طرح طرح کی ایجادیں کرنے والوں کی تاریخ -
- ۳۱ - راہبوں ، خانقاہ والوں ، خلوت گزینوں [ص : ۸۶] اور بد اطوار صوفیوں کی تاریخ -
- ۳۲ - امام ، مؤذن ، مُوقِت (اوقات نماز کا تعین کرنے والے) ، مُعَبِّر (خواب کی تعبیر دینے والے) اور عام لوگوں کی تاریخ -
- ۳۳ - رہزنوں ، ڈاکوؤں ، شطرنج اور نرد کے کھلاڑیوں اور جوئے بازوں کی تاریخ - میں کہتا ہوں کہ انہوں (ذہبی) نے تیر اندازی کو نظر انداز کر دیا ہے -
- ۳۴ - حسینوں ، عاشقوں ، عشق بازوں ، رقاصوں ، مے نوشوں ، بے حیا عورتوں ، فاسقوں ، دلاؤلوں ، کذابوں اور مخنثوں کی تاریخ -
- ۳۵ - چالاک ، پختہ کار ، با تدبیر ، اہل رائے ، مکار اور حیلہ باز لوگوں کی تاریخ -
- ۳۶ - دکھاوے کے سیخی ، شان بگھارنے والے ، ہاتھ کی صفائی والے ، فرشی ، مخنث ، غیر پابند اخلاق ، پھکڑ باز ، بے حساب ثروت اور موروٹی دولت کے مالک ، جھوٹے لوگوں کی تاریخ -
- ۳۷ - عقلمند مجنونوں ، بہکی بہکی باتیں کرنے والوں ، مغلوب الغضب^۳ ، خنل دماغ والے بے عقلوں کی تاریخ -
- ۳۸ - خیرات ، بھیک مانگنے والے ، درخواستیں کرنے والے ، بد اطوار اور بد معاش^۴ لوگوں کی تاریخ -

۱ - 'فرشی' کا صحیح مفہوم تحقیق طلب ہے -

۲ - اصل : 'التبجر و التلار (التیلاد؟)' - دونوں لفظوں کے معنی میں شک ہے -

۳ - اصل : 'المنترین' (المنترین؟) -

۴ - 'العرفشہ' اور 'الجمریو' کے معنی میں شک ہے -

الاعلان بالتویخ

- ۳۹ - قرآن ، عشق ، سماع ، خوف اور حال سے جان دینے والوں کی تاریخ ۔
 ۴۰ - کابنوں اور خرق عادت اور کشف ۔ وہ کشف جس پر کرامات کا دھوکا ہوتا ہے ۔ والوں کی تاریخ جو فاسق وغیرہ ہوتے ہیں ۔

ذہبی کہتے ہیں : ” یہ چالیس (قسم کی) تاریخیں ہیں ، اگر ان سب کو ایک کتاب میں جمع کیا جائے تو وہ بڑی طول طویل اور پورا بارِ شتر بن جائے گی ، ان کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کی بابت یہ ہے کہ عالموں نے ان میں سے بیشتر اقسام پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔ بسا اوقات ایک ہی شخص دو ، تین یا اس سے بھی زیادہ تاریخوں میں بار بار سامنے آتا ہے ۔ ہر انسان جو ان میں سے کسی فن میں نمایاں ہو جب تم اس سے بات کرو گے تو اس کے پاس اس فن کی ایسی عجیب اور نادر باتیں یاؤ گے جو کسی تاریخ میں نہیں ملیں گی ۔“ میں نے ذہبی کے ہاتھ کی جو تحریر پڑھی تھی وہ ختم ہوئی ۔ ان کا قول ”بارِ شتر“ منافی ہے ان کے پہلے قول ”چھ سو جلدوں“ کے اس لیے کہ اتنی تعداد دو اونٹوں کے بار سے بھی زیادہ ہے ۔ یہ بات ہمارے شیخ (ابن حجر) کی بتائی ہوئی ہے جو میں نے ان کے ہاتھ کی لکھی تحریروں میں پڑھی ہے ۔

نیز ذہبی کی ’ تاریخ اسلام ‘ کا وہ نسخہ جو ان کے ایسے ہاتھ لکھا ہوا تھا میں نے دیکھا ہے ۔ اس کے شروع میں مذکور ہے کہ ” انہوں نے اس کتاب کے جمع کرنے میں بڑی کوشش صرف کی اور اس کو متعدد ایسی تصانیف سے اخذ کیا جن کی بدولت انسان کو ماضی کی ساری تاریخ کا علم حاصل ہوتا ہے یعنی تاریخ اسلام کے آغاز سے لے کر ہمارے اس دور تک کے بڑے بڑے خلفاء ، قرآء ، زہتاد ، فقہا ، محدثین ، علما ، سلاطین ، وزرا ، نجوین اور شعرا سب کی وفات کی تاریخوں کا علم اور ان کے طبقہ ، زمانہ اور اساتذہ کا علم ، اور مختصر عبارت اور تہجرت سے الفاظ میں ان سے متعلقہ اخبار ، مشہور فوجات ، بادشاہوں اور قابل تحریر عجیب واقعات کا علم ۔ طوالت ، زیادتی اور ہمارے اور احاطہ کیے بغیر میں صرف ان لوگوں کا ذکر کروں گا جو مشہور یا قریب

قریب [ص : ۸۷] مشہور ہیں اور ان لوگوں کو چھوڑ دوں گا جو غیر معروف یا قریب قریب غیر معروف ہیں ، اور صرف بڑے بڑے واقعات کی طرف اشارہ کروں گا ، اس لیے کہ اگر میں ایک ایک کر کے تمام سوانح اور واقعات کو لوں تو کتاب سَو ، بلکہ اس سے بھی زیادہ ، جلدوں میں پھیل جائے گی ۔ اس میں سَو ایسی ہستیوں کا ذکر ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان کے حالات پچاس جلدوں میں بیان کر سکتا ہوں ۔“

وہ کہتے ہیں : ” میں نے اس تالیف کی خاطر بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ۔“ اس کا مواد مندرجہ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہے :-

- دلائل النُبُوَّة از بیہشتی^۱ ۔
- السیرة النبویَّة از ابن اسحاق ۔
- مغازی (غزواتِ نبی) از ابن عائد^۲ الکاتب ۔
- الطبقات الکبری از ابن سعد ، کاتبِ واقدی ۔
- تاریخ البُخاری^۳ ۔

کچھ حصے تاریخ ابوبکر احمد بن ابی خیشمۃ اور تاریخ یعقوب^۴ الفسوی کے ۔

تاریخیں : محمد بن سُثنی العنثری^۵ کی ، جو بہت چھوٹی ہے ،
 ابو حفص الفتلّاس^۵ کی ،
 ابوبکر بن ابی شیبہ کی ،
 الواقیدی کی ،
 الہیثم بن عدی کی ،

- ۱ - احمد بن الحسین ، ف ۵۴۵۸ ۔
- ۲ - محمد بن عائِد الدمشقی ۔
- ۳ - یعقوب بن سفیان ، ف ۵۲۷۷ ۔
- ۴ - ف ۵۲۵۲ عُرْف ، ابو موسی الزمین ۔
- ۵ - عمرو بن علی ، ف ۵۲۴۹ ۔

خليفة بن خيَّاط^۱ کی ، مع ان کی 'الطبقات' کے ۔
اور ابو زرعة الدمشقي^۲ کی ۔

'الفتوح' ، از سيف بن عميرة^۳ ،

'النسب' ، از زبير بن بكتار^۴ ،

'المسند' ، از احمد (بن حنبل) ،

تاريخ ، المفضل بن غسان الغلابي^۵ کی ،

'الجرح والتعديل' ، از ابن مَعِين و عبد الرحمن بن ابی حاتم^۶ ،

نیز ہمارے شیخ البیرونی کی 'تہذیب الکمال' زیر مطالعہ رہی ۔ منجملہ

ان تواریخ کے جن کا میں نے خلاصہ کیا ہے : تاریخ ابو عبد اللہ الحاکم

کی ، ابن یونس^۷ کی ، الخطیب کی ، ابن عساکر کی بابت دمشق ،

ابو سعد السمعانی کی ، مع ان کی 'الانساب' کے ۔ تاریخ قاضی الشمس بن

خلیجان کی ، علامہ النسیب ابو شامہ کی ، اور شیخ الخطیب بن

الیونینی^۸ کی جو انہوں نے الواعظ الشمس یوسف سبط ابن الجوزی کی

'سراة الزمان' کے ذیل کے طور پر لکھی ہے اور دونوں ہی میں سنہ وار

واقعات کو ترتیب دی گئی ہے ۔ اصل (سراة الزمان) بھی سا اوقات

پیش نظر رہی ہے ۔ اس کے علاوہ میں نے تاریخ طبری ، تاریخ

ابن الاثیر ، تاریخ ابن الفراتی^۹ مع اس کے 'صلة' از ابن بشکوال

۱ - ف ۵۲۰ -

۲ - عبد الرحمن بن عمرو ، ف ۵۲۸۲ -

۳ - ف ۵۱۸ -

۴ - ف ۵۲۵۶ -

۵ - تیسری صدی ہجری میں حیات تھی ۔

۶ - ف ۵۳۲ -

۷ - مصری مورخ ابو سعید عبد الرحمن بن احمد ، ف ۵۳۳ -

۸ - موسیٰ بن محمد ، ۶۴۰ - ۵۲۶ -

۹ - عبد اللہ بن محمد ، ف ۵۳۰ -

’بزر‘ حکمیتہ‘ از ابن الاَبَّار کے ، ’کامل‘ ابن عدی سے اور بہت سی کتابوں اور متعدد رسالوں سے اخذ کیا ہے ۔

میں کہتا ہوں : ذہنی نے جو کچھ اجمالاً لکھا ہے اس کی بیشتر تفصیل کا میں نے پتا لگایا ہے اور تاریخ کے ہر فن کی تصانیف گنتائی ہیں ، ہر چند کہ یہ فہرست جامع و مانع نہیں اور نہ ہی ایسی چیز سیرے امکان میں ہے ۔ اس کے علاوہ بہت سے فن ایسے ہیں کہ ان کی کوئی تاریخ پائی ہی نہیں جاتی ، البتہ ان کی تاریخ متعلقہ علوم پر جو تصانیف ہوں یا ان کی بابت جو بیانات وغیرہ ہوں ان سے اخذ کی جا سکتی ہے ۔ ہاں ! ذہنی سے ’مُسْتَحَبِّين‘ (جو طرح طرح کے امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرے) کی خبروں (کا عنوان) چھوٹ گیا ہے ۔

۱ - سیرة النبی

[ص : ۸۸] نبی (صلعم) کی سیرت ، غزوات اور تمام واقعات ، جو آپ کی راہ عمل کی نشاندہی کرتے ہیں ، ان کو جمع کرنے کے لیے جو لوگ آگے بڑھے ان کی تعداد بہت زیادہ اور ان کا جوہر بڑا ہی دلپسند ہے ، مثلاً :

۱ - ’موسیٰ بن عقبۃ الاسدی المدنی‘ جو تابعی ہیں ۔

۲ - محمد بن اسحاق الشافعی - (قاسم بن مخزومہ بن المطاہب کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) - المدنی ، وہ بھی تابعی ہیں اس لیے کہ انہوں نے اس رخصت کو دیکھا تھا ۔

۳ - ابو عبد اللہ محمد بن عُمَرُ الْاَسْمَعِی - سلمی - سلمی کے مولیٰ - المدنی القاضی الواقیدی - نسبت ان کے دادا واقید کی طرف ہے ۔

۴ - ان (واقدی) کے کاتب ، ابو عبد اللہ محمد بن سعد البغدادی کی ’الطبقات النبویہ‘ کے شروع میں سیرت خاصی طویل ہے ۔

۵ - ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الجیمہیری^۱ - حمیر کے مولیٰ -
الصننعاہی -

۶ - ابو احمد محمد بن عابد القرشی الدری مشقی الکاتب -

۷ - ابو عثمان سعید بن یحییٰ الامتوری^۲ -

۸ - ابوالقاسم التیمی^۳ الاصبہانی^۴ -

ان میں پہلی - صرف صحیح رہن ہے - دوسری کے شاگرد امام مالک اور دوسروں کا یہی کہنا ہے - دوسری کی بابت شافعی رحمہ کا قول ہے "جو سغزی کی بابت گہری معلومات حاصل کرنا چاہے وہ ن (ابن اسحاق) پر تکیہ کرے" - ابن اسحاق سے سلمة بن الفضل الرازی نے "المثبتا و المغازی" اور جریر بن حازم اور یحییٰ بن محمد بن عیباد بن عافی ہردو نے (صرف) "المغازی" روایت کی ہے - ابن اسحاق کی مشہور کتاب بہت لوگوں نے روایت کی ہے جن میں سے ابو نعیم بن ابی نعیم - زیاد بن عبد اللہ بن الطائی السبکی السمرقندی اور یونس بن بکتیر البصری^۵ ہیں - یہ دونوں کوفہ کے ہیں - ان میں پہلے زیادہ بخرو سے وابہ ہیں - امام ابو نعیم عبد الملک بن عیباد نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد البکائی سے اجنبوں نے ابن اسحاق سے سنا تھا سنا اور اس کو کث چھانٹ کر اسے صاف ستھرا بنا دیا اور سب لوگ اسی پر ٹوٹ پڑے - ابوالقاسم التیمی نے اس کی شرح "الروض الاثرف" لکھی ، جس کا دعویٰ وغیرہ نے مخلص بیان کیا ہے -

۱ - ف ۱۱۱ -

۲ - ف ۶۶ -

۳ - اسمعیل بن عبد ، ف ۳۵ -

۴ - ف ۱۰۰ -

۵ - ف ۱۳ -

۶ - ف ۹۹ -

۷ - ف ۱۱۱ -

مغلطای نے 'السيرة' اور 'الروض' دونوں کی بنیاد پر 'الزہر' الباسیم، لکھی۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے اس میں جو منقطع احادیث ہیں ان کی تخریج کی ہے۔ نیز ہمارے شیخ البدر العتیشی نے اس (السيرة) کے ایک بڑے حصے کی شرح لکھی ہے، ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ اس کی پوری وضاحت میرے اس رسالے میں ہے جو میں نے اپنے حلقہ درس میں ختم سیرت کے موقع پر تصنیف کیا تھا۔

اس کے علاوہ ابن لہیعۃ^۱ نے ابو الاسود سے اور انہوں نے عروۃ بن الزبیر سے مغازی کی روایت کی ہے۔ اسی طرح زہری نے عروۃ بن الزبیر سے اور انہوں نے اپنے والد سے، اور حجاج بن ابی تمیم^۲ نے زہری سے (مغازی کی) روایت کی ہے۔ یونس بن یزید^۳ نے نبی (صلعم) کے 'مشاہد' [قبل اسلام کے وہ واقعات جو رسول اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے] زہری سے روایت کیے ہیں۔ الولید بن مسلم ابوالعباس القُرَشِي الدِّرْمَشَقِي^۴۔ جن کی بابت ابوزرعة الرازی^۵ کا کہنا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر مغازی کے عالم ہیں۔ انہوں نے سیرت کی روایت کی ہے الاوزاعی سے، اور [ص: ۸۹] محمد بن عبدالاعلیٰ نے سیرت کی روایت کی ہے معتمر بن سلیمان^۶ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے۔ اور عبدالملک بن حبیب [۔۔۔؟۔۔۔]^۷

- ۱ - یا عبدالله، ف ۱۷۷ یا ان کے بھائی عیسیٰ۔
- ۲ - حجاج بن یوسف، ف بعد ۲۱۶ھ۔
- ۳ - ف ۱۵۹ھ۔
- ۴ - ف ۱۹۵ھ۔
- ۵ - عبیداللہ بن عبدالکریم، ف ۲۶۳ھ۔
- ۶ - ف ۲۳۵ھ۔
- ۷ - ف ۱۸۷ھ۔
- ۸ - اس جگہ عبارت میں خلل ہے۔

المُسَيَّب بن واضح^۱ اور ابو عمرو معاوية بن عمرو^۲ نے سیرت کی روایت کی ہے ابواسحق الفزاری^۳ سے اور الحسن بن سفیان^۴ نے مغازی کی روایت کی ہے ابوبکر بن ابی شیبہ سے۔ نیز مندرجہ ذیل میں سے ہر ایک نے سیرت لکھی ہے :-

ابوبکر بن ابی خیشمة اور ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخوں میں ، اور ابن ابی الدائم نے ۔

ابو زکریا النشووی نے 'تہذیب الاسماء واللغات' میں ۔

ابوالحجاج المیزنی نے 'تہذیب الکمال' میں ۔

ابو عبد اللہ الذہبی نے اپنی تاریخ میں ۔

العماد بن کنثیر نے اپنی 'البدایة' کے مقدمے میں ۔

ابوالحسن الخزرجمی نے 'تاریخ الیمن' کے مقدمے میں ۔

النقیی الفاسی نے 'تاریخ مکہ' میں ۔

ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں ۔ ان میں سے کسی کے نام سیرت نعیمی سے جو سے بن عساکر کے نام اور کسی نے ہر نام مخصوص ۔

سیرت پر مستقل کتابیں مندرجہ ذیل سے لکھی ہیں :-

ابوالشیخ ابن حبتان ،

ابوالحسین بن فارس الشعوری ۔

ابوعمر بن عبدالبر : 'الدور فی احصاء سیرت و التشریح' ۔

ابو یحییٰ بن حزم ،

شرف ابو احمد الدری : 'شیاطین' ،

۱ - ف ۶۲۵ -

۲ - ف ۵۲۱ -

۳ - ابراہیم بن محمد ، ف ۶۰۶ -

۴ - ف ۵۳۰ -

۵ - ابن ابی الدائم ، ف ۵۳۰ -

عبدالغنی المتمدسی - انہیں کی کتاب پر القطب العلتبی نے
'المؤر دالہنی' لکھی ہے جو بہت مفید ہے -

ابو عبداللہ الذہبی ،

ابوالفتیح بن سیدالناس : 'عیون الاثر' - خوب کتاب ہے ،
البرہان العلتبی نے اس کی دو جلدوں میں شرح لکھی ہے جس کا نام ہے
'نورا لنیبراس' (نیبراس - چراغ) - انہیں کی 'نور العیون' بھی ہے جو
مختصر ہے - ابن القتبوع کہتے ہیں کہ ابن سید الناس نے مجھے
'عیون' دکھائی تو میں نے اس میں ستو ایسی جگہوں پر نشان
لگائے جہاں ان کو وہم ہوا ہے -

ابوالشریح الکتلاعی ،^۳ انہوں نے اپنی کتاب میں رسول اللہ کی سیرت
کے ساتھ (پہلے) تین خلفاء کی سیرت کا اضافہ کر کے اس کا نام 'الاکتفاء'
رکھا ہے -

العلاء علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الخازن^۴ ، مضاف 'مقبول
المنقول' نے ایک خاصی بڑی سیرت لکھی ہے -
الظہیر علی بن محمد محمود الکازرونی ثم البغدادی^۵ نے بھی
سیرت لکھی ہے اور ان کا زمانہ العلاء سے پہلے ہے -

المُحِبُّ الطَّبْرَی^۶ ،

القاضی عیز الدین بن جماعة - ان کی دو کتابیں ہیں -
الشمس الیبرماوی^۷ - ان کی بھی دو کتابیں ہیں - ایک کتاب

- ۱ - عبدالکریم بن عبد النور ۵۶۶۳ - ۵۷۳۵ -
- ۲ - ابن القتبوع یا ابن القباہ ، محمد بن محمد ، ف ۵۷۳۸ -
- ۳ - سلیمان بن موسی ، ف ۵۶۳۳ -
- ۴ - ف ۵۷۳۱ -
- ۵ - ف ۶۹۷ یا بعد ۵۷۰۰ -
- ۶ - احمد بن عبداللہ ، ف ۵۶۹۳ -
- ۷ - محمد بن عبدالدائم ، ف ۵۸۳۱ -

الاعلان بالتوبیح

کا انہوں نے خود حاشیہ لکھا ہے اور التقی بن فہد نے ، جنہوں نے خود دو جلدوں میں سیرت تصنیف کی ہے ، اس حاشیہ کو مستقل کتاب کی شکل میں اصل کے ساتھ لگا دیا ہے ۔

العلاء علی بن عثمان التُّرکُمَانِي الجَنْتَفِي ۱ ،

ابو امامة بن النَقَّاش ۲ ،

الشمس بن ناصر الدین ۳ ، ان کی کتاب بڑی جامع اور درست ہے ۔

النَّقَّاشِي المَازِنِي : کتاب الارشاد - اس میں بہت سی باتیں قابل اعتراض ہیں ۔

عثمان بن عيسى بن درباس الماراني ۴ : الفوائد السَّمِينِيَّةُ فِي جَوَامِعِ السِّيَرَةِ

[ص : ۹۰] الشُّبَّابِ اَحْمَدُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ الْاَبْشَيْطِي الشَّافِعِي الْوَاعِظُ ،

متوفی سنہ ۱۳۵ (۶۲)ھ - ان کی ایک جامع کتاب ہے ، جس کے بابوں نے تیس جزو لکھے ہیں ۔ اس میں سیرة ابن اسحق ہے مع ان تہذبات کے جو السُّمَّيْلِي اور دوسروں نے اس پر لکھی ہیں ۔ ابن کثیر کی التَّوْبِيحُ فِي جَوَامِعِ السِّيَرَةِ اور وہ بھی اس میں ہے اور وہ کسی کی مغازی اور دیگر کتابوں میں جو لکھے ہیں وہ بھی ۔ جو اس میں آئے ہیں ان کا صحیح صحیح اعراب نوروں کے درج کر دیا ہے ۔ اس سے انہیں خاص شغف تھا ۔

سیرت دو نظم کرنے والے یہ ہیں :-

الفَتْحِ بْنِ رَسْمَانَةَ

۱ - ف . ۵۰۵ -

۲ - محمد بن علی ، ف . ۶۳۵ -

۳ - محمد بن عبداللہ ، ف . ۸۳۲ -

۴ - ف . ۶۰۲ -

۵ - ۶۰ - ۸۳۵ -

۶ - بظاہر الفتح بن موسی ، ف . ۶۶۳ ، مراد ہیں ۔

الشیہاب بن العیّاد الاقفمسی^۱ ، اور

الجبّاعی^۲۔ ان تینوں نے اپنی منظومات کی شرحیں بھی لکھی

ہیں ،

العیز^۳ الیدیرینی^۳

فتح الیدین بن الشّمید^۴۔ دس ہزار سے کچھ اوپر ابیات ہیں اور اس پر مزید اضافے بھی ، جس سے ان کے علمی کمالات کی وسعت کا پتا چلتا ہے ۔

الزّین العیراقی^۵ ، ان کا ' انثیّیة ' ہے جس میں وہ العلاء مغسّطای کی مختصر سیرت کے ساتھ ساتھ چلے ہیں ۔ اس مختصر سیرت پر الشمس الیبرماوی اور الشرف ابو الفتح العراغی^۶ نے حواشی لکھی ہیں اور النقی بن قمّہ^۷ نے اس سب کو ایک مستقل تصنیف کی شکل میں پیش دیا ہے ۔ العراقی کی نظم کی شرح الشیہاب بن رسلان^۸ نے اور ان سے بھی پہلے المحسّب بن الہالیم^۹ نے لکھی ہے جو ذکوت میں یکتائے زمانہ تھے ، ان کی شرح بہت طویل ہے ، میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے جس پر خود ناظم (العراقی) اور دیگر حضرات کی تقریظات ہیں ۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے بھی اس کے شروع کے چند ابیات

۱ - احمد بن عماد ، ف ۵۸۰۸ -

۲ - ابراہیم بن عمر ، ف ۵۸۸۵ -

۳ - عبدالعزیز بن احمد ، ف ۵۶۹۷ زفریبا -

۴ - محمد بن ابراہیم ، ف ۵۷۹۳ -

۵ - عبدالرحیم بن الحسن ، ف ۵۸۰۶ -

۶ - محمد بن ابی بکر ، ف ۵۷۷۵ -

۷ - محمد بن محمد ، ف ۵۷۸۷ -

۸ - احمد بن انجسین ، ف ۵۸۴۴ -

۹ - محمد بن احمد بن محمد بن عماد ، ف آٹھویں صدی (۵) کے

آخر میں ۔

الاعلان بالتوبيخ

کی شرح کی ہے اور میں نے اس کام کو اتنا تک پہنچایا ہے ۔ امید ہے ۔ کہ اسے آخری شکل دے کر دنیا کے سامنے لاؤنگا ۔

الشمس الباعونی الدمشقی نے بھی 'مغناطی' کی سیرت کو ہزار بیت سے زیادہ میں نظم کیا ہے ۔ وہ استاد برہان الدین کے بھائی ہیں ۔ میں نے اس کا کچھ حصہ ان سے سنا ہے ۔ انہوں نے اس کا نام 'منجحة اللیبیب فی سیرة الحبیب' رکھا ہے ۔

رسول اللہ کے مولد نو بہتوں نے مسفل کتابوں کا موضوع بنایا ہے ۔

مثلاً :-

ابوالقاسم السببئی^۱ - ان کی 'الدور الممظم فی المولد المعظم' دو جلدوں میں ہے ۔ اس میں انہوں نے موضوع سے بٹ کر بہت سی ادھر ادھر کی باتیں کی ہیں ۔

العراقی ،

ابن الجریری ،

ابن ناصر الدین ،

رسول اللہ کے اسلاف پر محمد بن اسحاق المسیبی نے کتاب لکھی ہے ۔ اور رسول اللہ کے اسماء (سور) ابوالعطاء ابن شیبہ نے اور القُرطبی نے اور دوسروں نے نظم میں بھی اور ان میں بھی ناموں کی مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب ہے اور اس میں اور اور ہو سکتا ہے ۔ ان میں سے بیشتر اپنی صفات ہیں ۔

۱ - ابراہیم بن احمد ، ف ، ۲۲۵ ۔

۲ - العباس (۱۴) بن محمد بن احمد ، سناویں صدی ۵ ۔

۳ - مشن میں ابن الجوری نے جو حصہ دیکھا وہ یہ ہے ۔

۴ - ف ، ۲۶۶ ۔

۵ - عمر بن الحسن ، ف ، ۲۶۲ ۔

رسول اللہ کے رختان (ختمہ) اور اس موضوع پر کہ آپ مہختون پیدا ہوئے الکمال بن طلحة^۱ نے مستقل کتاب لکھی ہے۔ اور ابوالقاسم بن ابی جرادة^۲ نے ان کا رد اپنی ایک تصنیف میں کیا ہے۔

ابوبکر الخرائطی^۳ نے: "هواتف الجان"، و عجیب مایحکی عن الکہتان، رمعن بشر بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم بواضح البرهان" (رسول اللہ کی بشارتیں کہ جنوں اور کاہنوں سے منقول ہیں) لکھی ہے۔ ایسے ہی ابن ابی الدنیا^۴ نے بھی "الهواتف" لکھی ہے۔

ابن دُرُسْتَوَيْه^۵ نے "حدیث قُس" بن ماعیدة لکھی ہے۔ [ص: ۹۱] ہشام بن عمار^۶ نے بعثت پر اور ابوالخطاب بن دحیة وغیرہ نے معراج پر لکھا ہے۔

"دلائل النبوة" پر جن کی تالیفات ہیں منجمان ان کے یہ ہیں :-

ابوزرعة السرازی ،

ثابت السمرقندی ،

ابوالقاسم الطبرانی

التیسی ،

ابوعبدالله بن منداه^۸ ،

۱ - بظاہر محمد بن طلحة ، ف ۵۲۵ -

۲ - مورخ حلب ، عمر بن احمد بن العدیم ، ف ۵۶۶ -

۳ - محمد بن جعفر ، ف ۵۳۲ -

۴ - ابوبکر عبدالله بن محمد ، ف ۵۲۸ -

۵ - عبدالله بن جعفر ، ف ۵۳۷ -

۶ - ف ۵۲۳ -

۷ - ثابت بن حزم ، ف ۵۳۱ - انہوں نے اپنے بیٹے القاسم کی موت

(۵۳۰ء) کے بعد اس کی کتاب "دلائل" کی تکمیل کی۔

۸ - محمد بن اسحاق ، ف ۵۳۹ -

- ابو الشیخ بن حبان ،
 ابو نَعْتَمِہ الا صُبَہانی ،
 ابوبکر بن ابی الدنیا ،
 ابو احمد بن العسّال ،
 ابوبکر التّقاش^۳ المفسر ،
 ابو العباس المُستَغفِری ،
 ابو الّاسود عبدالرحمن بن الفقیض ،
 ابو ذرّ المالکی ،

ابوبکر التّبہقی ، ان کی تالیف میں سب سے زیادہ معلومات ہیں ۔
 کتاب کے ختم کے موقع پر ایک خاص رسالے میں تمہیں کے ان باب و احادیث
 سے لکھی ہے ۔

ابراہیم بن التّہیّمہ البغدادی کے دلائل کے ساتھ شرح
 الاحادیث جمع کر دی ہیں ۔
 'اعلام النبوة' نبوت کی علامتوں (دلائل) کی تالیف میں سے
 یہ ہیں :-

- ابو محمد بن قتیبہ ،
 ابو داؤد ، 'مسئّن' کے مصنف ،
 ۱ - احمد بن عبد اللہ ، ف ۳۳۵ -
 ۲ - محمد بن احمد بن ابراہیم ، ف ۳۳۹ -
 ۳ - محمد بن الحسن ، ف ۳۵۱ -
 ۴ - جعفر بن محمد ، ف ۳۳۲ -
 ۵ - مصعب بن محمد بن سعود ، ف ۳۶۵ -
 ۶ - ف ۲۷۷ یا ۲۷۸ -
 ۷ - عبد اللہ بن مسلم ، ف ۳۷۶ -

ابو الحسين بن فارس ،
 ابو حسن الماوردي الفقيه^۱ ،
 قاضي الجماعة ابو المظفر المغربي^۲ -
 العلاء مغلطاي ،

’ الشمائل النبوية ’ (نبي صلعم کے خصائل) پر جن کی تالیفات
 ہیں وہ یہ ہیں :

ابو عيسى اليتريمي^۳ ،
 ابو العباس المستفري ،
 ابوبكر بن طرخان البلخي^۴ ،

پہلی کتاب کی شرح کا ایک ٹکڑا میں نے لکھا ہے اور ایک ٹکڑا
 میں نے جمال بن الظاہری^۵ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے کا دیکھا
 ہے جو اسی کتاب سے لی ہوئی احادیث پر مبنی معلوم ہوتا تھا ۔

’ الصفة النبوية ’ (حلیہ مبارکہ) پر ابو البختری^۶ اور ابو علی مجد
 بن ہارون نے کتابیں لکھی ہیں ۔

’ الاخلاق النبوية ’ پر اسماعیل العاصی^۷ نے کتاب لکھی ہے ۔
 آپ کے ’ نعل تریف ’ (پاپوش) کی صفت سے متعلق ابو الیمن

- ۱ - علی بن مجد ، ف ۵۴۵ ۔
- ۲ - بظاہر عبدالرحمن بن مجد بن فضیس ، ف ۵۴۰ ، مراد ہیں ۔
- ۳ - مجد بن عیسیٰ ، ف ۵۲۷ ۔
- ۴ - ص ۱۴۷ تحقیق پر بلخ کے مجد بن علی بن طرخان کا ذکر ہے مگر
 ہو سکتا ہے کہ یہاں مجد بن طرخان الترمذی ، ف ۵۵۱۳ ،
 مراد ہوں ۔
- ۵ - احمد بن مجد ، ف ۵۶۹۶ ۔
- ۶ - وہب بن وہب ، ف ۱۹۹ یا ۵۲۰۰ ۔
- ۷ - ف ۵۲۵۲ ۔
- ۸ - اسماعیل بن اسحاق ، ف ۵۲۸۲ ۔

ابن عساکر کی تصنیف ہے۔

آپ کی 'ہدای' (قربانی کے جانور) کی بابت ابن القیم^۲ وغیرہ کی تصانیف ہیں۔

'المطب النبوی' پر ابو نعیم، المستغفری اور الضیاء المتقدسی^۳ کی تصانیف ہیں۔

قاضی عیاض^۴ کی تصنیف 'الشفاء بتعریف' 'مقوق المصطفی' ہے۔ اس کتاب کا حال اور جن لوگوں نے اس پر کچھ لکھا ہے ان کی تفصیل اس رسالے میں ملے گی جو میں نے ختم کتاب کی مناسبت سے سپرد قلم کیا ہے۔

ابو الرئیح سلیمان بن سبیح الشیبی کی 'شفاء الصدور' زنی جلدوں میں ہے۔ ایک امام نے اس کا اذکار بھی لکھا ہے۔ اس میں بہت سی قابل اعتراض باتیں ہیں۔

ابو الفرج بن الجوزی کی 'الوفاء بالتعریف بالمصطفی' ہے اور ابن المنیر^۵ کی 'الاقتفاء'۔

اور ابو سعد السبکی بوری کی 'شفاء المصطفی' کئی جلدوں میں۔ جعفر النریابی نے 'المعجزات' اور 'تکریر الطعنا و السباب' لکھی ہے۔ معجزات پر دوسروں نے بھی لکھا ہے۔

'الخصائص' (آپ کی خصوصیات) پر بہنوں نے لکھا ہے جیسے الماوردی، ابن سبیح اور الجلال السبکی۔

- ۱ - عبدالصمد بن عبدالوہاب، ۶۱۴-۶۸۶ھ۔
- ۲ - محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی، ف ۵۱۔
- ۳ - محمد بن عبدالواحد، ف ۶۴۳۔
- ۴ - عیاض بن موسی السبکی، ف ۵۴۴۔
- ۵ - احمد بن محمد، ف ۶۸۳۔
- ۶ - عبدالملک بن محمد، ف ۴۰۶۔
- ۷ - جعفر بن محمد، ف ۴۰۶۔

نبی صلعم کے 'خطب (خطبوں) سے متعلق ابو احمد العسّال اور ابو الشیخ بن حبان کی تصانیف ہیں۔ بعض نے خطبة الوداع کو مستفل کتاب کی شکل دی ہے۔ ابن بشکّوان [ص: ۹۲] کے کہنے کے مطابق یہ آپ کا آخری خطبہ ہے۔

بعض نے آپ کے 'کلیّات مفردة' (متفرق اقوال) پر بھی لکھا ہے۔

'نسب النبى' پر الطبرانی اور ابو عبد اللہ بن مندہ کی تصانیف ہیں۔

عالی مرتبہ لوگوں اور بادشاہوں کے ساتھ آپ کے 'مکاتبات' (خط و کتابت) پر عمارہ بن زید کی تصنیف ہے۔

دچھ اور لوگوں کے 'الوفاة النبویة' پر لکھا ہے۔

النبیہفی نے قبر میں انبیا کی زندگی پر لکھا ہے۔

اور بہت سے ہیں جنہوں نے نبی صلعم پر درود بھیجنے کی فضیلت

کو اپنا موضوع بنایا ہے جیسے اسماعیل القاضی، ابوبکر بن ابی عاصم

اور وہ سب جن کے نام میں نے اپنی کتاب 'القول البدیع فی الصلاة

علی الحبیب الشفیع' کے خانمے میں درج کیے ہیں۔

جیسا کہ آگے ذکر آنے گا، بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے آپ کے

'اصحاب' پر لکھا ہے۔ اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی، لیکن لوگوں

نے آپ کے 'اراداف' (جو ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے) پر

جداگانہ لکھا ہے۔^۲

اپنی 'ازواج' کو دیشیاضی نے اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

اور آپ کے 'سوالی' (آزاد کردہ غلاموں) اور 'کُتّاب' (کاتبوں) کو

عبد اللہ بن علی بن احمد بن حدیدہ^۳ نے جمع کر کے کتاب کا نام رکھا

۱ - احمد بن عمرو ف ۵۲۸ -

۲ - لفظ ص ۹۳ لفق -

۳ - اٹھویں صدی ۵ -

ہے 'المیصباح الموضی' فی کُتُاب النبی'۔

اس کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں۔ اگر ان سب کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا قصد کیا جائے تو بیس جلدیں ہو جائیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

۲ - قصص الانبیا

انبیوں کے قصے مجہد بن اسحاق بن یسار المظاہبی، مصنف 'السیرہ النبویة' اور ابو حذیفہ اسحاق بن بسر البخاری اور دو ہی 'المؤید' میں پائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر مسندوں مصنف رکھنے والے ہیں :-

کوثیمہ بن موسیٰ بن اُمّرات ۲ دو جلدوں میں۔

ابو اسحاق الثعالبی،

اور دیگر حضرات جیسے کبیسائی ابو الحسن محمد بن عبد اللہ

یہ موضوع تاریخوں کے حوالے میں بھی ملے گا۔ جریر بن عساکر کے یہاں، ابن کثیر کی 'السیرة' میں، ابن حجر عساکری، علی بن منصور المالکی، مصنف بدائع السیرة کے یہاں۔

۳ - صحابہ کی تاریخ

صحابہ کے بارے میں بہت سی تصانیف ہیں مثلاً:

علی بن المدینی کی کتاب 'معرفة من سأل عن صحابة'

الشبانی، الخطیب نے انہی کے مطابق تاریخ حرد میں لکھی ہے۔

پہلے پتے جریر۔

۱ - ف ۶۰۶۔

۲ - ف ۶۰۳۔

۳ - ۶۰۰ کے قریب تک زیادہ ہے۔

البخاری - ہمارے استاد (ابن حجر) کا کہنا ہے کہ ان کے علیہ میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر لکھا:

التیرمذی ،

مُطَيَّن ۱ ،

ابوبکر بن ابی داؤد ،

عبدان ۲ ،

ابو علی بن السنکین ۳ ، - بعنوان ' الحُرُوف '

ابو حفص بن شاہین ۴ ،

ابو منصور البارودی ،

ابو حاتم بن حبتان ۵ ،

ابو العباس الدُّغُولی ۶ ،

ابو نُعَیم ،

ابو عبداللہ بن مندہ - ان کی کتاب کا ' ذیل ' (تتمہ) ابو موسیٰ

السدینی نے لکھا ہے -

ابو عمرو بن عبد البر - ان کی کتاب ' الاستیعاب ' ہے - اس

پر بہتوں نے ' ذیل ' لکھے ہیں مثلاً ابو اسحاق بن الامین نے

[ص : ۹۳] اور ابوبکر بن فتشحوں نے - یہ دونوں معاصر ہیں اور

مؤخر الذکر تصنیف مقابلہ بہتر ہے - محمد بن یعقوب بن محمد بن احمد

۱ - محمد بن عبداللہ ، ف ۵۲۹۸ -

۲ - غالباً عبدان بن محمد المروزی ، ف ۴۲۹۳ -

۳ - سعید بن عثمان بن سعید ، ف ۴۳۵۳ -

۴ - عمر بن احمد ، ف ۴۵۱۹ -

۵ - محمد بن احمد ، ف ۴۳۵۴ -

۶ - محمد بن عبدالرحمن ، ف ۴۳۲۵ -

۷ - محمد بن عمر ، ف ۴۵۸۱ -

۸ - محمد بن خلف ، ف ۵۱۹ یا ۵۵۲۰ -

الاعلان بالتويخ

التخليلي ' نے ' الاستيعاب ' کا اختصار کیا اور اس کا نام رکھا ' إعلام
الإصابة بأعلام الصحابة '۔

ان کے علاوہ اور بہت سے لکھنے والے ہیں جن کا شمار
مشکل ہے مثلاً:

ابو الحسن محمد بن صالح الطبري ،

ابو القاسم البغوي^۲ ،

ابو القاسم العثماني ،

ابو الحسين بن قانع^۳۔

ان سب نے اپنی اپنی ' مُعْجَم ' میں (صحابہ پر) لکھا ہے۔
جس طرح ابو القاسم الطبرانی نے خاص طور پر اپنی ' المعجم الكبير '
میں لکھا ہے۔

العيزي ابو الحسن بن الاثير - مصنف ' النهاية ' کے بھائی -
انہوں نے اپنی کتاب ' أسد الغابة ' میں متعدد سابقہ کتابوں کے مواد
کو جمع کر دیا ہے جیسے ابن مندہ ، ابو نعیم ، اور ابن عبدالبر ،
مع ابو موسیٰ کے ' ذیل ' کے - بعد کو آنے والوں نے اسی پر تکیہ کیا ،
النسوی اور الکاشغری ہر دو نے اس کا اختصار کیا - الذہبی نے اس کی
' تجرید ' (غیر اہم باتیں نکال دینے) پر اکتفا کیا ، العراقی نے اس میں
بہت سے ناموں کا اضافہ کیا -

ابو العباس جعفر بن محمد بن المعتز المستغری کی بھی صحابہ کے بارے
میں ایک کتاب ہے -

۱ - آٹھویں صدی ۵ -

۲ - عبدالله بن محمد ، ف ، ۲۱۰ یا ۲۱۳ ۵۲ -

۳ - عبدالباقی بن قانع ، ف ، ۵۳۵۱ -

۴ - ' النهاية ' کے مصنف = مجد الدين المبارك بن محمد ، ف ، ۵۶۰۶ -

ابو احمد العسكري^۱ نے اپنی کتاب میں صحابہ کی قبیلہ وار ترتیب ملحوظ رکھی ہے -

ابو القاسم عبدالصمد بن سعید الحیمٹھی^۲ نے خاص طور پر ان صحابہ کو لیا ہے جو حیمٹھ میں مقیم ہوئے -

محمد بن الربیع الجیزی نے ان کو لیا ہے جو مصر میں مقیم ہوئے -
المحب الطبری نے 'الریاض النضیرة فی مناقب العشرة' لکھی ہے -

ابو محمد بن الجارود^۳ نے صرف ان صحابہ کو لیا ہے جو 'آحاد' (تنہا ایک حدیث کے راوی) ہیں -

ابو زکریا بن مندة نے 'ارداف' (جو ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے) پر لکھا ہے اور ان صحابہ پر بھی جو ایک سو بیس سال زندہ رہے -

ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ^۴ اور زہیر بن العتلاء العتبی نے نیز چند دیگر مصنفین نے آپ کی ازواج پر لکھا ہے - اس موضوع پر المحب الطبری نے اپنی کتاب کا نام رکھا ہے 'السمط الثمین فی مناقب ائمتہ المومنین' -

ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے آپ کے موالی اور آپ کے کتّاب پر کتابیں لکھی ہیں -

الخطیب نے ان صحابہ کو لیا ہے جنہوں نے تابعین سے روایت کی -

ابو الفتح الازدی^۵ نے ان صحابہ پر لکھا ہے جن سے صرف ایک راوی نے روایت کی -

۱ - الحسن بن عبداللہ ، ف ۵۳۸۲ -

۲ - ف ۵۳۲۳ -

۳ - عبداللہ بن علی ، ف تقریباً ۵۳۲۰ -

۴ - ف ما بین ۲۰۸ ، ۵۲۱۳ -

۵ - محمد بن الحسین ، ف ۳۶۷ یا ۵۳۷۳ -

الاعلان بالتوبيخ

الحافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی نے "الإصابة لا وهام" حصّلت فی معرفة الصحابة لابی نعیم" لکھی ہے جو بڑے حجم کی کتاب ہے۔

ایسی تصانیف جو صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان میں بعد کے لوگوں کو بھی شامل کیا گیا ہے مندرجہ ذیل حضرات کی ہیں :

خليفة بن خيَاط ،

محمد بن سعد ،

يعقوب بن سُفيان ،

ابوبکر بن ابی خيشمہ ، وغيرهم ۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) کی کتاب 'الإصابة' میں تمام متفرق معلومات تحقیق کے ساتھ درج ہیں لیکن وہ ناتمام رہ گئی۔

۴ - تاریخ الخلفاء

خلفاء کی تاریخ سے متعلق یہ ہے کہ ابن الزبیر کو چھوڑ کر صحابہ میں سے چھ خلیفہ ہوئے ہیں ، اور عثمان کو چھوڑ کر [ص : ۹۴] بنو امیہ میں سے مروان تک چودہ ، اور بنو عباس میں سے ہمارے موجودہ وقت تک پچاس سے کچھ اوپر ، نیز اندلس میں بہت سے مروانی خلیفہ ہوئے۔ 'عبیدی فاطمی خلیفہ مصر میں گیارہ ہوئے ، ان میں وہ تین شامل نہیں جو مغرب میں تھے : اول ابو عبداللہ محمد بن الحسن المتہدی ، ۵۲۹۸ میں ان سے بیعت ہوئی۔ یہ قیروان سے برآمد ہوئے ، مقتدر باللہ عباسی کا عہد خلافت تھا جب ان کا ظہور ہوا۔ عباسی خلیفہ بغداد میں تھا ، انہوں نے مغرب میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ دوم ان کے جانشین القائم باللہ اور سوم ان کے بیٹے المنصور۔

۱ - ابو نعیم کی 'معرفة الصحابة' میں جو غلطیاں واقع ہوئی ہیں ان کی تصحیح۔

۲ - ابوبکر رض ، عمر رض ، عثمان رض ، علی رض ، حسن رض ، معاویہ رض ۔

سب نے مصر میں اقامت اختیار کی۔ چنانچہ وہاں سب سے پہلے المعز لدين الله ابو تميم المعد بن المنصور اسماعيل بن محمد المهدوي بقم ہوئے۔ ۵۳۴۱ میں مہدیؑ میں ان کے والد المنصور کے بعد ان کو خلیفہ بنایا گیا اور بیعت ہوئی۔ ۵۳۵۸ میں یہ مصر کی طرف بڑھے اور اس پر قابض ہو گئے۔ انہیں نے قاہرہ کی بنا ڈالی اور انہیں کی نسبت سے اسے 'القاہرۃ المعیزۃ یثۃ' کہا جاتا ہے۔ ان کا سنہ ولادت ۳۱۹ ہے، ۴۵ سال اور نو مہینے زندہ رہے، ربیع الآخر ۵۳۶۵ میں اپنی موت مرے اور مصر کے 'قرافہ' میں دفن ہوئے۔ آخری فاطمی خلیفہ العاضد لدين الله ۵۵۶۷ میں اپنی موت مرے اور محل میں دفن ہوئے اس جگہ جو قاہرہ میں دارالضرب کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اپنے ایک رسالے میں یہ سب باتیں لکھ دی ہیں، یہاں ان کی تحقیق کا موقع نہیں۔

(فائدہ) ابن خلدون اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بنی عبید جو مصر میں خلیفہ تھے اور فاطمیین کے لقب سے مشہور ہوئے ان کا علی رض کی اولاد میں سے ہونا صحیح ہے۔ اس بارے میں ان کی رائے دوسروں سے مختلف تھی۔ یہ جو اماموں سے منقول ہے کہ انہوں نے بنی عبید کے نسب کو جھوٹا قرار دیا اسے ابن خلدون نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ اماموں نے محض خلیفہ عباسی کے خیال سے ایسا محض لکھا تھا۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) کا کہنا ہے کہ ابن خلدون آل علی سے برگشتہ تھے اور فاطمیین کے نسب کا ان کے ساتھ اس لیے جوڑ ملاتے تھے کہ فاطمیین بد عقیدہ مشہور تھے، بعض تو ان میں سے زندیق کہلاتے تھے اور خدائی کا دعویٰ کرتے تھے جیسے الحاکم، اور بعض مذہب ریفض میں حد درجہ متعصب تھے یہاں تک کہ ان نے دور میں سنتیوں کی بڑی بڑی جماعتیں قتل کر دی گئیں۔ یہ لوگ اپنی مسجدوں اور محفلوں میں صحابہ کو کہلم کہلا گالیاں بھی دیتے تھے۔ پس جب ان کا یہ 'برا حال ہو اور یہ بھی صحیح قرار

۱۔ مشہور قبرستان۔

ہائے کہ فی الحقیقت وہ آل علی میں سے ہیں تو ساری برائی آل علی [ص : ۹۵] کے سر منڈھ جاتی ہے اور ان سے نفرت کا سبب بن جاتی ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں محفوظ رکھے ۔

’سیر الخلفاء‘ (خلفاء کے سوانح) کے مصنفین میں ابو بکر محمد بن احمد بن حماد الدولابی^۲ اور ابوبکر بن ابی الدنیا ہیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جیسے ابوبکر محمد بن زکریا الرازی^۳، مصنف المنصوری، وغیرہ، خیال ہے کہ ان کی سیر الخلفاء بھی ہے ۔ بعد کے مصنفین میں ناصر الدین بن دقماق اور التقی المتقریزی ہیں جن کی تصنیف ’اتعاظ الخلفاء باخبار الخلفاء‘ ہے ۔ ان کے بعد کچھ اور لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے تاریخ کی خدمت کی ہے :

ابو الحسن علی بن محمد بن ابی السرور عبدالعزیز السروجی کی ’بُلغۃ النظرۃ فی تاریخ الخلفاء‘ ہے اور

بیبرس الدوادار^۴ کی ’اللطائف فی اخبار الخلفاء‘ کئی جلدوں میں ہے ۔ ابو الفضل احمد بن ابی طاہر التمرؤزی الکاتب^۵ کی ’اخبار الخلفاء‘ ہے الصوری کی ’الاوراق فی اخبار خلفاء ابی العباس و اشعارہم‘ ہے ۔

بہت سے عباسی خلفاء پر مستقل کتابیں ہیں ۔ میں نے العباس اور الاماموں کے مناقب لکھتے وقت ان کی نشاندہی کی ہے ۔ ابوالعباس المعتضد پر بھی دو تصنیفیں ہیں ۔

- ۱ - لفظ ص ۷۱ سبق ۔
- ۲ - ف ۳۲ (السمعی) یا ۳۱۰ (ابن حجر : لسان) یا ۳۰۱ (الذہبی : الحفاظ) ۵ ۔
- ۳ - مشہور فلسفی و طبیب ، ف ۵۳۱۳ ۔
- ۴ - ف ۵۷۲۵ ۔
- ۵ - احمد بن ابی طاہر طیفور ، ف ۵۲۸۰ ۔ اخبار الخلفاء ہی کا دوسرا نام تاریخ بغداد ہے ، لفظ ص ۱۲۳ لفق ۔

عباسیوں (کی تاریخ) کو نظم بھی کیا گیا ہے : ابو محمد جعفر بن احمد بن الحسن السراج^۱ کا ایک ارجوزہ (نظم بحر رجز میں) ہے ، بعد ازاں ذہبی کے چند ابیات ہیں ۔ الشمس مجد بن احمد الباعونی نے بھی ایک نظم لکھی ہے ”تحفة الشُّرَفَاءِ فِي تَوَارِيخِ الْمُلُوكِ وَالْخُلَفَاءِ“ جس میں وہ الاشرف برسبای تک پہنچ کر رُکے ہیں ۔ اس کے شروع میں وہ کہتے ہیں : ”بعد ازاں (بعد از حمد) کہنا یہ ہے کہ تاریخ [وہ عام ہے جس] کے مراتب بہت اونچے ہیں اور مخاوق میں اس کا مقام بہت بلند ہے ، اس میں جو فائدے ہیں وہ معلوم ہی ہیں ، اس سے زیادہ اور کیا کہ امام شافعی کا قول صحیح روایت کے ساتھ منقول ہے کہ ”جو تاریخ یاد کرے گا اس کی سمجھ میں اضافہ ہوگا“^۲ یہ بالکل ظاہر بات ہے جس کی سچائی میں کوئی شک نہیں اور اس کی حقیقت چھپی ہوئی نہیں^۳ ۔ ان کی نظم کا ذیل ان کے بھتیجے البہاء مجد ابن القاضی الجمال یوسف^۴ نے لکھا ہے اور مغلطان وقت کی لمبی چوڑی تعریفیں کی ہیں ۔ اس کا آغاز وہ اپنے اس قول سے کرتے ہیں :

۱ - ف ۵۰۰ یا ۵۰۱ یا ۵۵۰۲ ۔

۲ - اصل تصحیح طلب ہے ۔

۳ - لحظ ص ۱۵ سبق ۔

۴ - نظم کے ابیات یہ ہیں :-

و بعد فالتاریخ سام شرفه
عالية بین الانام غرفه
و فيه بما فيه من المنافع
حتى لقد قال الامام الشافعي
في خبر قد صح عنه نقله
من حفظ التاريخ زاد عقله
وهو كلام ظاهر لاشكت في
صحته و سره غير خفي

۵ - ف ۵۹۱۰ ۔

و بعد فالتاریخ و الاخبار
عیلم له فی المیلّة اعثیبار

بعد ازان ، کہنا یہ ہے کہ تاریخ اور اخبار وہ علم ہے جس کا ملت میں
بڑا لحاظ کیا جاتا ہے

وقد کفّی فیہ من البُرہانِ
ما جاءنا من قصص القرآنِ

اس کے حق میں کافی دلیل ہے وہ قصے جو قرآن میں ہم تک
پہنچے ہیں

ابن ابی البقاء نے ایک جلد میں خلفا پر ارجوزہ لکھا ہے ۔

[ص : ۹۶] احمد بن یعقوب المصری^۱ اور عبد اللہ بن الحسین بن
سعد الکاتب نے عباسی اور دوسرے خلفا کے اخبار لکھے ہیں ۔

مجد بن صالح بن میسران بن النطّاح^۲ الاخباری^۳ النّسّابیہ
(اخبار و انساب کے ماہر) نے بھی حکومت عباسیہ وغیرہا کے اخبار پر
لکھا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس حکومت
کی خبروں سے متعلق کتاب لکھی ۔

ایک اور نے بھی خلفا کی تاریخ اور بنو امیّہ اور بنو عباس دونوں
کی حکومتوں کی خبریں لکھی ہیں ۔

علی بن مجاہد^۴ اور خالد بن هشام الامتوی نے امتوی اور دوسرے
خلفا کی خبریں لکھی ہیں ۔

عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر بہتوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔

الجمال مجد بن علی العیمشرانی^۵ نے 'الانبياء فی تاریخ الخلفاء

۱ - ہو سکتا ہے کہ الیعقوبی (ف ۲۸۴ یا بعد ۲۹۲ء) مراد ہوں ۔

۲ - ف ۵۲۵

۳ - ف ۱۸۲

۴ - چھٹی صدی ھ

تالیف کی - اس پر [المستعصم بالله کے عہد کے خاتمہ تک ظہیر الدین
الکازرُونی نے، اور ان کے بعد] ان کے بیٹے سدید الدین یوسف بن
الظہیر نے ذیل لکھا -

خلفا فاطمیین پر بھی کچھ لوگوں نے لکھا ہے -

ابو طالب علی بن انجب البغدادی الخازن نے 'مناقب الخلفاء'
'تاریخ نساء الخلفاء' (خلفاء کی بیگمات کی تاریخ) اور 'سیرة الخليفة
الناصر' تالیف کی ہیں -

العماد الكاتب نے "نصرة الفيترة و عصرة الفيطرة في اخبار بنی
سلجوق و دولتهم" لکھی ہے -

ابو الحسن علی بن ابی منصور الازدی المالکی نے بھی 'اخبار الملوك
السلجوقية' لکھی ہے -

ابوبکر یحییٰ بن محمد بن یوسف الانصاری الغرناطی^۲ نے 'تاریخ الدولة
اللمثونية' لکھی ہے اور ۷

ابو اسحاق ابراہیم بن ہلال الصابی^۳ نے کچھ حالات بنی بویہ
دیشم کی حکومت کے لکھے ہیں جو ۴۳۲ میں ختم ہوئی اور مقریزی
نے فاطمیوں کی حکومت کی خبروں پر تبصرہ کیا ہے اور سلجوقیوں کی
حکومت پر لکھا ہے جو ۵۹۰ میں ختم ہوئی^۴ -

عبدالله بن السعشع^۵ کی تصنیف 'اشعار الخلفاء و الملوك' ہے -

۱ - اصل 'المطهر' - عبارت بن القوسین اصل میں نہیں - تصحیح کے
لیے عباس عزاوی نے اضافہ کی ہے -

۲ - ف ۵۵۵۷ -

۳ - ف ۵۳۸۴ -

۴ - اصل عبارت یوں ہے "الصابی نے 'اخبار الدولة الفاطمية' لکھی
ہے اور مقریزی نے بنو بویہ دیلم کی حکومت کے کچھ حالات پر
تبصرہ کیا ہے" -

۵ - ف ۵۲۹۶ -

۵۔ بادشاہوں کی تاریخ

بادشاہوں سے متعلق یہ ہے کہ محمد بن عبدالملک الہمدانی نے بادشاہوں اور حکومتوں کی تاریخ اکٹھی کی ہے۔

الجمال ابوالحسن علی بن منصور الازدی نے 'الدُّوَلُ الْمُنْقَطِعَةُ' لکھی ہے جو اپنے موضوع پر نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دو کتابیں اور ہیں 'بدائع البدائہ' اور 'اساس البلاغۃ'۔

اور ہاں! 'اخبار الملوک السلجوقیۃ' جس کا ذکر ابھی گذرا اور 'اخبار الشجعان' جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ابن ہشام کی 'الیتیجان فی اخبار ملوک الزمان' ہے۔ انہوں نے اس کا ذیل بھی لکھا ہے۔

محمد بن الحارث الثعلبی کی 'اخلاق الملوک' ہے جو انہوں نے فتح بن خاقان کے لیے تالیف کی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی اور کتابیں بھی ہیں۔

ظافر بن حسن الازدی^۲: 'اخبار الدُّوَلِ الْاِسْلَامِیَّةِ'

الغرناطی: "الْاِخْبَارُ وَالْاِیْعْلَامُ فِی دُوَلِ الْاِسْلَامِ فِی رِبَاطِ الْمَوْفِقِ"

ابراہیم بن ہلال الصّیّابی الکافر: 'اخبار الدولة البویہیۃ' جو انہوں نے عضد الدولة کے لیے تیار کی تھی۔

[ص: ۹۷] ابو محمد بن زُولاق المصری^۳ کی دو کتابیں ہیں: سیرت ابن طُولون کی، اور ان کے بیٹے خُمارویہ کی۔

۱۔ اصل میں 'الثعلبی' ہے۔

۲۔ بظاہر یہ والد ہیں علی بن ابی المنصور ظافر بن الحسین الازدی کے جو 'الدُّوَلُ الْمُنْقَطِعَةُ' کے مصنف ہیں۔ اس جگہ ان کا ذکر مکرر اور غلط معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ الحسن بن ابراہیم، ف ۵۳۸۷۔

اخشید مجد بن طُنُجُج اور الصلاح یوسف بن ایوب کی سیرت بہتوں نے لکھی ہے -

انطاہر بَیْبَرَس کی سیرت العیز بن شداد^۱ اور ان کے کاتب معی الدین بن عبدالظاہر^۲ نے لکھی ہے -

ابو شامہ : 'الر و ضتین فی اخبار الدہ و لتین' الظاہر بَرَّ قُوق کی سیرت ابن دُقُمَاق نے لکھی ہے -

المویَّد کی سیرت ہمارے شیخ العیثی اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی لکھی ہے -

الظاہر طَطَطَر ، الاشراف بَرَسْبای اور الظاہر جَقْمَق کی سیرتیں بہتوں نے لکھی ہیں -

بعض نے بادشاہوں کے مناقب اور ان کی خصالتوں پر بھی لکھا ہے -
مجد بن الہیشم بن شجابه نے 'کتاب الدولہ' لکھی ہے -

۶ - وزیروں کی تاریخ

وزرا سے متعلق ابوبکر الصغولی کی کتاب ہے - اس میں ایسی عجیب باتیں ہیں جو کسی اور مصنف کے یہاں نہیں پائی جاتیں - کچھ باتیں ان کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اس لیے کہ ان کی چشم دید ہیں - اس پر مجد بن عبدالملک الہثمثانی نے ذیل لکھا ہے -

ابو الحسن علی بن الحسن بن الماشیطہ^۳ نے بھی 'اخبار الوزرا' لکھی ہے ، اس میں وہ الراضی کے عہد کے خاتمے پر پہنچ کر رُکے ہیں - مندرجہ ذیل نے بھی وزرا کی تاریخیں لکھی ہیں :-

ابو الحسن علی بن الحسن بن الفتح الکاتب ، معروف بہ ابن

۱ - مجد بن ابراہیم ، ف ۵۶۸۴ -

۲ - عبداللہ بن عبدالظاہر ، ف ۵۶۹۲ -

۳ - ف بعد ۵۳۱ -

الاعلان بالتوبيخ

المطوق^۱، ابو الحسين هلال بن المحسن بن ابراهيم الصبّابی^۲، اور منجملہ دیگر مصنفین کے ابراہیم بن موسیٰ الواسطی، انہوں نے اپنی کتاب مجد بن داؤد بن الجراح^۳ (کی کتاب) کے نمونے پر لکھی ہے۔ اور ہاں! ابن المطوق نے تو المقتدر کے بہت سے وزرا کے اخبار لکھے ہیں۔ ابو طائب بن انجب الخازن نے 'اخبار الوزراء فی دول الائمة الخلفاء' تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب الزینبی بن ظہیر^۴ کے پاس ہے۔ اس کے شروع میں وہ کہتے ہیں کہ: عباسی خلفاء نے سب سے پہلے وزیر مقرر کیے۔ بنی امیہ مالی امور اور لگان کی وصولی اور قسط بندی کا کام صوبوں کے امیروں کے واسطے سے مقامی کاتبوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ شام کے دفاتر رومی زبان میں تھے، مصر کے دفاتر قبطی زبان میں، اور عراق کے دفاتر فارسی زبان میں۔ کاتب بلا استثنا نصرانی اور مجوسی تھے۔ عبدالملک بن مروان کے عہد میں سلیمان بن سعد^۵ نے شام کے دفاتر عربی میں بدل ڈالے۔ بنو امیہ کوئی وزیر نہیں مقرر کرتے تھے بلکہ عرب سرداروں میں سے کسی ایسے ادیب کو چن لیتے تھے جس کی رائے اور تدبیر سے فائدہ اٹھایا جائے۔ (۵ ق)

ابو القاسم علی بن سنجیب الصبیہ^۶ کی تصنیف خاص طور پر مصر کے وزرا سے متعلق ہے۔ ایک مصری نے المستنصر کے وزیر، ابو الحسن علی بن عبدالرحمن الیازوری^۶ کی سیرت لکھی ہے۔

۷ (۱)۔ کاتبوں کی تاریخ

ابن الاثیر نے کاتبوں پر لکھا ہے۔

- ۱ - مسعودی کا معاصر۔
- ۲ - ف ۵۴۴۸۔
- ۳ - ف ۵۲۹۶۔
- ۴ - اصل: 'سعد القضاء' (?)۔
- ۵ - ف ۵۵۴۲۔
- ۶ - ف ۵۴۵۰۔

۷ (ب)۔ امیروں کی تاریخ

[ص : ۹۸] ابو عُمَرَ الكِنْدِي کی تصنیف خاص طور پر مصر کے امیروں سے متعلق ہے۔ ایک مصنف نے جس سے میں نے استفادہ کیا تیمور مغرور کے اخبار لکھے ہیں۔

العماد بن کثیر نے 'سیرة منکلی بنفا' لکھی ہے۔

۸۔ فقہا کی تاریخ

عام فقہا پر ابو اسحاق الشیرازی کی تصنیف ہے جو بہت مختصر ہے۔ قاضی ابو محمد عبد الوہاب بن محمد الشیرازی^۳ نے بھی 'تاریخ الفقہا' لکھی ہے۔ الباجی^۴ کی بھی ایک کتاب ہے۔ اوروں کی تصانیف بھی ہیں۔ محمد بن عبد الملک الہثمثانی الشافعی کی 'طبقات الفقہا' ہے۔

خاص طور پر شافعی فقہا کی بابت بہت سے لوگوں کی تصانیف ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابو حفص عمر بن علی المَطْوَوِّعی الادیب^۵ ہیں جن کی کتاب کا نام "المُتَذَّهَبُ فی ذکر شیوخ المَذَّهَبِ" ہے۔ ان کے بعد قاضی ابو الطَّیِّب نے ایک چھوٹی سی کتاب 'مَوَلِدِ الشَّافِعِی' (شافعی کی پیدائش) پر لکھی اور اس کے آخر میں ان کے اصحاب میں سے ایک خاصی تعداد کے نام درج کیے۔ ان کے بعد ابو عاصم العَبَّادِی^۶

۱۔ محمد بن یوسف، ف ۵۳۵۔

۲۔ اتابک دمشق، ف ۵۷۷۴۔

۳۔ ف ۵۵۰۰۔

۴۔ سلیمان بن خلف، ف ۵۴۷۴۔

۵۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ادیب ہوں جن کا ذکر ثعالبی کی یتیمۃ

الدھر (۳۱۱/۴) میں ہے۔

۶۔ محمد بن احمد، ف ۵۴۵۸۔

الاعلان بالتومخ

نے 'الطبقات' تیار کی جو بہت چھوٹی کتاب ہے چند کُراسوں^۱ میں۔ ان کے بعد ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجرجانی الحافظ^۲ اور ان کے بعد محدث ابو الحسن بن ابی القاسم بیہقی، معروف بہ فندق^۳ ہیں جن کی کتاب 'وسائل الالاشعی' فی فضائل الشافعی ہے۔ ان کے بعد ابو النجیب سہروردی^۴ ہیں جن کا اس موضوع پر ایک مجموعہ ہے۔ ان کے بعد ابو عمرو بن الصلاح نے ایک کتاب تیار کی لیکن وہ اس کی تکمیل سے قبل ہی انتقال کر گئے تو النووی نے اس کو لے کر مختصر کیا اور کچھ نام اس میں بڑھائے مگر وہ بھی اس کی 'تبیض' (مسودہ کو صاف کرنے) سے پہلے چل بسے، چنانچہ المیزنی نے اس کو آخری شکل دی۔ ان کے بعد العماد بن باطیش^۵ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ ان کے بعد العیاد بن کثیر نے ایک بڑی موٹی جلد کی کتاب لکھی اور اس کا العقیف المطبری^۶ نے ذیل لکھا۔ الجمال الاستوی^۷ نے ایک مستقل کتاب لکھی اور 'المہیمات' کے شروع میں بھی بہت سے فقہا کا تذکرہ کیا۔ ان سے پہلے ان کے ماموں، سلیمان بن جعفر الاستوی^۸ نے 'طبقات الشافعیہ' لکھی اور اس کا مسودہ ہی تیار کر پائے تھے کہ انتقال کر گئے۔ التاج بن الشبکی کی اس موضوع پر تین کتابیں ہیں، ایک بڑی، ایک چھوٹی، اور ایک درمیانی۔ السراج

- ۱ - کُراسۃ - اوراق کے چھوٹے جزو جن کو باندھ کر جلد بنائی جاتی ہے۔
- ۲ - ف ۵۴۸۹۔
- ۳ - علی بن زید، ف ۵۵۶۵۔
- ۴ - عبدالقاهر بن عبداللہ، ف ۵۵۶۳۔
- ۵ - اسماعیل بن ہیبة اللہ، ف ۵۶۵۵۔
- ۶ - عبداللہ بن محمد بن احمد بن خلف، ف ۵۷۶۵۔
- ۷ - عبدالرحیم بن الحسن، ف ۵۷۷۲۔
- ۸ - ف ۵۷۵۶۔

بن المُلْتَقِّن^۱ نے ایک مستقل کتاب لکھی اور ابن السَّبْئِکِی کی طبقات سے لے کر الایمنوی کی کتاب کا ایک جداگانہ ذیل تیار کیا۔ التَّقِی بن قاضی شُهْبَه اور بعض شامیوں نے بھی مستقل کتابیں تیار کیں۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) کے پاس ابن السَّبْئِکِی الوُسْطَی (درمیانی کتاب) کا نسخہ تھا اس کے حاشیے پر انہوں نے بہت سی باتیں بڑھائیں اور میں نے ان کو ایک جلد میں مستقل کتاب کی شکل دے دی۔ القُطُوب الخَیْضَرِی^۲ نے ان کو اصل کے ساتھ ملا دیا اور اپنی طرف سے زائد باتوں کا جداگانہ تالیف کی شکل میں اضافہ کیا۔ میرے پاس اس موضوع سے متعلق اشخاص کی اتنی بڑی تعداد اکٹھی ہو گئی ہے کہ اگر میں ایک ایک پر لکھنا چاہوں تو بہت بڑا کام ہوگا۔ خدا مجھے اس کی توفیق دے۔

[ص : ۹۹] (فائدہ) شافعی کے قدیم (مذہب) کے راوی چار ہیں : الزَّعْفَرَانِی^۳ ، ابو ثَوْر^۴ ، احمد (بن حنبل) اور الکُتَابِی^۵۔ جدید (مذہب) کے راوی چھ ہیں : المُزَنِی ، الرَّبِیْع الجِیْزِی^۶ ، الرَّبِیْع المُرَادِی^۷ ، البُؤْ یَطِی ، حَرْمَلَةُ^۸ ، اور یونس بن عبدالاعلیٰ^۹۔ ان کے مذہب کو دمشق میں سب سے پہلے ابو زُرْعَةَ مَجْد بن عثمان بن

-
- ۱ - ف ۵۸۰۔ ان کی کتاب کا نام 'العقد المذہب فی طبقات حملہ المذہب' ہے۔
 - ۲ - مجد بن مجد بن عبد اللہ ، ف ۸۲۱۔
 - ۳ - الحسن بن مجد ، ف ۵۲۶۔
 - ۴ - ابراہیم بن خالد ، ف ۵۲۴۔
 - ۵ - الحسین بن علی ، ف ۲۳۸ یا ۲۳۵۔
 - ۶ - الربیع بن سلیمان ، ف ۵۲۵۔
 - ۷ - الربیع بن سلیمان ، ف ۵۲۷۔
 - ۸ - حرملة بن یحیی ، ف ۵۲۳۔
 - ۹ - ف ۵۲۶۔

الاعلان بالتوبیخ

ابراہیم الشَّقْفِی الدَّمَشْقِی نے متعارف کیا۔ اس سے پہلے وہاں آوزاعی کا مذہب چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ ابو زُرْعَةُ پر اس شخص کو جو 'مختصر المُرْنِی' حفظ کر لے سو دینار انعام دیتے تھے۔ وہ احمد بن طولون کی طرف سے مصر اور پھر دمشق میں عدالت کے سربراہ رہے اور ۳۰۲ میں فوت ہوئے۔ ماوراء النہر میں شافعی کی فقہ امام محمد بن علی بن اسماعیل القَفَّال الکبیر الشَّاشِی کے ذریعہ پھیلی۔ ان کی وفات ذی الحجہ ۵۳۶۵ میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔ سَرُو اور خراسان میں شافعی مذہب احمد بن سَیَّار کے بعد ابو محمد عَبْدَان بن محمد بن عیسی المرُوزی الحافظ کی بدولت پروان چڑھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ابن سَیَّار شافعی کی کتابیں لے کر سَرُو پہنچا۔ لوگوں نے ان کتابوں کو بہت پسند کیا۔ عَبْدَان نے بھی ان میں سے چند کتابیں دیکھیں اور انہیں اپنے لیے نقل کرنا چاہا لیکن ابن سَیَّار نے نقل کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس پر انہوں نے اپنی زمین بیچی اور مصر گئے، وہاں شافعی کے اصحاب، الرَّبِیع وغیرہ سے ملے اور شافعی کی کتابوں کے نسخے حاصل کر کے سَرُو واپس لوٹے۔

ابن سَیَّار اس وقت تک زندہ تھے۔ عَبْدَان نے عرفہ کی شب ۵۳۹۳ میں وفات پائی۔

ابو عَوَانة یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نِیسَا پوری اِسْفَرَاہِی، 'الصَّحِیح المُسْتَخْرَج علی مُسَلَّم' کے مصنف ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شافعی کے مذہب اور ان کی تصانیف کو اِسْفَرَاہِی میں روشناس کرایا۔ انہوں نے الرَّبِیع اور المُرْنِی سے سند حاصل کی تھی۔ ان کی وفات ۵۳۱۶ میں ہوئی۔

ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل بن یوسف السُّلَمِی السَّرْمِذِی مصر سے شافعی کی کتابیں لے کر گئے، انہیں سے اسحاق بن زید نے

۱ - ف ۵۲۶۸ -

۲ - اسحاق بن ابراہیم، ف ۲۳۸ یا ۵۲۳ -

۳ - مسلم کی بنیاد پر تیار کردہ مجموعہ احادیث -

نقلیں حاصل کیں اور ان کی بنا پر اپنی 'الجامع الكبير' تصنیف کی۔ انہوں نے البسویثی سے سند حاصل کی تھی۔ ان کی وفات ۵۲۸۰ میں ہوئی۔

بیشتر ممالک میں شافعی کا مذہب ابن سُرَیج کی سند سے پھیلا ہے۔

الربیع بن سلیمان نے ۲۴۰ میں حج کیا۔ اس وقت وہ مکے میں ابو علی الحسن بن محمد الزعفرانی سے ملے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو [ص: ۱۰۰] سلام کیا اس کے بعد الربیع نے کہا: ابو علی! تم مشرق میں اور میں مغرب میں ہم دونوں اس علم، یعنی شافعی کے علم، کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

الربیع المرادی کا کہنا ہے کہ میں نے تمام خراسانیوں کو شافعی کی کتابیں روایت کرنے کی اجازت دی۔

عبدالملک البغدوی کہتے ہیں: میں نے ابن طولون کے لیے پانچ سو دینار کے عوض شافعی کی کتابوں کے نسخے لکھے۔

ابو محمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب الفامی نے بھی فقہا پر لکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ حنفی فقہا ہیں اس لیے کہ ابن القدوری الحنفی کے ترجمہ (حالات زندگی) میں ان کی کتاب سے اقتباس کیا گیا ہے۔

محمی الدین عبدالقادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ القرشی الحنفی نے بھی طبقات الحنفیہ تالیف کی ہے اور اس کا نام رکھا ہے 'الجواهر الموضیئة فی طبقات الحنفیة'۔ اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب 'الوفیات' بھی ہے۔ المجد اللغدوی^۲، مصنف 'القاموس' نے طبقات کا مختصر نکالا۔

۱ - احمد بن محمد، ف ۵۳۲۸ -

۲ - محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، ف ۵۸۱۷ -

القُرشي سے پہلے محدث ابن المُہندس^۱ نے طبقات تالیف کی تھی اور ان کے بعد مورخ ابن دُقشماق نے اور پھر البدر العیثی نے اور دیگر کئی اہل قلم نے۔ اور ہاں ! قُرشی کی ایک کتاب 'تہذیب الاسماء الواقعیة فی الهدایة و الخُلاصة' بھی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انہوں نے النَوَوی (رح) کی تقلید کی ہے۔

فقہا مالیکہ پر قاضی عیاض نے 'المدارک' لکھی ہے اور وہ بڑی جامع کتاب ہے جسے انہوں نے طبقات پر مرتب کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت سے لوگوں کی پیروی میں جن کے انہوں نے نام دیے ہیں، انہوں نے بھی مالک سے روایت کرنے والوں پر ایک مستقل کتاب لکھی جو ۱۳۰۰ سے زیادہ اسمی پر مشتمل ہے۔ گو مجتہد اور مقلد کو اس جیسی کتاب کی سخت ضرورت ہے اور فقہ اور اس کے فنون سے دلچسپی رکھنے والا بھی اس کے مضامین کا محتاج ہے، اس فن میں ان سے پہلے کوئی جامع کتاب نہیں نکھی گئی، اور نہ کوئی دلپسند تصنیف خاص اس فن میں ایسی ہوئی جو طالب کی مقصد پر آری کرے اور ایک شخص جو کوئی بات تلاش کر رہا ہو اس کا مطلب پورا کرے۔ صرف وہ کتابیں ہیں جو عبد اللہ بن محمد بن ابی دُلَیْشَم^۲ اور محمد بن حارث القُرَوِی^۳ نے اس موضوع پر تالیف کیں۔ ان دونوں کا زمانہ بہت قدیم ہے۔ مزید وہ اقتباسات ہیں جو شیخ فیروز آبادی^۴ نے اپنی 'مختصر' میں مالکی فقہا کے تذکروں کے اثنا میں درج کیے ہیں۔ ان سب کتابوں سے ذرا بھی پیاس نہیں بجھتی اور ان میں جو لچو ہے وہ دریا میں قطرے کے برابر ہے۔ البتہ ابن ابی دُلَیْشَم نے جہاں تک ممکن ہو ممالک مصری اور اندلسی اور بہت سے قیروانی راویوں کے مغربی تابعین

۱ - عبد اللہ بن محمد، ف ۵۶۹۱۔

۲ - ف ۵۳۵۱۔

۳ - ف ۵۳۷۱۔

۴ - ابو اسحاق شیرازی جو بیشتر فیروز آبادی کہلاتے ہیں۔

سلسلے میں کتاب کو اچھی خاصی وسعت دی ہے لیکن وہ صرف ان کے طبقات اور ان کے نام بتاتے ہیں، ان کی خبریں اور ان کے حالات درج نہیں کرتے۔ ان کے یہاں حجازیوں اور مشرقیوں میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں حالانکہ ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور ان کے ناموں میں [ص: ۱۰۱] بڑی کثرت ہے۔ ناموں کا اہتمام کرنا، بقول ابواسحاق النجیبی^۱، صحیح یاد رکھنے کی سب سے مقدم چیز ہے، اس لیے کہ لوگوں کے ناموں میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ان کے آگے پیچھے کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو ان کے سلسلے میں کوئی رہنمائی کرے۔

قاضی عیاض نے ایک ٹکڑا اس قسم کی باتوں سے متعلق لکھا ہے نیز بہت سی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مطالعہ کی تھیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مصنفین کی کتابیں ہیں:

قاضی الزُّبَیر بن بَکَّار ، ۱

ابوبکر بن حَیَّان ،

قاضی وکیع^۲۔ قاضیوں کی بابت ،

الطَّبَّری ،

الصُّوَلی ،

ابو کامل ،

ابو عُمَرَ الکِنْدِی ،

ابن یونس ،

تاریخ ابو عمر الصَّمدِی القُرطُبی^۳ ،

ابو عبد اللہ بن حارث ، قیسر وانیوں اور اندلسیوں کی بابت ،

۱ - ابراہیم بن عبد اللہ - چوتھی صدی ھ -

۲ - محمد بن خلف ، ف ۶ . ۵۳ -

۳ - احمد بن سعید بن حزم ، ف ۵۳۵ -

- ابو العَرَب التيمي ۱ ،
 ابو اسحاق الرقيق الكاتب ۲ ،
 ابو علي بن البصري ،
 ابوبكر بن ابي عبدالله المالكي ۳ ، قيروانيون کی بابت ،
 اندلسیوں کی تاریخوں میں سے مندرجہ ذیل کی کتابیں :-
 ابو عبدالملک بن عبدالبر ۴ ،
 ابو عمر بن عفيف ۵ کی ' الاحْتِيفال ' ،
 ابو القاسم بن مُفَرِّح (مُفَرِّج ؟) کی ' الانتخاب ' -
 قاضي ابو الوليد بن الفَرَضِي ،
 تاريخ ابو مروان بن حَيَّان ۶ ،
 تاريخ الرازي ۷ ،

احمد بن عبدالرحمن بن مُظَاهِر ۸ ، طُلَيْطَلَة والوں کی بابت اور
 ان کے علاوہ ۹ بھی بہت سے لوگوں کی بابت -

بعد والوں نے تمام تر ' مدارک ' پر تکیہ کیا ہے - بہتوں
 نے اس کے ' مختصر ' مرتب کیے ہیں جن میں سے ان کے شاگرد
 ابو عبدالله بن حماد السبثی ہیں - بعد - ان کے شاگردوں میں

- ۱ - محمد بن احمد ، ف ۳۳۳ ھ
- ۲ - ابراہیم بن القاسم - ۳۰۰ ھ کے آس پاس -
- ۳ - عبدالله بن محمد چوتھی صدی ھ -
- ۴ - احمد بن محمد ، ف ۳۳۸ ھ -
- ۵ - احمد بن محمد ، ف ۳۲۰ ھ -
- ۶ - حیّان بن خلف ، ف ۳۶۹ ھ -
- ۷ - احمد بن محمد بن موسیٰ ، ف ۳۳۳ ھ -
- ۸ - ف ۳۸۹ ھ -
- ۹ - ' سود جملة ' کے بجائے ' سوی هذه جملة ' پڑھیے ، جیسا کہ
 مدارک میں ہے -

آسانی کی غرض سے اس کو حروف پر مرتب کیا ہے ، جو تقریباً دو کسراؤں میں ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں : ایک میں مالک کے اصحاب ہیں اور دوسری میں ان کے علاوہ اور لوگ ۔

قاضی بُرہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون نے 'الطَّرَازُ الْمُدَّهْتَبُ' میں صرف بڑے بڑے مالکیوں کو لیا ہے جن کی تعداد تقریباً چھ سو ہے اور ان میں حروف مُعْتَجَم کے لحاظ سے ترتیب قائم کی ہے ۔ میں نے بھی مالکیوں سے متعلق ایک جامع کتاب کا مسودہ تیار کیا ہے اس سے پہلے میں نے ابن فرحون کی کتاب کو کارآمد طریقہ پر ترتیب دیا اور ابن فرحون سے جو کچھ چھوٹ گیا تھا اسے 'مدارک' سے نکال کر جداگانہ کتاب کی شکل دی ۔ یہ دونوں کام علاحدہ ایک ایک جلد میں ہیں ۔

ابو محمد عبداللہ بن مسہل القُضَاعِي کا بھی ایک جزء کا چھوٹا سا رسالہ ہے جو مالکی مذہب کے مشہور لوگوں پر مشتمل ہے ۔

حنبلی فقہاء سے متعلق مندرجہ ذیل نے لکھا ہے :-

ابو الحسین محمد بن ابی یَعْتَلِيّ محمد بن الحسین بن الفرّاء^۱ ، جو خود قاضی تھے اور ان کے باپ بھی قاضی تھے ،

ابو علی بن البَنَّاء ،

حافظ ابو البتّرج بن الجوزی ،

[ص : ۱۰۲] حافظ زین الدین بن رَجَب^۲ نے ابن الفرّاء کی کتاب کا ذیل لکھا ہے ۔ ذیل بھی اصل کی طرح طبقات کی طرز پر ہے ۔ ہمارے دوست ابن فہمّٰد نے ان دونوں کو دو جداگانہ کتابوں میں حروف کے مطابق مرتب کیا ہے ۔

شیخ المذہب العیز^۳ الکینانی نے حنبلیوں کو یکجا کرنے کی

۱ - ف ۵۲۶ -

۲ - عبدالرحمن بن احمد ، ف ۵۷۵ -

۳ - ولادت ۵۸۰۰ -

کوشش کی ، چنانچہ انہوں نے حنبلیوں پر ایک جامع کتاب مرتب کی لیکن وہ کانٹ چھانٹ کر کے اسے آخری شکل دینے کا کام مکمل نہ کرسکے ۔

۹۔ قاریوں کی تاریخ

قاریوں پر جنہوں نے لکھا ہے وہ یہ ہیں :

ابو عمرو الدانی^۱ ،

ابوبکر احمد بن الفضل بن محمد بن احمد بن محمد بن جعفر الباطنی^۲ ،
الذہبی کی کتاب بہت بڑی ہے ۔ اس پر التاج بن مکتوم^۳ نے ایک
ایک جزء کا ذیل لکھا ہے جو بیس افراد پر مشتمل ہے ۔

ابن الجزری^۴ نے ذہبی کی کتاب کو لے کر اس میں بہت سے
اضافے کیے : ' تراجم ' (تذکروں) میں بہت کچھ بڑھایا اور مستقل
تراجم کا اضافہ بھی کیا ۔ میں نے اس پر بہت بڑا ذیل لکھا ہے ۔

العزّی بن فہد^۵ نے ، جو اپنے خاندان کی یادگار اور حرم کی
زینت ہیں ، ذہبی کی کتاب کو حروف مُعْجَم کے مطابق مرتب
کیا ہے ۔

۱۰۔ (حدیث کے) حافظوں کی تاریخ

(حدیث کے) حافظوں پر مندرجہ ذیل نے لکھا ہے :-

ابن الجوزی ،

ابو الولید بن الدبّاع ،

۱۔ عثمان بن سعید ، ف ۵۴۴۔

۲۔ ف ۵۴۶۔

۳۔ احمد بن عبدالقادر ، ف ۵۷۹۔

۴۔ بظاہر محمد بن محمد ، ف ۸۳۳۔

۵۔ یہ وہی العز بن فہد۔۔ عبدالعزیز بن عمر ، ۸۵۰۔ ۸۹۲۱ ، ہو سکتے

ہیں جن کا ذکر آگے (ص ۱۳۳ لحق) آئے گا ۔

ابن دقیق العید۔ انہوں نے صرف ان لوگوں کو لیا ہے جو احادیث کی اسناد میں 'حافظ' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔
الذہبی نے اپنے پیشرو مصنفین کے مقابلے میں بڑی جامع کتاب لکھی ہے اور اس کو طبقات کی طرز پر مرتب کیا ہے۔ اسی میں سے ہمارے شیخ (ابن حجر) نے ان افراد کو چنا ہے جو 'تہذیب الکمال' میں مذکور نہیں ہیں۔ حافظ شمس الدین حسینی نے ذہبی کی کتاب کا ذیل لکھا ہے اور حسینی کی کتاب کا ذیل ہمارے شیخ التقی بن فہد المکی نے لکھا ہے۔ پھر ان کے بیٹے النجم عمر نے اس کو مع اصل کے حروف معجم کے لحاظ سے ترتیب دے کر ایک بالکل ہی نیا کام کیا ہے۔

اس موضوع پر حافظ ابن ناصر الدین کی ایک نظم ہے جس کا نام انہوں نے 'بدیعة البیان فی وفیات الاعیان' رکھا ہے۔ انہوں نے ایک جلد میں اس کی شرح بھی لکھی ہے، اس کا نام 'الیتبیان لبديعة البیان' ہے۔ ذہبی کی کتاب پر انہوں نے جن افراد کا اضافہ کیا ہے ان کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔ اس پر ہمارے شیخ (ابن حجر) نے ایک کٹر اسد کا ذیل لکھا ہے جس میں ۲۸ افراد ہیں۔ میں نے اس پر مزید اضافے کیے ہیں۔

۱۱۔ محدثین کی تاریخ

مُحَدِّثِین پر ابو الولید یوسف بن عبداللہ بن الدبّاغ کی 'طبقات المحدثین' اور ذہبی کی 'معجم' ہے جو بالخصوص انہیں کی بابت ہے۔

۱۲۔ مورخین کی تاریخ

جہاں تک مورخین کا تعلق ہے ان میں سے بہت سے افراد کا ذکر آگے آئے گا۔

۱۳ (۱) - نحویوں کی تاریخ

نحویوں پر جن لوگوں نے لکھا ہے وہ یہ ہیں :-

ابو عبداللہ محمد بن الحسین بن عمر الیمانی^۱
ابو الحسن علی بن یوسف بن ابراہیم القیفطی^۲ - ان کی کتاب کا
اختصار ذہبی نے کیا -

مجھے خیال پڑتا ہے کہ سیرافی^۳ نے بھی نحویوں پر ایک کتاب
لکھی ہے -

[ص : ۱۰۳] ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ بن مَدْحِج
الزَّیْبِیدی^۴ : طبقات النُّحاة ،

ابو المتحسین المفضل بن محمد بن مسعّر بن محمد المغربی النُّحوی
القاضی^۵ : " أخبار النُّحاة من البصریّین والکوفیّین "

ابو عبیداللہ محمد بن عیمران بن موسیٰ السمرزُبانی^۶ : 'المقتبس فی اخبار
النُّحاة'

ابو المتحسین یوسف بن احمد بن محمود بن احمد الید^۷ مَشَقِی :
'نور القبس' - یہ انتخاب ہے 'القبس' کا جو کہ خود
انتخاب ہے 'المقتبس' کا -

التاج بن مکتوم الحنفی^۸ : 'التجمع المثناة (۹) فی اخبار
اللُّغویّین والنُّحاة' - یہ دس جلدوں میں ہے - میں نے اس کے چند

۱ - ف ۵۴۰۰ -

۲ - ف ۵۶۴۶ -

۳ - الحسن بن عبداللہ ، ف ۵۲۶۸ -

۴ - ف ۵۳۷۹ - بعض خطی نسخوں میں 'الزَّیْبِیدی' (ز کے زبر اور
ب کے زیر کے ساتھ) ہے -

۵ - ف ۵۴۴۲ - یہ 'معرّہ' کے رہنے والے تھے ، اس لیے بجائے
'المغربی' کے 'المعری' ؟

۶ - ف ۳۷۸ یا ۵۳۸۴ -

جزء مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ اس میں سے صرف 'المُحمَّدون' (جن کا نام 'مجد' ہے) ایک جلد میں ہیں۔ نیز شاید ہی کوئی ادبی کتاب شعر تاریخ وغیرہ کی ایسی ہو جس پر اس کے مصنف کے حالات ابن مکتوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہ ہوں۔

ایک شخص جو میرے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا اسے ایسے سوانح جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اس بارے میں معلومات بڑھانے کا خاص طور پر خواہشمند تھا اور کثرت سے ایسی نادر اور کار آمد باتیں اور عجیب عجیب نکتے اکٹھے کیا کرتا تھا جو ان لوگوں کی تصانیف میں پاتا تھا جن کے سوانح پیش نظر ہوں یا جو مستند اماموں کے بیانات میں سے اس کے ہاتھ لگتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کام کو وہی انجام دے سکتا ہے جو روایتی علم کے ساتھ ساتھ عقل اور سمجھ بھی رکھتا ہو۔ لیکن ابھی تک اس نے اپنا کام لوگوں کے سامنے نہیں رکھا، صرف اتنا ہے کہ ایک مختصر کتاب اس موضوع پر شائع کی ہے۔

(ب) ادیبوں کی تاریخ

'ادباء' پر یاقوت کی کتاب ہے۔

(ج) لغت کے ماہرین کی تاریخ

لُغَوِيَّيْنِ پر، مذکورہ بالا اصحاب کے علاوہ، المجد اللُّغَوِيّ، مصنف 'القادوس' کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کا نام 'البُلْغَةُ فِي أُمَّةِ اللُّغَةِ' ہے۔ یہ میرا دیکھا ہوا ہے۔

(د) شاعروں کی تاریخ

'الشُّعْرَا' پر ابو مجد عبدالله بن مسلم بن قتيبة کی کتاب ہے

۱۔ یاقوت بن عبدالله، ف ۵۶۲۶۔

الاعلان بالتوبيخ

اور ابوبکر محمد بن خلف بن المرزبان^۱ کی ۔

نیز الثعالبی^۲ کی 'یتیمۃ الدہر' ۔ اس میں انہوں نے شاعروں کی بہت بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے ۔ اس کا ذیل ابو الحسن علی بن الحسن بن علی الباخترزی^۳ نے 'دُمثیۃ القصر' اور ابو الحسن علی بن زید التبیہقی نے 'رشاح الدہمئیۃ' یا 'العُمُدۃ' فی کتاب الخریدۃ لکھا ہے ۔

المبارک بن ابی بکر بن حمّٰدان بن الشعّار التموصلی^۵ :
'عُقود الجُمان فی شعراء الزّمان'

ابو المتعالی سعد بن علی الحظیری الکُتبی^۶ : 'زینۃ الدہر فی ذکر شعراء العصر' ۔

العماد محمد بن حامد الاصبہانی الکاتب : 'خریدۃ القصر فی جریدۃ شعراء العصر'

[ص : ۱۰۴] ابو عبد اللہ محمد بن داؤد بن الجراح : مُحدّث (جدید) شعرا کے حالات میں کتاب مسمی بہ "الورقة"

(عبد اللہ) بن المعتز : 'طبقات الشعراء المُحدّثین'

المرزبانانی : المُعجم الصغیر للشعراء ،

عبد السلام بن یوسف الدیمشقی : أنموذج الاعیان و الشعراء
میمن أدرك بالسماع او بالعیان "

ابو عبد اللہ محمد بن سلام بن عبد اللہ الجُمہلی (جُمہح کا آزاد کردہ

۱ - ف ۵۲۰۹ -

۲ - عبد الملک بن محمد ، ف ۵۴۲۹ -

۳ - ف ۵۴۶۷ -

۴ - اصل : 'او العمدۃ' کے بجائے 'والعماد' پڑھیں تو معنی ہونگے
'اور العماد نے کتاب الخریدۃ' ۔ العماد کی خریدۃ القصر کا ذکر آگے آ رہا ہے ۔

۵ - ف ۵۶۵۴ -

۶ - سعد بن علی ، ف ۵۵۶۸ -

غلام) البصري الاخباري^۱ : طبقات الشعراء ،

ابو سعد محمد بن حسين بن علي بن عبدالرحيم الوزير^۲ : طبقات الشعراء -

ابو طالب بن انجب البغدادي الخازن : اہنے زمانے کے شعرا پر -
الکمال عبدالرزاق بن الفوطی^۳ : الدرر الناصیعة فی شعرا
المیائة السابیعة“

لسان الدین بن الخطیب^۴ : ”التاج المحتلی“ ، آٹھویں صدی کے ادبا سے متعلق ، اور ’الاکلیل الزہر فیہما فضل عند نظم التاج من الجواہیر“ - ان دونوں کتابوں میں مغرب کے ادیبوں کے تراجم (سوانح) ہیں - نیز ان دونوں میں ساری عبارت جمع میں ہے - العیز ابو عمر بن جماعة : ”نزهة الالیباء فی معرفة الادیباء“ اس میں انہوں نے صرف ان لوگوں کے سوانح لکھے ہیں جن سے انہوں نے روایت شعر کا سلسلہ ملایا ، خواہ ’سمع‘ (ان کی مجلس میں سننے) کے طریقے پر یا تحریری ’اجازت‘ کے ذریعے - یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے - انہوں نے ایک جلد میں اس کا اختصار بھی کیا ہے -

البدر البششکی^۵ : المتطالع البدریة ، شعرا کی بابت جامع کتاب ہے ، حروف معجم کے مطابق ترتیب دی گئی ہے - میں نے اس کا ایک حصہ دیکھا ہے -
ابو الفرج ، مصنف ’الآغانی‘ نے ’اخبار الیباء الشعراء‘ (شاعرہ کنیزوں کی خبریں) لکھی ہے -

۱ - ف ۲۳۱ یا ۲۳۲ - ۵۲۳۲ -

۲ - ف ۵۴۳۹ -

۳ - عبدالرزاق بن احمد ، ف ۵۷۲۳ -

۴ - محمد بن عبداللہ ، ف ۷۷۶ - ۵ -

۵ - محمد بن ابراہیم بن محمد ، ۷۴۸ - ۵۸۳۰ -

۱۲ - عابدوں اور صوفیوں کی تاریخ

عابدوں اور صوفیوں پر لکھنے والے :

ابو عبدالرحمن السُّلَمِیُّ^۱ ،

ابو سعید مجد بن علی بن عمرو النقَّاش^۲ ،

ابو العباس احمد بن مجد الفسَوِیُّ^۳ -

عبدالواحد بن سیبہ الشیرازی ،

ابو سعید بن الاعرابی^۴ ،

الاستاذ ابو القاسم القُشَیْرِیُّ^۵ - ان کی کتاب 'الرسالۃ' ان کے

زمانے تک کے بیشتر بڑے بڑے صوفیہ پر مشتمل ہے -

عبدالغفار القُوصِیُّ^۶ نے ایک کتاب دو جلدوں میں القشیری ہی

کے مقابلے کی لکھی ہے - اس میں انہوں نے ان صوفیہ کو گنایا ہے جن

سے ان کی ملاقات ہوئی - اس کا نام 'الوحد فی ملوک التوحید'

ہے -

ابن ابی المنصور^۷ کا بھی اس موضوع پر ایک رسالہ ہے -

ابو نُعَیم : 'حلیۃ الاولیاء و طبقة الاصفیاء' - جامع کتاب ہے

۱ - مجد بن الحسین ، ف ۵۴۱۲ -

۲ - ف ۵۴۱۳ -

۳ - ابو العباس احمد بن زکریا النسَوی (بجائے 'الفسوی')

ف ۵۴۹۶ ، طبقات الصوفیہ کے مصنف کی حیثیت سے جانے

پہچانے ہیں -

۴ - احمد بن مجد ، ف ۵۴۴۱ -

۵ - عبدالکریم بن ہوازن ، ف ۵۴۶۵ -

۶ - عبدالغفار بن احمد ، ف ۵۷۰۸ -

۷ - بظاہر الحسین بن علی ، جو مشہور مورخ آزادی کے بیٹے

تھے -

سب بعد میں آنے والوں نے اسی پر تکیہ کیا ہے۔ ابن الجوزی نے اسی سے وہ سب کچھ لیا ہے جو اپنی چار جلدوں کی کتاب 'صفوة الصفوة' میں اضافوں کے ساتھ درج کیا ہے۔ 'اخبار الاخیار' اور 'اخبار النساء' [ص : ۱۰۵] بھی ان کی تصنیفیں ہیں۔ دونوں کی ایک ایک جلد ہے۔

الشریف مجد بن الحسن بن عبد اللہ الحسنی الدمشقی :
و مجمع الاحباب ' تین جلدوں میں ہے اور اس کی ترتیب بہت خوب ہے۔

ابن الملقن : کتاب الصوفیة ، ایک چھوٹی جلد میں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس میں انہوں نے ہر ملک اور ہر زمانے کے بڑے بڑے علما اور اونچے پائے کے صوفیوں کے بیشتر طبقات یکجا کر دیے ہیں تاکہ ان کی نیکیوں سے ہدایت حاصل ہو اور ان کے نقش قدم پر چلا جائے ، اس امید پر کہ حشر انہیں کے ساتھ ہو۔ کیونکہ ہر شخص کو انہیں لوگوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے جن سے اسے محبت ہو اور جن کے ذکر سے وہ انہیں نئی زندگی دے۔ اور اس امید پر کہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں دور ہو جائیں۔

الشرفی الیتمنی : طبقات الصوفیة ،
ابو منصور معتمر بن احمد بن زیاد العارف^۳ : طبقات النسطاک ،
ہمارے ثقہ اور متقی رفیق ، البُرہان القادری^۴ ، نے ایک کتاب کا اہتمام کیا جو زُہد کی صفت رکھنے والے صوفیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بڑی کاوش کی لیکن وہ اس کو آخری شکل نہ دے پائے۔

۱ - ف ۵۷۷۶ -

۲ - لخط ص ۲۷ سبق -

۳ - ف ۵۴۱۸ -

۴ - ابراہیم بن علی ، ف ۵۸۸۰ -

الاعلان بالتويخ

ابوبکر عبداللہ بن محمد المالکی : اِشْرِيقِيه کے رہنے والے عابدوں کی بابت کتاب جس کا نام ہے 'رياض النفوس' -

الناصح ابو محمد عبدالرحمن بن نجم بن عبدالوہاب بن الحنبلی :
"الإِسْتِسْعَادُ بِمَنْ لَتَقِيَّتُهُ مِنْ صَالِحِي الْعِبَادِ فِي الْبِلَادِ"
ابن الاثير ۲ : المختار في مناقب الاخيار ،

ابوالحسين بن جَهْمُضَم ۳ : 'بَشْجَةُ' الاسرار ، و لتوامع
الاشوار ، في حكايات الصالحين العلماء الاخيار ، و الصوفية
الحكماء الاشرار ،

سعيد بن اسد الامتوى : فضائل التابعين و اخلاق الصالحين ،
المؤلف بق عبدالرحمن بن مكبي بن عثمان الشارعي ۴ : "سُرُشِدِ
الزُّوَارِ إِلَى قُبُورِ الْاَشْرَارِ"

ابو عبداللہ محمد بن حامد بن المتوَجِّع الماريني (الماري دینی) :
'مَحْجَّةُ النُّشُورِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ'

۱۵ - قاضیوں کی تاریخ

قاضیوں سے متعلق تصانیف یہ ہیں :-

ابو عبید اللہ محمد بن الربیع الجیزی : 'قُضَاةُ مِصْرِ' -
مصر کے قاضیوں سے متعلق
ابن ميسرہ ،
ابو عمر الكندي ، اور

- ۱ - ف ۵۶۳۳ -
- ۲ - یعنی مجد الدين -
- ۳ - علی بن عبداللہ ، ف ۵۳۱۴ - ان کی کنیت 'ابوالحسن' تھی
(نہ کہ 'ابوالحسن')
- ۴ - زمانہ تصنیف : ما بین ۷۷۱ و ۷۸۰ -
- ۵ - محمد بن علی ، ف ۵۶۷۷ -

ابو محمد بن زُولاق - ان کی کتاب ذیل ہے ماقبل کا -
 قاضیوں پر مندرجہ ذیل نے بھی لکھا ہے :-
 اسماعیل بن علی بن اسماعیل بن موسیٰ الحُسَینِی ،
 سلیمان بن علی بن عبدالسمیع ،
 عبدالغنی بن سعید الحافظ ،

ابو العباس احمد بن بختیار بن علی بن المانشدای الواسطی القاضی^۲
 ' کتاب فی أخبار القضاة و الشُّهُود ' - میں کتبہ نہیں سکتا کہ یہ ان
 کی وہی کتاب ہے جو ' الحُکام ' کے نام سے موسوم ہے یا اس کے
 علاوہ ہے -

[ص : ۱۰۶] ابو الحسن المُوسَوِی الرَضِیّی اور الجَمال عبد اللہ
 البِشْبِیشِی^۳ - ان دونوں کی تہانیف صرف ' قضاة ' پر ہیں - ان میں
 سے موخر الذکر کا سہارا لیتے ہوئے ہمارے شیخ (ابن حجر) نے ' رَفْعُ
 الاِصر عن قضاة مِصر ' لکھی جو ایک جلد میں ہے - میں نے اس
 کا ذیل ایک جلد میں لکھا ہے -

قاضی ابوبکر بن حسیان و کعب ، - ان کی کتاب ' تاریخ
 القضاة ' کا ذکر قاضی عیاض نے اپنی کتاب ' المدارک ' کے خطبے
 میں کیا ہے -

الشمس بن دائیال الموصلی الحکیم^۴ نے مصر کے قاضیوں پر ایک
 اُرْجوزہ نظم کیا ہے ، اس کا نام ہے ' عُنُقُود النِّظَام فیمن و لی مِصر
 من الحُکام ' - اس کا تتمہ قاضی عیز الدین الکینانی الحنبلی اور ان
 کے بعد ایک اور ہمارے ساتھ نے لکھا ہے -

۱ - ف ۵۴۰۹ -

۲ - ف ۵۵۵۲ -

۳ - عبد اللہ بن احمد ، ف ۵۷۶۲ -

۴ - محمد بن دائیال ، ف ۵۷۱۰ -

اسی طرح الشہاب بن اللہبودی الدمشقی^۱ نے دمشق کے قاضیوں کے بارے میں ارجوزہ نظم کیا ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے۔

۱۶ - (۱۷) - گانے والوں کی تاریخ

’مُغَنِّين‘ (گانے والوں) پر ابو الفرج علی بن الحسین الاصبہانی الکاتب کی تصنیف ہے۔ ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں: ’القیان‘ (گانے والی کنیزین) دو جلدوں میں، ’اخبار المغنّین المالک‘ اور ’الاتغانی‘۔ یہ ایک جامع اور اپنی نوعیت کی بہت بڑی کتاب ہے۔ التاج عثمان بن عیسیٰ البساطی ابو الفتح^۲ اور الجمال ابو الفضل محمد بن سُکرّم^۳ نے اس کا اختصار کیا ہے۔ ابن مکرّم نے دیگر بڑی بڑی تاریخوں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل کیا ہے۔ ابو الفرج نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس موضوع پر جو کتاب اسحاق بن ابراہیم المتوصلی^۴ کی طرف منسوب ہے وہ ان کی نہیں ہے بلکہ سینثدی الوراق نے اسے اسحاق کے لیے تیار کیا تھا۔

ابن الجوزی کی ’الظرفاء‘ ایک جلد میں ہے۔

۱۷ - (۱۸ الف) - شریفوں کی تاریخ

’اشراف‘ پر الحسن بن عتیق بن الحسن کی کتاب ہے جس کا نام ہے ’الاشراف علی الاشراف‘۔ اشراف کی فضیلت کے بارے میں تو بہت سی تصانیف ہیں، ایک میری تصنیف ہے: ’ارتقاء العرف بحب اشریاء الرسول و ذوی الشرف‘۔

- ۱ - احمد بن خلیل، ف ۸۳۳-۵۸۹۶۔
- ۲ - ف ۵۵۹۹۔
- ۳ - مصنف ’لسان العرب‘، ف ۵۷۱۱۔
- ۴ - ف ۵۲۳۵۔
- ۵ - قوسین میں ذہبی کی چالیس اقسام تاریخ کا نمبر درج ہے۔

(ب) سخیوں کی تاریخ

’کُرماء‘ پر عثمان بن عیسیٰ البلیطی^۱ کی کتاب ہے ’اخبار
الاجشواد‘۔ نیز محمد بن زکریا الغتلابی^۲ کی ’الاجشواد‘۔ کسی نے
’اخبار البرامیکة‘ بھی دو جلدوں میں لکھی ہے۔

(ج) ذہین لوگوں کی تاریخ

’اذہ کیاہ‘ پر ابن الجوزی کی کتاب ہے۔ انہیں کی ’اخبار
المُغفَلین‘ (بے وقوفوں کی خبریں) بھی ہے۔

(د) عقلمندوں کی تاریخ

العباس بن محمد بن عبدالرحمن الانصاری : ’عُقلاء المتجانین‘
(عقلمند دیوانے)

۱۸ - (۱۹) - طبیبوں کی تاریخ

’اطباء‘ پر ابن ابی اُصیبیعة^۳ کی کتاب ہے جو بڑی جامع ہے۔
النجم بن فہد نے اسے حروف سَعَجَم کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔

۱۹ - (۲۰) - اشعریوں کی تاریخ

’اشاعیرة‘ پر ابو القاسم بن عساکر نے ’تَبْشِیْن کَذِب
المُفْتَرِی، علی [ص : ۱۰۷] ابی الحسن الاشعری“ میں لکھا ہے۔
الکامیلیتہ کے امام، کمال الدین،^۴ نے اسی کو لے کر اس میں اپنی

۱ - چند سطر اوپر ’البلیطی‘۔

۲ - ف بعد ۵۲۸۔

۳ - احمد بن القاسم، ف ۵۶۶۸۔

۴ - محمد بن محمد بن عبدالرحمن، ۸۰۸-۵۸۶۴۔ کاملیہ کی بنیاد سنہ ۶۲۲

میں رکھی گئی۔

طرف سے اضافے کیے۔ ان سے پہلے العفیف الیافعی نے بھی اپنی کتاب 'المترہم' میں یہی کچھ کیا تھا۔

۲۰ - (۲۲) - بدعتیوں کی تاریخ

'مُبتدِعة' پر الاٹھدل کی کتاب 'اللُّمعة المُقنیة فی معرفة فِرَق المُبتدِعة' تقریباً دو کُراسوں میں ہے۔

نیز الفخر ابو محمد عثمان بن عبداللہ بن الحسین العِراقی^۱ کی 'الفِرَق المُفتَرِقة بین أهل الزَیغِ و الزَّیْدِ نَشْدَقَة'،

اور استاد ابو منصور عبدالقاهر بن طاهر التَّمیمی البَغدادی^۲ کی 'الفرق بین الفِرَق و بیان الفیرقة النّاجیة'،

منجملہ ان کے جنہوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں الفُورانی^۳ اور ابن ابی الدّم ہیں جن کی ایک تصنیف مسلمانوں کے فرقوں پر ہے۔

ضمناً اس موضوع پر ان کتابوں میں بہت کچھ پایا جاتا ہے :-

'المیلل و النّحل' شہرستانی^۴ کی ، ابن حزم کی ، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر مصنفین کی۔

'المترہم' یافعی کی۔

'إرشاد القاصد لاسنی المقاصد' ابن الاکثفانی کی ، جنہوں نے ابن عربی^۵ اور ان کی تصانیف خوب چھان بین کی ہے۔ اسی لیے میں نے ابن عربی کے معتقدین کی جو فہرست تیار کی ہے اس میں ان کا نام

۱ - ۵۵۰۰ کے آس پاس۔

۲ - ف ۵۴۲۹۔

۳ - عبدالرحمن بن محمد ، ف ۵۴۶۱۔

۴ - محمد بن عبدالکریم ، ف ۵۵۴۸۔

۵ - محمد بن علی ، ف ۵۶۳۸۔

درج ہے ۔ مہرست اس قابل ہے کہ اس میں کچھ اضافہ کیا جائے تو وہ ایک باب بن جائے۔

’ طبقات المعتزلیہ ‘ ابو القاسم عبداللہ بن احمد بن محمود الکتعبی السبلخی^۱ کی جو معتزلہ کے ایک گروہ کے سردار تھے۔

’ القواصم فی الرد علی شُبہ الباطنیۃ ‘ غزالی کی۔

’ الرد علی الجہشیہ و علی المعارض بکلام بیشتر

المتریسبی^۲ ‘ دارمی^۳ کی ، ان دو کے علاوہ کسی نے ’ الرد علی الزیدیہ ‘ بھی لکھی ہے۔

’ خلیق أفعال العباد ‘ بخاری کی۔

ہم نے ان حوالوں کو خاصی وسعت دیدی ہے۔ ان میں سے

بیشتر ایسے ہیں جن میں ہمارے موضوع سے متعلق کچھ نہیں ہے۔

۲۱ - (۲۱) - شیعہ کی تاریخ

شیعہ کو یکجا کرنے کا کام مندرجہ ذیل نے کیا ہے :-

الحسن بن علی بن فضال بن أنیس التیمی (تیم^۴ کے آزاد

کردہ غلام) الکوفی^۵ ، اور ان کے بیٹے علی^۶ ،

ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی^۷۔ ابو علی الحسن

کے والد ،

علی بن الحکیم ،

ابو العباس بن عقیدة^۸ ،

۱ - ف ۵۳۱۹ -

۲ - بشر بن غیاث ، ف ۵۲۱۸ -

۳ - عثمان بن معید ، ف ۵۲۸۰ -

۴ - ف ۵۲۲۴ -

۵ - ف ۵۴۵۹ -

۶ - احمد بن محمد ، ف ۵۲۳۲ -

ابو الحسن بن بابويه^۱ ،

يحيى بن ابي طي^۲ ،

يحيى بن الحسين بن البيطريق^۳ ،

الشريف ابو القاسم علي بن الحسين بن موسى العلوي المرتضى

المتكلم الرافضي^۴ المعتزلي^۵ ،

الرشيد سعد بن عبدالله القمي^۶ ،

ابن النجاشي^۷ ،

ابو عمرو الكشي^۸ ،

ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں۔ ان کے بارے میں احتیاط کی ضرورت

ہے کہ گڈ مڈ نہ ہونے پائیں۔

۲۲ - (۲۲) - بخیلوں کی تاریخ

’البخلاء‘ پر حافظ ابوبکر الخطیب کی تصنیف ہے۔ ان کی ایک

کتاب [ص: ۱۰۸] ’آخبار الطفلیین‘ بھی ہے۔ دونوں بہت

دلچسپ ہیں۔ ابو الفرج الاصبہانی نے بھی ’آخبار الطفلیین‘

لکھی ہے۔

۲۳ - (۲۸) - بہادروں کی تاریخ

بہادروں سے متعلق ابو الحسن علی بن ابی المنصور الازدی المالکی

کی ’آخبار الشجعان‘ ہے۔

۱ - ہوسکتا ہے علی بن عبید اللہ ، ف ۵۵۸ مراد ہوں۔

۲ - بن ابی طی حمید ، ف ۵۶۳۔

۳ - ف ۵۴۳۶۔

۴ - ف ۲۹۹ یا ۳۰۰ یا ۵۳۱۱۔

۵ - احمد بن علی ، ف ۴۵۰ یا ۵۴۵۵۔

۶ - محمد بن عمر ، چوتھی صدی ہجری۔

الخليل بن التهيثم^۱ کی الحیئل و التماييد في العروب^۲ ہے۔

۲۲ - (۲۵) - کانوں ، چندھوں ، اندھوں

اور کبڑوں کی تاریخ

الصّلاح الصّفّدی^۳ کی ان کے بارے میں کئی تصانیف ہیں۔

۲۵ - (۳۱) - راہبوں کی تاریخ

ابو القاسم تميم بن محمد الرازی^۳ نے 'أخبار الرّهبان' لکھی ہے۔

۲۶ - (۳۹) - قرآن سن کر جان دینے

والوں کی تاریخ

'قتلى القرآن' الشعثلبی المفسّر نے لکھی ہے۔

۲۷ - (۳۲) - عاشقوں کی تاریخ

'عُشّاق' پر جعفر السّراج کی 'مصتار العُشّاق' ہے۔ کسی

نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔

ابن ابی الدّنيا نے 'المُتّمين' (بندۂن عشق) پر لکھا ہے۔

بن خلسف المترز بان کی بھی ایسی ہی تصنیف ہے۔

سخاوی کی اپنی رائے میں تاریخ کی

کتابوں کے اقسام

حاصل یہ ہے کہ مورخین میں کچھ تو ایسے ہیں جنہیں اپنی توجہ

کو انبیا (علیہم السلام) اور خاص طور پر اگلوں اور پچھلوں کے سردار

۱ - مامون کی خاطر کتاب لکھی تھی۔

۲ - خلیل بن ایبک، ف ۲۶۳ ۵۔

۳ - ف ۵۳۱ ۳۔

('مستد الا' و 'لین والا خیرین') تک محدود رکھنے کی سعادت ملی ۔ کبھی کبھی وہ اس کے ساتھ ابتدائے آفرینش ('بد الخلق') کا اضافہ کر دیتے ہیں یا دونوں میں سے کسی ایک موضوع ہی تک محدود رہتے ہیں ۔ یا پھر یہ ہوتا ہے کہ اپنے دائرے کو صحابہ تک محدود رکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے ، یا اس کو علی الاطلاق عالی نسب لوگوں تک محدود رکھتے ہیں ، جیسے 'اشراف' چنانچہ الحسن بن عتیق بن الحسن القسطلانی کی 'کتاب الاشراف علی مناقب الاشراف' مخصوص اشراف سے متعلق نہیں ہے ۔ دوسری کتاب 'معالم العیثۃ النبویۃ و معارف اهل البيت الفاطمیۃ العلویۃ' عبدالعزیز بن الاخصضر کی ہے ۔

یا صرف مخصوص اشراف سے سروکار رکھتے ہیں ، جیسے 'الطالبیین' پر الجعابی^۲ اور محمد بن أسعد الجوانی^۳ کی کتابیں ہیں ۔ اور الشہاب احمد بن علی بن الحسین بن علی الحسنی معروف بہ ابن عتبہ^۴ کی 'عمدة الطالب فی نسب آل ابی طالب' اور اس کا اختصار ۔ دونوں انہیں کی تصنیف ہیں ۔ ابوالفرج ، مصنف 'الآغانی' ، کی 'مقاتل الطالبیین' اور 'نسب بنی شیبان' اور 'نسب المہالبة' کیونکہ انہیں وزیر المہلبی سے خاص تعلق تھا ۔

'القرشیین' پر الزبیر بن بکار بن عبد اللہ بن مصعب الزبیری کی تصنیف دو جلدوں میں ہے ۔ اس کے بارے میں کسی کا قول ہے کہ یہ 'عجب' یعنی اچنبھے کی کتاب ہے نہ کہ 'نسب' کی ، اس لیے کہ اس میں کارناموں ہی کارناموں کا ذکر ہے ۔

۱ - عبدالعزیز بن محمود ، ف ۵۶۱۱ ۔

۲ - محمد بن عمر ، ف ۵۳۵۵ ۔

۳ - ف ۵۵۸۸ ۔

۴ - ف ۸۲۸ یا ۵۸۳۶ ۔

’الناشيريّين‘ پر العفيف عمر بن عمر الناشيريٰ کی تصنيف ہے۔
 ’الطّبريّين‘، ’الظّهيريّين‘، ’النّويريّين‘، ’القسطلاّ نيّين‘،
 اور ’الفُهود‘ پر ہمارے رفيق النجم بن فہد کی پانچ تصانيف ہيں۔
 اس کے علاوہ ’بنی الطّبريٰ‘ کی تاريخ پر ايک تصنيف أمّ الہدیٰ
 عائشةؓ ابنۃ الخطيب التّقّی عبد اللہ بن الحافظ المحبّ ابی جعفر
 [ص: ۱۰۹] احمد بن عبد اللہ الطّبريٰ کی ہے جس ميں بہت کارآمد
 باتيں ہيں۔

الشّہاب بن فضل اللہ العُمريٰؓ کی ’فتواہل السّمّر في فضائل
 آل عُمّر‘ چار جلدوں ميں ہے۔

الشّہاب احمد بن عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ بن سلیمان
 التّقشّندی الشّافعی: ’نہایہ الارب في معرفۃ قبائل
 العرب‘۔ ايک جلد، جسے جمال الدين الاسّتادار کے ليے
 تصنيف کیا۔

يا مخصوص ان سے سروکار ہوتا ہے جو ولاء (الحاق بغير نسب) کے
 رشتے ميں منسلک ہوں، جيسے ’المّوالیٰ‘ پر ابو عمر الکيندی کی
 تصنيف ہے۔

يا مخصوص صفت سے سروکار ہوتا ہے جيسے، چُنْدھاہن، کاناہن،
 اندھاہن، ذکاوت، بے وقوفی، عقلمندی، تونگری، محبت۔ کسی
 شيدا، عاشق، يا قرآن کے مارے ہوئے (’مقتول بالقرآن‘) کی۔
 سخاوت، کنجوسی، طُفّيلیّيت اور ثقاہت۔ چنانچہ

’الثّقات‘ پر ابو حاتم بن حَبّان کی تصنيف ہے جو

۱ - ۸۰۴-۵۱۴۸ - صحيح نام ’عثمان بن عمر‘ ہے۔

۲ - ف ۵۶۰ کے بعد۔

۳ - احمد بن يحيى، ف ۵۴۹۔

۴ - اصل: ’غني‘۔ اس کے بجائے ’غبي‘ (= غباوت یعنی بے عقلی)

پڑھنا زيادہ مناسب ہے۔

جامع ترین ہے۔ طبقات پر مرتب ہے۔ الہیثمی^۱ نے اس کو (حرف وار ترتیب دے کر) ایک مُعْجَم بنا ڈالا۔ دوسرے مصنفین یہ ہیں :-

العجلی^۲ ،

ابن شاہین ،

ابو العَرَب التَّمیمی ،

الشمس مجد بن ایبک السَّرْجُوجی^۳۔ یہ متاخرین میں سے ہیں ،

اپنی کتاب پوری نہ کر سکے ، اگر پوری ہو جاتی تو ان کے اپنے پختہ اور خوبصورت خط میں لکھی ہوئی بیس جلدوں میں ہوتی۔ اس میں صرف 'أحمدین' ('احمد' نام والے) ایک جلد میں ہیں۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) نے مستقل کتاب ان 'ثقات' کے متعلق لکھی ہے جن کا ذکر 'التہذیب' میں نہیں ہے۔ وہ بھی اسے پورا نہ کر پائے۔

ہمارے ساتھیوں کے زمرے میں بھی ایک شریف انسان نے اسی موضوع پر کام کیا اور میں نے اس کے ایک سے زیادہ نسخے نقل کیے۔
بخصوص صفتِ 'ضعف'۔ 'الضعفاء' (ضعیف راویوں) پر لکھنے والے یہ ہیں :-

یحییٰ بن معین ،

ابو زُرْعَة الرَّازِی ،

السُّبْخَارِی۔ دونوں کتابوں 'کبیر' اور 'صغیر' میں۔

النَّسَائِی ،

ابو حفص الفلاس ،

۱۔ علی بن ابی بکر ، ف ۵۷۵۔ اسی نام کے ایک اور ہیشمی کی وفات

۵۸۰ء میں مذکور ہے۔

۲۔ احمد بن عبد اللہ ، ف ۵۲۹۱۔

۳۔ ۷۱۴ - ۵۷۴۴۔

ابو احمد بن عدري : ان کی تصنیف 'الکامل' ہے۔ اس سے قبل جتنی کتابیں لکھی گئیں ان سب میں کامل ترین اور عظیم ترین ہے۔ لیکن انہوں نے بہت وسعت دے دی ہے اور جس کسی کے احوال ذرا بھی موضوع بحث رہے ہوں اس کو شامل کر لیا ہے خواہ وہ 'ثقف' ہی کیوں نہ ہو۔ نیز یہ بات بھی کچھ اچھی نہیں کہ 'ناقص' لوگوں پر 'کامل' کا نام چسپاں کیا جائے۔

ابو الفضل بن طاہر نے اس کا ذیل 'تکملة الکامل' لکھا ہے۔

ابو جعفر العُقَيْلِي^۲۔ ان کی کتاب سَعِيد السُّعْدَاء^۳ کے وقف میں شامل ہے۔ المَجْب^۴ بن الشَّحْنَه^۴ کے پاس اس کا مستند اور صحیح نسخہ تھا۔

ابو حاتم بن حَبِيبَان ،

دار قُطْنِيي^۵ ،

ابو زكرياء الساجي^۵ ،

الحاكم ،

ابو الفتح الازدي ،

ابو علي بن السَّكَن ،

ابن الجوزي۔ ان کی کتاب کو ذہبی نے مختصر کیا اور اس کا ذیل بھی لکھا۔ یہ دو جداگانہ تصنیفیں ہیں اور ان کا پیش حصہ 'میزان' میں یکجا ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اسی پر تکیہ کیا ہے۔

۱ - مجد بن طاہر ، ف ۵۵۰۔

۲ - مجد بن عمرو ، ف ۵۳۲۲۔

۳ - قاہرہ کا ایک صوفی مرکز جس کی بنا ۵۵۶۹ میں رکھی گئی۔

۴ - مجد بن مجد بن مجد بن محمود ، ۸۰۴-۵۸۹۰۔

۵ - غالباً ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی ، ف ۵۳۰۔

الاعلان بالتوبخ

انہوں نے ابن عدی کی پیروی میں ہر اس شخص کو لے لیا ہے جس کے احوال ذرا بھی موضوع بحث رہے ہوں خواہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ صحابہ اور [ص: ۱۱۰] مانے ہوئے اماموں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا۔ الزین العراقي نے ایک جلد میں اس کا ذیل لکھا ہے۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) نے اس میں سے ان اشخاص کو چنا جن کا ذکر 'تہذیب الکمال' میں نہیں پایا جاتا پھر راویوں کے بارے میں جو کچھ ذہبی سے چھوٹ گیا تھا وہ اور اس کے ساتھ نئے 'تراجم' (تذکروں) کا اضافہ کر کے اپنی کتاب 'لسان المیزان' میں تنقید اور تحقیق سے کام لیا۔ میں نے انہیں کی نگرانی میں اس پر مزید کام کیا اور بہت سی کارآمد باتیں اس میں بڑھائیں۔ اس کے علاوہ ابن حجر کی دو اور کتابیں ہیں: 'تقویم الیلسان' اور 'تحریر المیزان'۔ ذہبی کی ضعفاء کے بارے میں ایک مختصر بھی ہے جس کا نام 'المُغْنِی' ہے اور ایک اور کتاب ہے جس کا نام 'الضَّعْفَاءُ وَ الْمُتَشْرُوكِیْنَ' ہے۔ انہوں نے اس کا ذیل بھی لکھا ہے۔ بعض نے ضعفاء میں سے صرف وَ ضَّاعِیْنَ (حدیثیں گھڑنے والوں) کو، بعض نے صرف مُدَّ لَسِیْنَ (اوپر کے شیوخ سے حدیث سننے کا دھوکا دینے والوں) کو، اور بعض نے مُخْتَلِطِیْنَ (گڈمڈ کرنے والوں) کو چنا ہے۔ ذہبی نے ایک کتاب 'معرفة الرواة المتكاثم فیہم بما لا یوجب الرد' بھی لکھی ہے۔

ان کے علاوہ وہ کتابیں ہیں جو ثبقات اور ضعفا دونوں کو شامل ہیں۔ مثلاً ذیل کی کتابیں :-

ابن ابی خیشمة - ان کی کتاب بڑی مفید ہے۔

ابن سعد : الطبقات ،

البُخاری کی تینوں تاریخیں : (۱) الکبیر - اس کی ترتیب حروف معجم کے مطابق ہے اور ابتدا 'مہدین' (مہد نام کے اشخاص) سے - (۲) الاوسط -

اس کی ترتیب سنہ وار ہے - (۳) الصغیر - متسلّمۃ بن قاسم^۱ نے ایک جلد میں 'الکبیر' کا ذیل لکھا ہے جو 'الصّلّۃ' کے نام سے موسوم ہے - ہمارے شیخ (ابن حجر) کے ارشادات میں میں نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہے - خود میرے پاس جو کتاب الصلّۃ ہے وہ اس کے مولف کی اپنی کتاب موسوم بہ 'الزّہیر' کا ذیل ہے ، جیسا کہ خطبے سے پتا چلتا ہے - مخصوص طور پر الکبیر کے 'مُحَمَّدِیْن' والے جز کا ذیل دارِ قُطُنِی نے اور ان کے بعد ابن المحب نے لکھا - الخطیب نے اپنی کتاب 'المُوضِحِ لِاَوْهَامِ الْجَمْعِ وَالتَّفْرِیْقِ' (ایک جلد) میں بخاری کا 'تَعَقُّب' کیا (= غلطیاں پکڑیں) - ان سے پہلے ابن ابی حاتم نے ایک ضخیم جلد میں جو میرے پاس ہے بخاری پر تنقید کی ، البتہ ان کی ایک کتاب 'الجرح و التّعدیل' کئی جلدوں میں ہے جس میں وہ بخاری کے نقش قدم پر چلے ہیں - ایک مولف نے بخاری کی کتاب سے ان اسامی کو چنا ہے جو 'تہذیب الکمال' میں مذکور نہیں ، لیکن وہ اپنا کام پورا نہ کر سکے -

الحسین بن إدريس الانصاری الهَرَوِی ، معروف بہ ابن خَرَّم^۲ ، نے بخاری کی تاریخ کبیر کے نمونے پر ایک تاریخ لکھی ہے -
 علی بن المتدینی کی تاریخ دس حدیثی^۳ اجزاء میں ہے -
 ابن حِبَّتَان نے بھی 'أوهام اصحاب التّواریخ' پر جو کتاب لکھی ہے وہ دس جزء میں ہے -

ابو محمد عبدالله بن علی بن الجارود : الجرح و التّعدیل -

مُسَیْلَم : رُوَاةُ الْاِثْتِیْبَارِ

النَّسْتَانِی : 'التَّمْثِیْزِ' -

۱ - ف ۵۳۵۳ -

۲ - ف ۵۳۵۱ -

۳ - جیسے کہ کتب حدیث کے ہوتے ہیں -

الاعلان بالذوبیح

ابو یعلیٰ الخلیلی : ' الارشاد ' -

العماد بن کثیر : ' التکمیل فی معرفة الثقات و الضعفاء و المتجاهل ' - اس میں انہوں نے المیزنی کی ' تہذیب ' اور الذہبی کی ' میزان ' کو یکجا کر کے اضافے کیے ہیں اور [ص : ۱۱۱] جرح و تعدیل کی بابت اپنی طرف سے بہت کچھ تحریر کیا ہے - ان کا کہنا ہے کہ ایک اچھے فقیہ کے لیے ، اور اسی طرح ایک محدث کے لیے ، یہ نہایت مفید چیز ہے -

الصّلاح الصّفدی کی ' الوافی بالوفیات ' تقریباً تیس جلدوں میں ہے اور حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہے - ہمارے شیخ (ابن حجر) نے جبکہ ان کے علمی کاموں کا آغاز ہی تھا اس کا خلاصہ تیار کیا تھا اور جس وقت فوت ہوئے تو دوبارہ اس کا خلاصہ تیار کر رہے تھے -

ہمارے شیخ نے ناصر بن احمد بن یوسف البیسکیری^۲ کے تذکرے میں ، جن سے وہ ملے تھے اور فیض یاب ہوئے تھے ، لکھا ہے کہ انہوں نے ' تاریخ الشرواۃ ' سو جلدوں میں جمع کی تھی لیکن وہ ایسی منتشر ہوئی جیسے اس کا وجود ہی نہ تھا گو وہ اس کو پورا بھی نہ کر پائے تھے -

(سخاوی کی اپنی کتاب سے متعلق یادداشت) میں نے ایک جامع کتاب حروف معجم کی ترتیب کے مطابق تیار کی ہے ، اس طرح کہ ذہبی کی تاریخ الاسلام کو اصل بنایا اور اس پر بہت سے ان اشخاص کا اضافہ کیا جو ان سے چھوٹ گئے تھے یا بعد میں پیدا ہوئے - لیکن ابھی تک میں اس کے بارے میں اپنا منصوبہ پورا نہیں کر سکا - چنانچہ اس کی خاطر میں نے مندرجہ ذیل کتابوں کا پورا پورا مطالعہ کیا :-

التہذیب ؛ التہذیب ؛ التہذیب ؛ المیزان ؛ لسان المیزان ؛ الاصابہ ؛ الدرر ؛ - ان میں بہت سی چیزیں جو اصل پر اضافے کے قابل ہیں وہ

۱ - الخلیل بن عبداللہ ف ۵۴۶ -

۲ - ۵۸۲۳ - ۷۸۱ -

میں نے مختصر طور پر مانخذ کے حوالہ کے ساتھ ٹانک دیں۔ العیجلی کی 'ثقات'، السبکی اور ان کے بعد الہیثمی نے اس کی جو ترتیب وضع کی ہے اس کو بھی میں نے پیش نظر رکھا۔؛ ابن حبان کی 'ثقات' حسب ترتیب الہیثمی۔ گو اس میں بہت کچھ مقم ہے لیکن 'ثقات' کا اصل نسخہ جو میرے پاس ہے وہ حافظ ابو علی البکری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔؛ ابو جعفر العقیلی کی 'الضعفاء'، حاء غیر منقوطة کے شروع سے 'محدثین' کے شروع تک سعید السعداء کے نسخے کے مطابق، اس کے لیے ضروری ہے کہ شریک بن عبدالله النخعی اور صفوان الاصم جو بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اور عبدالله بن زیاد بن سمعان کے سوانح کا ابن الشحنة کے نسخے سے مقابلہ کر کے میں اپنے نسخے میں اصلاح کروں۔؛ ابن حبان کی 'الضعفاء'؛ ابن ابی حاتم کی 'الجرح و التعديل' اور بخاری کی 'التاریخ الكبير' کا کچھ حصہ؛ اس (التاریخ الكبير) میں سے صرف 'المحمدین' پر دارقطنی کا جو 'استدراک' ہے وہ پورے کا پورا۔ اس کا نسخہ ایک کراسے میں ہے جس کے شروع اور آخر کے چند ورق جدا ہو کر ضائع ہو گئے ہیں؛ دارقطنی (کے استدراک) پر ابن المصعب کا 'استدراک' جس میں معدودے چند تذکرے ہیں؛ الخطیب کی تاریخ بغداد کا کچھ حصہ اور ابن النجار نے اس کا جو ذیل لکھا ہے اس کی دوسری اور تیسری جلد، ان دونوں جلدوں کی ابتدا محمد بن حمزة بن علی بن طلحة بن علی سے اور انتہا 'المحمدین' کے خاتمے پر ہوتی ہے۔ پوری کتاب پندرہ جلدوں میں جامع الحاکم کے اوقاف میں تھی، اس میں سے جو موجود ہیں وہ پہلی چار جلدیں ہیں، جن کی [ص: ۱۱۲] انتہا احمد بن علی بن موسیٰ پر ہوتی ہے؛ کچھ حصہ چھٹی جلد کا جس کی ابتدا۔۔۔۔۔ (۳) اس میں سے

۱ - ف ۱۷۷ یا ۱۷۸ -

۲ - المہدی کے عہد میں حیات تھے -

۳ - اصل میں نقطوں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے -

الاعلان بالتوبیخ

جو حصہ مفقود ہے وہ جعفر بن یحییٰ بن ابراہیم بن یحییٰ سے الحسین بن احمد بن میمون تک کا ہے؛ ساتویں اور آٹھویں جلد، یہ دونوں عبد اللہ بن محمد بن علی بن احمد پر ختم ہوتی ہیں؛ نویں جلد، میرا خیال ہے کہ یہ وہی ہے جو التقی القلقشنندی^۱ کے پاس تھی اور ان کے بھتیجے^۲ نے اس کا انکار کیا تھا، شیخ عبدالقادر^۳ (کا تذکرہ) اسی میں ہے؛ کچھ حصہ گیارھویں جلد کا، اس میں سے چند کتر اسے شروع سے لے کر ہاں تک کے مفقود ہیں۔۔۔۔۔۔ اس کی انتہا۔۔۔۔۔۔؛ اور آخری چار جلدیں جن کی ابتدا۔۔۔۔۔۔ الغرض پانچویں جلد، کچھ حصہ چھٹی جلد کا، پوری کی پوری دسویں جلد، اور کچھ حصہ گیارھویں جلد کا مفقود ہے۔ میں نے اس کے کچھ اجزا الجمالیہ کے اوقاف میں دیکھے تھے لیکن بعد کو وہ مجھے نہیں ملے۔

میں نے اس کتاب کی خاطر اس ذیل کے مسودے کا بھی پورا پورا مطالعہ کیا جو التقی بن^۴ رافع نے ابن النجّار (کے ذیل) پر لکھا ہے۔ یہ مسودہ خود ان کے ہاتھ کا ہے اور ایک جلد میں ہے لیکن اس میں بہت سے تراجم (تذکرے) اور بعض ترجموں میں سے بعض باتیں کاٹ دی گئی ہیں درآنحالیکہ انہوں نے اس کے اوپر بحرف واحد یہ لکھا ہے کہ ”مُبَيِّضُهُ (صاف نسخے) کی بہ نسبت اس میں بہت کچھ کمی ہے اور تھوڑا بہت اضافہ“۔ ان کے کہنے کے مطابق ’مُبَيِّضُهُ تین جلدوں میں ہے‘ اس کے خطبے میں وہ کہتے ہیں کہ ”میں اس کتاب میں ان علما ’فقہا‘ محدثین، وزراء اور ادبا کے ذکر کروں گا جو بغداد میں داخل ہوئے۔ اگر کسی کا تذکرہ ان دونوں یعنی خطیب اور ابن النجّار یا دو میں سے کسی ایک سے نظر انداز ہو گیا ہے تو اس کو

۱ - ابوبکر بن محمد، ۷۸۳-۵۸۶۷۔

۲ - بظاہر عبدالکریم بن عبدالرحمن، ۸۰۸-۵۸۵۵۔

۳ - بظاہر عبدالقادر بن عبد اللہ الجیلانی ف ۵۶۱۔

۴ - محمد بن رافع، ۷۰۳-۵۷۷۳۔

بھی درج کروں گا۔ مسودے پر ذہبی نے اپنے ہاتھ سے بحرف واحد یوں لکھا ہے: ” کتاب التذیہ یبیل والصلۃ علی تاریخ بغداد جسے اللہ تعالیٰ کے احسان مند، امام، حافظ حدیث، طلبہ کے محسن، راویوں کے سردار، تقی الدین مجد بن رافع الشافعی نے جمع کر کے اور ترتیب دے کر اس تاریخ کبیر کا صیلہ (تتمیہ) بنایا جسے عراق کے حافظ حدیث محب الدین ابن النجّار نے جمع کیا تھا اور اپنی کتاب کو حافظ حدیث ابوبکر الخطیب کی تاریخ کے ذیل اور استدراک (اضافہ و اصلاح خطا) کی شکل دی تھی۔ اللہ ان سب کی اور ہماری مغفرت کرے“ ہ ق۔

میرے رفیق النجم بن فہشد نے مجھے بتایا کہ انہوں نے مبیضہ دیکھا تھا لیکن انہیں یاد نہیں کہ کس جگہ دیکھا تھا۔

نیز میں نے ان کتابوں کا بخوبی مطالعہ کیا:

ابو نعیم کی تاریخ اصحابہ کے کچھ حصہ کا،

ابن عساکر: تاریخ دمشق،

ابن یونس: تاریخ المصریین،

الفاسی: تاریخ با تراجم (سوانح)،

الإحاطة کا پہلا حصہ،

[ص: ۱۱۳] ابن عبدالملک، ’التکملة‘ نو جلدوں میں سے پہلی پانچ جلدیں، چھٹی جلد کے عنوان ’مجد بن احمد بن عثمان القیسی‘ تک۔
الأدقوی: الطّالبع السعید۔

السلفی: مسعجم السّفّر، ایک جلد، نہایت مفید، مجد بن المنذری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔ وہ اپنے باپ الزکی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہیں السلفی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جزازات (چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں) کی شکل میں ملی تھی اسی طرح کہ ہر جزازہ میں ایک ترجمہ (ایک شخص کا تذکرہ) تھا۔ انہوں نے اس کا ایک صاف نسخہ تیار کیا۔

۱۔ مجد بن عبدالعظیم۔ والد عبدالعظیم بن عبدالقوی، ف ۵۶۵۶۔

الاعلان بالتوبیخ

اور ترتیب جیسی کچھ بن پڑی ویسی ہی رہنے دی ، جو ترتیب واجب تھی وہ نہ ہوئی ، چنانچہ اس کی ترتیب وہ نہیں جو ہونی چاہیے ۔ انہوں نے اس میں اہل اصہبان میں سے ایک کو بھی درج نہیں کیا ۔

الدیشیاطی کی مُعْجَم - ۴۴ حدیثی اجزاء میں ہے ۔ اس کا نصف ثانی اس نسخے سے منقول ہے جو التاج بن مکتوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا مَسْرُغْتَمِشِيَّة میں ہے ، اور باقی کسی اور نسخے سے منقول ہے ۔

السُّبُّر الغارقی کی مُعْجَم - ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے منقول ، اور ابراہیم بن القطب الحلبي کی 'تخریج' (تصحیح) کے مطابق ۔ اس میں کثرت سے تراجم ہیں ، نیز ان کے باپ القطب کی تاریخ مصر کا وہ ٹکڑا جو 'المحمدین' سے متعلق ہے ۔

المقربزی کی تاریخ مصر کا شروع کا حصہ ،

المجد عبدالرحمن بن عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ بن العتدیم^۲ کی مُعْجَم ، بہ تخریج (تصحیح) حافظ الجمال ابو العباس بن الظاہری ،

ابو المعالی الاثری قوہی^۳ کی معجم ، سعد الدین مسعود الحارثی^۴ کی تخریج کے مطابق ، ابن الظاہری کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے منقول ،

الذہبی کی 'المعجم الکبیر' ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی جو کہ 'معمودیۃ' میں ہے ۔

التاج السُّبُّکی کی معجم ، مجد بن یحییٰ بن مجد بن سعد السَّمْدِیسی کی تخریج کے مطابق ، خود ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ، جو کہ معمودیۃ میں

۱ - چھوٹے چھوٹے اجزاء جیسے کہ حدیث کی کتابوں کے ہوتے ہیں ۔

۲ - ف ۵۶۷۷ -

۳ - احمد بن اسحاق ، ف ۵۷۰۱ -

۴ - مسعود بن احمد ، ف ۵۷۱۱ -

ہے ، اس کی دو پتلی پتلی جلدیں ہیں ، ۱۷۲ شیوخ کے تذکرے پر مشتمل ہے جن کے حلقے میں مصنف نے حدیث سنی (سماع) یا جنہوں نے مصنف کو روایت کی اجازت (إجازة) دی ۔

وہ تذکرے جن کا ابو الحسین احمد بن ایبک الدمیاطی نے ابن مسدّی^۲ کی معجم سے انتخاب کیا ، تقریباً چار سوٹے سوٹے کر اسے ہیں جن میں بہت سے نام ہیں ۔

التاج بن السبکی کی 'طبقات الشافعیة الواسطیة' اور اس کے وہ حواشی جو ইসنتوی کے ذکر کردہ سوانح پر مشتمل ہیں ، نیز وہ جن میں العفیف بن عبداللہ بن محمد بن احمد المتدنی المتطری نے العماد بن کثیر کی رو سے اس کی فروگذاشتوں کی اصلاح ('استدراک') کی ہے ۔ ان دو کے علاوہ دیگر کتابوں سے ماخوذ تراجم (سوانح) بھی ہیں اور یہ سب اصلاح الاقٹہشی^۳ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔ مزید وہ تراجم اور تتمے ہیں جو اسی پر یعنی طبقات ابن السبکی پر الجمال بن موسی المرآکشی^۴ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ، یہ بہت کم ہیں بہ نسبت ان کے جو الاقٹہشی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور وہ بھی جو اسی پر ہمارے شیخ (ابن حجر) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ قاہرہ میں جو نسخہ ہے اس پر ان کے ہاتھ کی یہ تحریر ہے یا نہیں ۔ اتنا ضرور ہے کہ جو کچھ ہے وہ اس کے مصنف کی طرف منسوب ہے ۔ البرہان القیراطی^۵ [ص : ۱۱۴] نے طبقات پر لکھا ہے :-

طبقات التاج مینہا
یُرتقی لبلغ رُفَاتِ

- ۱ - ف ۵۴۹ -
- ۲ - محمد بن یوسف ، ف ۵۶۶۳ - 'مسدّی' کا تلفظ تحقیق طلب ہے ۔
- ۳ - خلیل بن محمد ف ۵۸۲۰ -
- ۴ - محمد بن موسی ، ۵۸۲۳-۷۸۹ -
- ۵ - ابراہیم بن محمد ، ف ۵۷۸۱ -

تاج کی طبقات ہی کے ذریعے جنت کے مقامات تک چڑھا جاتا ہے ۔

بِالطَّبَاقِ السَّبْعِ عُوذُ
حَسَنُ تِلْكَ الطَّبَقَاتِ

(آسمان کے) سات طبقات کی پناہ حاصل ہے ان 'طبقات' کے
حُسن کو ۔

ابن رجب : 'طَبَقَاتِ الْحَنَابِلَةِ' یہ ذیل ہے ابو العسین بن
الفرّاء کا ۔

المُحَيَوِيُّ عَبْد الْقَادِر الْقُرَشِيُّ : طبقات الحنفية ، اس کا نام ہے
'الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية' اس کے اوپر الجمال مجد بن
ابراہیم المرشیدی المکی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حواشی اور تراجم
بھی ہیں ۔

الموفق الخنزرجی : 'تاریخ الیمن' کا نصف اول ، اس نسخے
سے جو خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کی انتہا 'العلاء' پر
ہوئی ہے ۔ یہ دو جلدوں میں ہے ۔ شروع میں سیرت ہے ، پھر خلفاء
المُستعصم عبد اللہ بن المُستنصر العباسی تک ، پھر ان کے بعد کے
خلفاء الظاہر برقوق تک ، تھوڑے بہت 'حوادث' اور 'وفیات'
(تاریخہائے وفات) کا ذکر بھی ہے ۔ اس پر مولف (رح) نے اپنے یہ شعر
لکھے ہیں :-

هَذَا كِتَابٌ حَسَنٌ وَضَعَهُ
مُسْتَوْعِيبٌ أَعْيَانُ أَهْلِ الْيَمَنِ

یہ کتاب بڑے اچھے طرز کی ہے ، یمن کے سب بڑے بڑے لوگوں
پر حاوی ہے ،

دُرٌّ وَ يَبَاقُوتٌ إِذَا خِيلَتْهُ
تَخَالَ عِقْدًا زَانٌ جَيِّدَ الزَّمَنِ

تم دیکھو تو موتی اور یاقوت ہے ، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
ایک ہار ہے جو زمانے کے گلے کی زینت ہے

جَمَعْتُهُ اَرْجُو بِهِ دَعْوَةً
مَقْبُولَةً فِي السَّيْرِ اَوْ فِي الْعَلَمَنِ

میں نے اسے اس امید میں تالیف کیا ہے کہ دعا کرے گا۔
اور دعا مقبول ہوگی خواہ وہ خفیہ ہو یا علانیہ۔

مِنْ مَسْتَفِيدٍ مِنْهُ اَوْ نَاطِرٍ
فَلَا تُبَدِّدْ عَوْنًا لِي وَلِهَ مَنِّ وَمَنْ

وہ شخص جو اس سے فائدہ اٹھائے گا یا اسے پڑھے گا ، پس
جو بھی ہو اسے چاہیے کہ دعا کرے میرے لیے اور
اپنے لیے ،

يَقُولُ : يَا رَبِّ اَعْفُ وَاغْفِرْ وَجُدْ
وَالشُّطْفُفُ وَاَسْمِجْ وَاَرْضْ عَنِّي وَعَن

بائیں الفاظ کہ : اے رب ! معاف کر ، بخش دے ، انعام دے ،
مہربانی کر ، درگزر کر ، اور راضی ہو جا مجھ سے اور
(اس سے)

الکمال ابو حَفْصِ عَمْرٍو بن احمد بن العَدِيه کی تاریخ حَلَب ، جس
کا نام ہے ' غُثِيَّةُ الطَّلَب ' اس کی کئی جلدیں (میں نے بخوبی مطالعہ
کیں) ج ہمارے رفیق الجمال بن السابق الحَمَوِي کے پاس خود
مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اور ہمارے رفیق ابن فَتْهَد نے
انہیں اسی نسخے سے نقل کیا تھا۔ پہلی جلد احمد بن جعفر بن محمد بن
عبید اللہ بن المُنَادِي سے شروع ہوتی ہے اور احمد بن عبدالوارث بن
خليفة کے (تذکرے کے) خاتمے پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری جلد جو لگانار

الاعلان بالتوبيخ

نہیں اور اس کے بعد کی جلد ، دونوں احمد بن محمد بن متّویشہ سے شروع ہوتی ہیں اور اسیّۃ بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے تذکرے کے درمیان میں ختم ہوتی ہیں ۔ چوتھی جلد الحجاج بن ہشام سے شروع اور الحسن بن علی بن الحسن بن متّویشہ (کے تذکرے) کے خاتمے پر ختم ہوتی ہے ۔ پانچویں اور اس کے بعد کی جلد دونوں الحسین بن عبیداللہ الخادم سے شروع ہو کر دَعَشَلَج بن احمد [ص : ۱۱۵] بن دَعَشَلَج (کے تذکرے) کے درمیان ختم ہوتی ہیں ۔ ساتویں اور اس کے بعد کی جلد دونوں راجع بن اسماعیل الامّدی (کے تذکرے) کے درمیان سے سعید بن سلام تک ۔ نویں جلد مشرق بن عبداللہ الحلّبی سے الولید بن عبدالعزیز بن ابان (کے تذکرے) کے وسط تک ، لیکن اس میں حرف ' ہاء ' نہیں ہے ، جیسی کہ بہت سے مصنفین کی عادت ہے کہ ' ہاء ' کو ' واو ' کے بعد لاتے ہیں ۔

خاص اس جزء کا مسودہ جو مولف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے میں نے ابن فہد کے پاس دیکھا ۔ اس پر مولف نے اپنے ہاتھ سے عنوان میں ' چودھویں ' (جلد) لکھا ہے ۔ دسویں جلد میں ' الکُنی ' (کُنّیّتی) ہیں اور انتہاء ' انساب ' کے خاتمے پر ہوئی ہے ۔ میں نے اس کتاب کی ایک اور جلد دیکھی ہے جس میں بعض شہروں (بُلدان) کا ذکر ہے ۔ المحب بن الشّحنہ کے پاس اس کتاب کے چند جزء مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے لیکن میں ان کا مطالعہ نہ کر سکا ۔ میں نے اس کتاب کے ذیل کا بھی بخوبی مطالعہ کیا جو العلاء بن خطیب الناصریۃ^۲ نے چار حصوں میں لکھا ہے ۔

ابن فہد کی ظُہیرِیّین ، نُویثِریّین ، طَبَرِیّین ، قَسَطَلانِیّین اور فُہود کے بارے میں جو تصانیف ہیں ان کا بھی میں نے بخوبی مطالعہ کیا ۔ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جن کے نام مجھے

۱ - اصل : ' امان ' ۔

۲ - علی بن محمد ف ۵۸۴۳ ۔

اس وقت یاد نہیں -

(ذہبی کی تاریخ الاسلام میں) تیسویں طبقے (الطبقة الثلاثون) میں سے ، جو سنہ ۲۹۱ سے صدی کے آخر تک ہے اور دسویں جلد کا آخری حصہ ہے ، محمود بن احمد بن الفترج سے لے کر طبقے کے خاتمے تک کا ٹکڑا چھوٹ گیا ہے - البدر البشتکی نے بھی اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے میں جو 'الباسطیہ' میں محفوظ ہے اس ٹکڑے کو جگہ نہیں دی ہے ، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کتابت کرنے سے قبل ہی یہ ٹکڑا پایا نہیں جاتا تھا - پس کسی دوسرے نسخے سے اس ٹکڑے کا پتا لگانا چاہیے - مدرستہ السلطان ، مکہ ، میں جو نسخہ ہے اس کے نامسخ نے اس ٹکڑے کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے -

ابن ابی حاتم کی 'الجرح' کا بھی کوئی دوسرا نسخہ دیکھنا چاہیے 'مین' (غیر منقوطہ) میں 'اجداد المحمدین' کے تحت ، تاکہ محمد بن عبداللہ بن الہیثم العطّار (کا تذکرہ) صحیح صحیح لکھا جا سکے - یہ بات میں نے اپنے والد کے منہ سے سنی تھی -

طبقات الحنفیة میں سے بھی المؤمن بن مسرور اور میمون بن احمد بن الحسن کے درمیان کے حصے کو جانچ کر صحیح صحیح لکھنا ہے - یہ فصل بطور یادداشت کے تھی میرے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جو کبھی میری کتاب کو دیکھے گا -

اسماء الرجال کی بنیادی کتابیں

ایک کتاب 'الاسماء والکونی' پر امام احمد کی ، جسے ان کے بیٹے صالح نے ان سے روایت کیا -

۱ - الخمر کی ، ف ۵۱۶ -

۲ - ف ۲۶۶ یا ۵۲۶۵ -

ایک تاریخ متعلق بہ 'رجال' یحییٰ بن معین کی، جسے عباس الدثوری نے ان سے روایت کیا۔

'أسئلة (سوالات) ابراہیم بن الجسید^۲ کے، بروایت خود،

، عثمان بن سعید الداریمی کے،

، ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ^۳ کے، علی بن المدینی سے،

، ابو عبید الاجرئی^۴ کے ابو داؤد سے،

، [ص: ۱۱۶] بغدادیوں کے اور مسعود السجسی^۵ کے، الحاکم سے،

، ابو القاسم حمزة بن یوسف السہمی^۶ کے، دارقطنی سے، اور

حدیث کے حافظوں سے، جو بہت لوگوں سے مروی ہیں۔

البرقانی کے سوالات دارقطنی سے رجال کی بابت کچھ اور ہی ہیں؛ وہ نہیں ہیں جو ہمارے حلقے میں پڑھائے جاتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مورخ کا سروکار صرف ایک مخصوص علم کے لوگوں سے ہو جیسے تفسیر، قرآت، حدیث (یعنی حفاظ وغیرہ)، فقہ (یعنی مروجہ مذاہب کے امام وغیرہ)، تصوف (یعنی عابد، ناسک اور زاہد)، لغت، نحو، شعر (یعنی قدیم اور جدید شاعر)، طب اور کتابت۔

۱ - العباس بن محمد، ف ۵۲۷۱۔

۲ - ابراہیم بن عبد اللہ،

۳ - ف ۵۲۹۷۔

۴ - محمد بن علی بن عثمان۔

۵ - مسعود بن علی، ف ۵۳۳۸۔

۶ - ف ۵۳۲۷، مورخ جرجان۔

۷ - احمد بن محمد ف ۵۳۲۵۔

یا یہ کہ مورخ کا سروکار صرف ایک مخصوص عہدے سے ہو جیسے خلافت (یعنی عباسی و دیگر خلفاء)، قضاء، حکومت، امارت، وزارت۔

یا یہ کہ مورخ کا سروکار صرف مخصوص کتابوں کے راویوں سے ہو جیسے :-

’رجال الموطأ‘ ابن الحداد^۱ کی اور ہبة الله بن احمد اکفانی کی۔ مؤخر الذکر کی ایک کتاب ’تسمیة من روی الموطأ عن مالک‘ بھی ہے۔

’رجال البخاری‘ ابو نصر الکلاباذی^۲ کی جس کا نام ’الارشاد‘ ہے۔

’رجال مسلم‘ ابوبکر بن منجوتیہ^۳ کی۔

’رجال البخاری و مسلم معاً‘ ہبة الله بن الحسن اللاتکائی^۴ کی اور ابو الفضل بن طاہر کی، نیز الحاکم کی جیسا کہ ’التقشید‘ میں ابن نؤقطة^۵ کے قول سے ترشح ہوتا ہے۔

’رجال ابی داؤد‘ ابوعلی الجبائی کی،

’رجال الترمذی‘ اور ’رجال النسائی‘ پر بہت سے مغربیوں کی تالیفات ہیں۔

صباح شیتہ کے رجال پر عبدالغنی المقدسی کی کتاب ’الکمال‘ ہے۔ المیززی نے ’تہذیب الکمال‘ میں اسی کو کانٹ چھانٹ کر کے بہتر شکل دے دی ہے۔ اس کی تلخیص بہتوں نے کی ہے، منجملہ ان کے :- ذہبی : ’التذہیب‘ اور ’الکاشف‘۔ ہمارے شیخ

- ۱ - محمد بن یحییٰ، ف ۵۴۱۶۔
- ۲ - احمد بن محمد، ف ۵۳۹۸۔
- ۳ - احمد بن علی، ف ۵۴۲۸۔
- ۴ - ف ۵۴۱۸۔
- ۵ - محمد بن عبدالغنی، ف ۵۶۲۹۔

(ابن حجر) : ' التہذیب ' اور ' التقریب ' - مُعْمَلُطَاي نے المیزمی کا ذیل لکھا ہے - التقی بن فہد نے المیزمی اور ہمارے شیخ (ابن حجر) کی کتابوں کو حرف بحرف یکجا کر کے کچھ اضافے کیے ہیں اور نام رکھا ہے ' نہایۃ التقریب و تکمیل التہذیب بالتذہیب ' - ابن حجر نے ' التہذیب ' اور ' المیزان ' کو یکجا کر دیا ہے ، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ۔

ائمہ ستہ کے شیوخ پر ابن عساکر کی تالیف ہے جس کا نام ہے ' الشیوخ النسیب ' ذہبی نے ان شخصیتوں پر کتاب لکھی ہے جن کا صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی دوسری تصانیف میں حوالہ دیا ہے اور ' الکاشف ' میں مذکور نہیں ہیں ۔

الزین العراقی نے ' رجال ابن حبان ' اور ' رجال الدار قطنی ' پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔

' رجال العمدة ' پر عبدالقادر الحنفی کی مستقل کتاب ہے جس کا نام ہے ' الإیضام ' - نسبی کی ایک کتاب ان شخصیتوں سے متعلق بھی ہے جن کا ' المیشکاة ' میں ذکر ہے یا روایت ہے (أسماء من لہ ذکرہا رواية فی المیشکاة) ۔

النسوی : ' تہذیب الأسماء و اللغات ' یعنی وہ اشخاص اور لغات [ص : ۱۱۷] جن کا ذکر مذہب (شافعی) کی مخصوص کتابوں میں آیا ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ اس تالیف میں انہوں نے ان ناموں اور بڑے بڑے حافظوں کی کتابوں سے مدد لی ہے جو اس بارے میں اہانت کے لئے مشہور ہیں اور تمام علماء کے نزدیک قابل اعتماد ہیں ، جیسے ' تاریخ ' از بخاری و ابن خلیشماہ و خلیفۃ بن خلیفۃ المعروف بـ ' سبب ' ۔

' الطبقات الصغری و الکبری ' از محمد بن سعد ، نائب الواقیدی ۔ یہ خود ثقہ ہیں اگرچہ ان کے شیخ الواقیدی ضعیف ہیں ۔

۱ - العمدة از عبدالغنی الجماعلی ۔

الجرح و التعديل ' از ابن ابی حاتم ،
 ' الشیقات ' از ابن حبان (حاء کے زیر کے ساتھ) ،
 ' تاریخ نيسابور ' از حاکم ،
 ' تاریخ بغداد ' از خطیب ،
 ' تاریخ همدان ' مولف کا نام ندارد ،
 ' تاریخ دمشق ' از ابن عساکر ،

ان کے علاوہ دیگر تاریخ کی بڑی کتابوں سے (انہوں نے مدد لی) اور ان کتابوں سے بھی جو اسماء صحابہ سے متعلق ہیں جیسے ' الاستیعاب ' از ابن عبدالبر و تصانیف ابن مندہ و ابو نعیم و ابو موسیٰ و ابن الاثیر وغیرہ۔ اسی طرح متغازی اور سییر کی کتابوں سے ، اور ' ضبط الاسماء ' (ناموں کی صحت) کی کتابوں سے جیسے ' الموتلیف و المختلیف ' دارقطنی کی ، عبدالغنی بن سعید کی ، خطیب کی ، ابن ماکولا کی وغیرہ وغیرہ۔

اور (انہوں نے مدد لی) ان کتابوں سے جو ' طبقات الفقہاء ' کے موضوع پر ہیں ، ابو عاصم العسبادی کی ، ابو اسحاق کی ، اور ابو عمرو بن الصلاح کی۔ موخرالذکر کتاب ٹکڑوں میں ہے۔ میں نے کانٹ چھانٹ کر کے ان کو ترتیب دینا شروع کیا ہے۔ یہ بہت خوب کتاب ہے ، اس جیسی تو کیا اس کے لگ بھگ بھی کوئی اور تصنیف نہیں۔ جہاں تک فقہاء کی بابت معلومات کا تعلق ہے کوئی اور کتاب ایسی نہیں جو اس سے بے نیاز کر دے۔ جو شافعی^۲ کے مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کے لیے اس کتاب سے واقف نہ ہونا ایک عیب ہے۔

' رجال شرح معانی الآثار للطحاوی^۱ ' از البدر العیثی ،
 مندرجہ ذیل کتابوں میں سے ہر ایک کے ' رجال ' پر الزین قاسم

۱ - علی بن ہبہ اللہ ، ف تقریبا ۵۴۸۵ -

۲ - احمد بن محمد ، ف ۵۴۷۰ -

الاعلان بالتوبيخ

الحنفی نے لکھا ہے : الطُّحَاوِي ، محمد بن الحسن^۲ کی موطئا اور ان کی 'الاثار' ، ابو حنیفہ کی مُسْنَدِ اَز (اشاعت) ابن المُقْرِي ، نیز موطئا ، مُسْنَدِ شَافِعِي اور سُنَنِ دَارِقَطْنِي میں سے ہر ایک کے وہ رجال جو صحاح سِتِّہ (کے رجال) سے زائد ہیں ۔

ابو اسحاق الصَّرِيْفِي^۳ نے کُتُبِ عَشْرِه^۴ (دس کتابوں) کے رجال پر لکھا ہے ۔ ایسی ہی تصنیف ابن الملقن کی بھی ہے ۔

المعین ابوبکر بن نُقْطَةَ نے ان راویوں کے تذکرے لکھے ہیں جن کے واسطے سے صحاح سِتِّہ اور دوسری کتب حدیث و مسانید میں اتصال پایا جاتا ہے ، اس کا نام 'التَّقْشِيْد' ہے اور التقی الفاسی المعنی نے اس کا ذیل لکھا ہے ، اصل اور ذیل دونوں ایک ایک جلد میں ہیں ۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) نے 'تعجیل المنفعة بزوائد رجال الائمہ الاربعہ' ایک جلد میں لکھی ہے ۔ ان سے پہلے الشمس الحسینی نے 'التذکرہ [ص : ۱۱۸]' فی رجال العشرة 'تالیف کی ۔ انہوں نے 'التهدیب' کو مختصر کر کے اس میں سے ان رجال کو حذف کر دیا جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں اور ان کا اضافہ کر دیا جو موطئا ، مُسْنَدِ اَحْمَد ، مُسْنَدِ شَافِعِي مُسْنَدِ اَبِي حَنِيفَةَ اَز (اشاعت) الحارثی^۵ میں ہیں ۔

ان کے علاوہ رجال پر اور بہت سی کتابیں ہیں جن کا بیان بہت طویل اور احاطہ کرنا دشوار ہوگا ۔

- ۱ - القاسم بن عبدالله بن قطلوبغا ، ف ۵۸۷۹ ۔
- ۲ - الشیبانی ، ف ۵۱۸۹ ۔
- ۳ - بظاہر ابراہیم بن محمد ، ف ۵۶۴۱ ۔
- ۴ - صحاح ستہ اور موطئا اور مسانید احمد و شافعی و ابی حنیفہ ۔
- ۵ - جمع مُسْنَد ۔
- ۶ - عبدالله بن محمد ، ف ۵۳۴۰ ۔

اپنی کتاب 'جامع' میں خطیب کہتے ہیں: 'طالب علم کو جن چیزوں کا اہتمام چاہیے منجملہ ان کے یہ ہے کہ محدثین کی تواریخ اور راویوں کے حالات سے متعلق جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ سب سنیے، جیسے ابن متعین کی کتابیں، حسب روایت الحسین بن حبیان البغدادی^۱، اور عباس الدؤری کی کتاب اور المفضل الغلابی کی کتاب اور تاریخیں ابن ابی خثیمہ و حنبل بن اسحاق^۲ و خلیفہ بن خلیط و محمد بن اسحاق السراج^۳ و ابو حسان الزیادی^۴ و ابو زرعة الدمشقی کی، اور 'کتاب الجرح و التعديل' ابن ابی حاتم کی۔ وہ کہتے ہیں کہ تاریخ البخاری ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی سیاق میں وہ ابو العباس بن عقیدة کا قول پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تیس ہزار حدیثیں لکھ چکا ہو تب بھی اس (تاریخ البخاری) سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ۵ ق۔

یا یہ کہ مورخ کا سروکار کسی ایک مخصوص صفت رکھنے والوں سے ہو جیسے:-
'المؤتلف والمختلف' (جن کے نام کتابت میں ملتے جلتے ہوں لیکن تلفظ میں مختلف ہوں)۔

'المُتَّفِق والمُتَّفِرِق' (ایک ہی نام کے دو اشخاص)۔
الکُنْسَى (کُنْسَى) ، الانشَاب (نسبتین) ، القاب ، مَبْهَمَات^۵ ، مَبْهَمَات^۶ اپنے باپ ، ماں بھائیوں یا بہنوں سے پہچانے جانے والے ،

- ۱ - ف ۵۲۳۲ -
- ۲ - ف ۵۲۷۳ -
- ۳ - ف ۵۷۱۷ -
- ۴ - الحسن بن عثمان ، ف ۵۲۴۲ -
- ۵ - مبہمات = جہاں راوی نام نہ بتائے کہ کس شخص سے روایت کر رہا ہے۔
- ۶ - مبہمات = جس سے روایت کر رہا ہے اس کا نام 'متفق' ہو یعنی اس نام کے دو شخص ہوں اور تمیز نہ ہو سکے۔

سابق ولاحق (ایک شیخ سے روایت کرنے والے دو شخص جو کافی فرق سے آگے پیچھے مرین)، وُحدان (جن سے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو)، بواسطہ باپ کے دادا سے روایت کرنے والے، کسی مخصوص شخص سے، جیسے زُہری سے روایت کرنے والے۔ اسی طرح کی تالیف عبدالغنی بن سعید کی ہے اُن تابعین کی بابت جنہوں نے عمرو بن شعیب^۱ سے روایت کی۔ ایسی ہی کتاب وہ ہے تابعین سے روایت کرنے والے صحابہ سے متعلق جس کا ذکر اوپر ہوا^۲۔ مالک سے روایت کرنے والوں پر تصانیف ہیں دارقطنی کی، اور خَطیب کی۔ جس میں سب سے زیادہ معلومات ہیں۔ اور ابن فیمش^۳ کی، اور ابو سعید بن یونس کی، اور ابو القاسم بن شعبان کی، اور ابو القاسم بن الطَّحَّان^۴ کی، نیز ابو القاسم عیسیٰ بن عبدالعزیز بن عیسیٰ اللُّخَمی^۵ کی: المسالک فی أسماء الامام مالک، میں بقدر ایک کراسہ، اور الرُّشید العطار^۶ کی 'الاعلام' میں (ان کا ذکر ہے)۔ بخاری اور مسلم سے روایت کرنے والوں پر دو تصنیفیں ہیں ضیاء الدین کی۔

یا اس کے برعکس کسی مخصوص شخص کے شیخ سے متعلق تالیفات جو 'مُسْتَجْم' کہلاتی ہیں اور حروف کے مطابق مرتب ہوتی ہیں، یا پھر انہیں 'مَشِيخَة' کہتے ہیں اور اس نام کی تالیفات زیادہ عام ہیں، ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کو (حروف کے بجائے) شہروں کے لحاظ سے مرتب کیا جائے گو متذکرہ بالا دو صورتوں کے مقابلے میں اس

- ۱ - ف ۵۱۱۸ -
- ۲ - لعظ ص ۹۳ سبق -
- ۳ - بظاہر ابو الحسن علی بن الحسن بن محمد بن فہر الفہری -
- ۴ - یحییٰ بن علی، ف ۵۳۱۶ -
- ۵ - ف ۵۶۲۹ -
- ۶ - یحییٰ بن علی، ف ۵۶۶۲ -

کا رواج کم ہے۔ نیز یہ کہ کبھی تو وہ مخصوص شخص خود ہی اپنے شیوخ کو جمع کرتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ کوئی اور۔ میرے خیال میں کوئی بعید نہیں کہ اس قسم کی تالیفات ہزار کے اوپر ہوں۔ ان سب کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جنہوں نے شیوخ کے سوانح دیے ہیں۔ یہی عمل بہت سے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے مخصوص صفات رکھنے والوں سے متعلق تالیفات کی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا میں 'فتح المغیث' میں ذکر کر بھی چکا ہوں، منجملہ ان کے یہ ہیں :-

[ص : ۱۱۹] السلفی : 'معجم بغداد' و 'معجم إصبتہان' و 'معجم السفر'

عیاض ،

ابو سعد بن السمعیانی : 'التحشیر' - اور ان سے پہلے ان کے باپ ابو المظفر^۱ اور ابو المتواہب بن صصری^۲ ، اور

ابن عساكر ، ان کی 'معجم النسوان' بھی ہے -

ابن النجّار : بغداد کی مخصوص معجم ، نیز دوسرے شہروں کی -

الحافظ عیز^۳ الدین الحاجب الایمینی^۳ ،

المُنذری^۴ ،

الرشید العطّار ،

۱ - السمعیانی کے دادا مراد ہیں : منصور بن مجد ، ف ۵۴۸۹ -

۲ - الحسن بن ہبة الله ، ف ۵۵۸۶ - ساتویں صدی ہجری میں اس

خاندان کے بہت سے افراد نمایاں حیثیت رکھتے تھے - ہوسکتا ہے

کہ یہاں کوئی اور فرد مراد ہو -

۳ - عمر بن الحاجب -

ابن مسدري ،
الدُّمِّيَّاطِي ،
القُطَيْبِ الحَلَبِي ،
البيرزالي ،
ابو حَيَّان ،

الذَّهَبِي : بڑی ، چھوٹی اور مختصر تین کتابیں ان کی ہیں اور انہوں نے العلاء علی بن ابراہیم بن داؤد بن العطار کی معجم بھی اصلاح کے بعد شائع کی ۱ -

ابن حبيب ۲ : معجم ، ذہبی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی المُوَيْدِيَّة ۳ میں موجود ہے -

ابن العَدِيم ،
التَّقِي بن رافع ،
المَتَّجِد اسماعيل الحَنَفِي ،
الجمَّال بن ظُهَيْرَة ۴ - بہ تخریج الاَقْشَمِشِي ،
البُرْهَان الحَلَبِي - جمع کردہ ابن حجر و ابن فَهْد ،
ہمارے شیخ (ابن حجر) کی اپنی معجم ، اور التَّنُوخِي ۵ ،
القِيَابِي ۶ ، اور مریم الاَذْرَعِيَّة ۷ وغیرہم کی -

- ۱ - اصل عبارت کی رو سے : ” العلاء نے ذہبی کی معجم اصلاح کے بعد شائع کی “ - العلاء ف ۵۷۳ -
- ۲ - الحسن بن عمر ، ف ۵۷۹ -
- ۳ - قاہرہ کے آثار قدیمہ میں مشہور ہے ، اس کی تکمیل ۸۱۹ء میں ہوئی -
- ۴ - محمد بن عبد اللہ ، ۷۵۱-۸۱۷ -
- ۵ - ابراہیم بن احمد ، ۷۰۹-۸۰۰ -
- ۶ - عبدالرحمن بن عمر ، ۷۳۹-۸۳۸ -
- ۷ - مریم بنت احمد ، ۷۱۹-۸۰۵ -

الجمال بن موسیٰ نے الزین ابی بکر المِراغی^۱ کی معجم لکھی۔
ابن فہد نے اپنی، اپنے باپ کی، ابن المِراغی^۲ کی، اور بہت
سے لوگوں کی (معجم لکھی)

اس کتاب کے مصنف (السخاوی) نے خود اپنی معجم تین جلدوں
میں لکھی، نیز الرشیدی^۳، اور الشہاب العتقی^۴ اور التقی
اشمونی^۵ کی معجم لکھی۔

اس فن کے قدیم مصنفین یہ ہیں :-

ابو یوسف یعقوب الفستوی، انہوں نے شیوخ کو ان شہروں کے
لحاظ سے ترتیب دیا ہے جہاں جہاں وہ گئے ہیں۔ ان کے بعد
الحافظ ابو یعلیٰ الموصلی^۶، ان کے بعد

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حمزہ الاصبہانی^۷، ان کے بعد
الطبرانی جن کی دو معجمیں ہیں ایک درمیانی اور ایک
چھوٹی، اور

ابو احمد بن عدی الجرجانی،
ابوبکر الاسماعیلی^۸،
ابو الشیخ،
ابو احمد العسّال،

-
- ۱ - ابوبکر بن الحسن، ف ۵۸۱۶۔
 - ۲ - بظاہر محمد بن ابی بکر، لحظ ص ۹۰ سبق۔
 - ۳ - محمد بن عبداللہ، ۷۶۷-۸۵۴۔
 - ۴ - احمد بن محمد، ۵۸۶۱۔
 - ۵ - احمد بن محمد، ۸۰۱-۵۸۷۲۔
 - ۶ - بظاہر احمد بن علی بن المثنیٰ، ف ۵۳۰۔
 - ۷ - ف ۵۳۵۳۔
 - ۸ - احمد بن ابراہیم، ف ۵۳۷۱۔

الاعلان بالتویخ

ابوبکر بن المُقَرِّی^۱ ، نیز انہیں کے طبقے کے اور لوگ ۔ ان کے بعد

ابو نُعَیم الإصبہانی ،
ابو الحسین بن جَمِیع^۲ ،
ابو ذَرَّ الهَرَوِی^۳ ،
ابو علی بن شاذان^۴ ،
ابو الحسین بن المُہتَدِی بالله^۵ ،
ابو عبد اللہ القُضَاعِی ۔

یا وہ اشخاص جو ایک مخصوص نام کے حامل ہوں ، اس فن کی تالیفات یہ ہیں :-

الطَّبَّراتی : ' من إسمه عطاء ' (عطاء نام کے اشخاص)

الدُّمَّیاطی : من إسمه عبدالمومن

عیوض^۶ (مولف) : عیوض نام کے اشخاص پر ۔ مولف نے اس کتاب کا نام رکھا ہے ۔ ' شفاء المرَض فیمن سُمِّی بعیوض ' ۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) کی تالیف ابو الفضل احمد نامی اشخاص پر ہے ۔

اس کے علاوہ اور بہت سے اس فن کے مصنفین ہیں ۔

یا مورخ کا سروکار ہوتا ہے ' مُعَمَّرِین ' (عمر دراز پانے والوں) سے ، چنانچہ جاہلیت اور آغاز اسلام سے متعلق بہت سے ' اخبار ' کے عالموں نے لکھا ہے ۔

۱ - محمد بن ابراہیم ، ف ۲۸۱ (؟) ۵ -

۲ - محمد بن احمد ، ف ۵۰۲ - جَمِیع یا جَمِیع ؟

۳ - عبد بن احمد ، ف ۵۰۳ -

۴ - الحسین بن احمد ، ف ۵۰۶ -

۵ - محمد بن علی ، ۵۰۶۵ میں حیات تھے ۔

۶ - عوض بن نصر ، ف ۵۰۷ -

اور اسلام کے دور سے متعلق ذہبی نے ایک کراۓ لکھا ہے اور ہمارے شیخ (ابن حجر) نے بھی ۔

[ص : ۱۲۰] یا (مورخ کا سروکار ہوتا ہے) 'الشُّبَّان (نوجوانوں) سے ، جیسا کہ ابن عساکر کی ایک جزء کی کتاب میں ہے ۔

یا (مورخ کا سروکار ہوتا ہے) ایک مخصوص زمانے سے ، جیسے :-
الصَّلاح الصَّفَدِي : 'عنوان ۔ یا أعوان ۔ النَّصْر فِي أَعْيَانِ الْعَصْرِ ' یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے ۔

ابو حنیفان : 'سَجَانِي الْعَصْرِ فِي أَعْيَانِ الْعَصْرِ ' ۔ انہیں کی ایک اور کتاب 'النُّضَار فِي الْمَسْأَلَةِ عَنْ ابْنَةِ (ابنتہ ؟) نَضَار' ہے جو 'الرحلة' سے ملتی جلتی ہے اور مفید ہے ۔

الشَّهَابُ بْنُ فَضْلِ اللَّهِ : 'ذَهَبِيَّةُ الْقَصْرِ فِي أَعْيَانِ الْعَصْرِ ' التَّقِي الْمَقْرِيْزِي : الْعُقُودُ الْفَرِيْدَةُ ' دو جلدوں میں ۔
ہمارے شیخ (ابن حجر) ، 'الدَّرَرُ الْكَاْمِنَةُ فِي أَعْيَانِ الْمَائَةِ الثَّامِيْنَ ' ،

راقم (السخاوی) : 'الضُّوُّ اللَّامِعَةُ لِأَهْلِ الْقَرْنِ الثَّامِيْنَ ' اسی قبیل سے وہ لوگ ہیں جن کی تالیفات مخصوص حکمران خاندانوں سے متعلق ہیں :-

ابو شامہ : 'الرِّوَايَاتُ فِي أَخْبَارِ الدِّينِ وَ لِسَانِ الدِّينِ ' ۔ انہوں نے خود ہی اس کا ذیل بھی لکھا ہے اور دونوں میں 'حوادث' بھی درج ہیں ۔
لسان الدين بن الخطيب : طُرُقَةُ الْعَصْرِ فِي دَوْلَةِ بَنِي نَصْر ' تین جلدوں میں ۔ اور 'رَقْمُ الْجُلَّةِ فِي نَظْمِ الدُّوَلِ ' (أرجوزة) ۔
ابوبکر بن عبد الله بن ایبک الدواداری : 'النُّكَّتُ الْمُلُوكِيَّةُ إِلَى الدُّوَلَةِ التُّرْكِيَّةِ ' ایک جلد میں ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ابن فہد کے خاندانی ذخیرہ کتب میں موجود ہے ۔

۱ ۔ الرحلة ۔ سفرنامہ ، یہاں خاص طور پر ابن رشید کی 'الرحلة' کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ، لخط ص ۱۶۲ لحق ۔

الاعلان بالتوبيخ

البتدر حسن بن عمر بن حبيب : 'درة الاسلاك في دولة
الاتراك ، پوری کی پوری سجع میں ہے۔ اس کا ذیل ان کے بیٹے طاہر
نے لکھا ہے۔

المقریزی : 'السُّلوك' چار جلد۔ انہوں نے اس میں صرف ان
کو لیا ہے جو فاطمیوں کی حکومت کے زوال اور خاتمے پر مصر کے بادشاہ
ہوئے یعنی کرد ایوبی فرمانروا اور ترکی اور چرکسی غلام بادشاہ
(سلاطین ممالیک) نیز ان کے زمانے میں جو حوادث رونما ہوئے انہیں
بھی مختصراً درج کیا ہے اور خدا کی مشیت کے مطابق جو 'وفیات'
ہوئیں ان کا سال بسال ذکر کیا ہے۔ کتاب کی انتہا مصنف کے سنہ
وفات پر ہوتی ہے۔ میں نے 'التبیر المشبوك' میں اس کا ذیل لکھا
ہے اور بھی کئی 'سہمل' لوگوں نے اس کا ذیل لکھا ہے
جن کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان پر بھروسہ کیا
جا سکتا ہے۔

یا مورخ کا سروکار اس بات سے ہوتا ہے کہ ایک مخصوص شخص پر
مستقل کتاب لکھے 'الجواہر والدرر' کے آخر میں میں نے اس موضوع
پر جو 'خاتمہ' لکھا ہے ویسا سچ سے پہلے کسی نے نہیں لکھا۔ اس میں
ذکر ہے ان کا جنہوں نے مستقل کتابیں لکھیں سیرت نبویہ پر اور ہمارے
نبی (صلعم) کے علاوہ دوسرے انبیا (علیہم السلام) پر ، صحابہ (رض) پر ،
مانے ہوئے اماموں پر ، بادشاہوں پر ، اور ان کے علاوہ عالموں (حدیث
کے) حافظوں ، محدثوں ، زاہدوں اور شاعروں پر۔ ان سب باتوں کا پتا
وہاں سے ، نیز تصانیف سے ، لگایا جا سکتا ہے۔

اس فن میں میری مستقل کتابیں یہ ہیں :-

[ص : ۱۲۱] صحاح ستہ کے مصنفین پر ، ان میں سے ہر ایک کی
کتاب کے ختم کی تقریب میں ۔

ابن ہشام پر ، ان کی سیرت کے ختم کی تقریب میں ۔ نیز

ابن سید الناس پر اور
بسیہتی پر : 'الدلائل' کے ختم کی تقریب میں ،
عیاض پر : 'الشفاء' کے ختم کی تقریب میں ،
النووی پر ایک جامع کتاب ،
العصدا پر ،
ابن ہشام النحوی^۲ پر ،

ہمارے شیخ (ابن حجر) پر ایک بڑی نفیس کتاب دو جلدوں یا
ایک جلد میں ، اور وہی 'خاتمہ' جس کا حوالہ اوپر گزرا ۔
نیز اور بہت لوگ ہیں (جن پر میری تصانیف ہیں) ۔ ہاں ! میں نے
ایک مستقل کتاب ابن عربی پر لکھی ہے جو ایک جلد میں ہے اور اس
کا خلاصہ ایک کُراسے میں ہے وغیرہ وغیرہ ۔

یہ کچھ تو ہے ہی ، اس پر مزید میری وہ تصانیف ہیں اس موضوع
سے متعلق جن کا میں نے جا بجا ذکر کیا ہے مثلاً :

'التبیر المسبوک فی الذیل علی السلوک' ۔ سنہ ۸۴۵ سے لے کر
آخر وقت تک وفيات اور حوادث پر مشتمل ہے ۔ اس کی کئی جلدیں ہیں ۔
'وجیز الکلام فی الذیل علی دُول الاسلام' ۔ وفيات اور
حوادث پر مشتمل ہے ، بڑے اختصار کے ساتھ البتہ آخری سنہ اس سے
مستثنیٰ ہیں ۔ ابتدا سنہ ۵۴۵ سے اور انتہا موجودہ وقت پر ہوتی ہے ۔
ایک جلد یا دو جلدوں میں ہے ۔

'الذیل علی القراء لابن الجزری' اور 'الذیل علی قضاة مصر
لشیخنا (ابن حجر)' ۔ دونوں ایک ایک جلد میں ہیں ۔

'الضوء التامع لاهل القرن التاسع' پانچ جلدوں میں ہے ۔
'الشفاء من الالتم فی وفيات هذين القرنين من العرب والتعجم'

۱ - بظاہر عبدالرحمن بن احمد الایجی ، ف ۵۷۶ ۔

۲ - عبدالله بن یوسف ، ف ۵۶۱ ۔

الاعلان بالتوبيخ

ایک معجم ان (شیوخ) کی جن سے میں نے روایت کی ، تین موٹی موٹی جلدوں میں ،

اور بہت سی کتابیں جیسے ' الکُنسی ' اور ' الالقاب ' ایک ایک جلد میں ۔

خدا سے امیدوار ہوں کہ خاتمہ بالخیر ہو اور دل میں کوئی برائی باقی نہ رہے ۔

یا (مورخ سروکار رکھتا ہے) کسی مخصوص مقام کے باشندوں سے ۔ میرے عام میں جو اس قسم کے مصنفین ہیں انہیں میں نے بہ لحاظ ترتیب ' بیلاد ' (مقامات) مطابق حروف معجم سلسلہ وار لکھا ہے :-

أبيورد

ابو المظفر محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن اسحاق الابیوردی الادیب ، ان کی ایک دلچسپ کتاب ہے جس کا نام ہے ' بہرہ ؟ الحفظاظ ' ۔ اس میں انہوں نے ابیورد کے ساتھ ساتھ نسا ، کوفتن ، غازیان اور اس اطراف کے دوسرے بڑے بڑے شہروں کو بھی شامل کر لیا ہے ۔ یہ ابن العديم کا قول ہے ۔ غالباً یہی ہیں جن کا حوالہ ' خراسان ' کے ذیل میں ملتا ہے ۔

أذر بیجان

ابن ابی الہیجاء الروادی ،

أران

البردعی ،

۱ - ف ۵۰۷ -

۲ - ابو الہیجاء بن الرواد چوتھی صدی ھ کے وسط میں تھے ۔

اِرْبِلْ

ابو البركات المبارک بن احمد بن المبارک بن موهوب بن المستوفی^۱۔ ان کی کتاب کا خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ پانچ جلدوں میں ہے۔ بیشتر اس میں ادیبوں اور بادشاہوں کا ذکر ہے۔ سلیمان بن عبداللہ بن ابی الحسن الزنجانی المکی نے اس کا اختصار کیا ہے۔

اَسْتَرَابَاذ

[ص : ۱۲۲] ابو سعد عبدالرحمن بن مجد بن مجد بن عبداللہ بن ادريس الادريسي الاستراباذی^۲۔

اس شہر کی تاریخ کا تکملہ ابوالقاسم حمزة بن يوسف السهمی نے لکھا ہے۔

اِسْكَندَرِيَّة

ابو المظنر منصور بن سلیم^۳، چار جلدوں میں،
ابو الفضائل؟

ابو علی الحسن بن عمر بن الحسن التصبغاغ^۴ نے اس شہر کے فضائل (امتیازی خوبیاں) جمع کی ہے۔

مجد بن قاسم بن مجد الشویری السکندری المالکی^۵ نے اس

۱ - ف ۵۶۳۷ -

۲ - ف ۵۴۰۵ -

۳ - ف ۵۶۷۳ -

۴ - پانچویں صدی کے نصف اول میں تھے۔

۵ - تاریخ وفات صحیح نہیں معلوم۔

۔۔۔ لائن بالتروییح

بڑے واقعہ کو بیان کیا ہے جو سنہ ۶۷۷ (۷) کے آغاز میں فرنگیوں کے ہاتھوں پیش آیا جبکہ انہوں نے شہر پر قبضہ کر کے دولت لوٹی اور مردوں اور عورتوں کو قید کیا۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے لیکن وہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات کی طرف بھٹک جاتے ہیں۔ وہ کتاب کا آغاز (مسلمانوں کے ہاتھوں) اس شہر کی فتح کے بیان سے کرتے ہیں اور اس کو اتنا طول دیتے ہیں کہ اس بیان کے مقابلے میں وہ واقعہ ایک تیل کی طرح معلوم ہونے لگتا ہے۔

اشبیلیہ

ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن قسٹوم الاشبیلی ۱ : مجالس الأبرار فی مُعاملة الخیار ۶۔ وہاں کے صالحین کے اخبار پر مشتمل ہے۔

اصبہان

ابو عبداللہ حمزہ بن الحسن المودب ۲ ،
 ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مراد ویشہ ۳ ،
 ابو زکریا یحییٰ بن ابی عمرو عبدالوہتاب ابن العافظ ابی عبداللہ
 محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن سئدة۔ خود ابو زکریا اور ان کے دادا
 (ابو عبداللہ) دونوں (صاحب تصنیف ہیں)۔
 ابو الشیخ بن حسیان ،
 ابو نعیم احمد بن عبداللہ۔ ان کی کتاب سب سے جامع اور حروف
 پر مرتب دو جلدوں میں ہے۔
 ابوبکر محمد بن ابی علی احمد بن عبدالرحمن المعدادل۔

۱ - ف ۵۶۳۹ -

۲ - چوتھی صدی ۵ -

۳ - ۳۲۳ - ۴۱۰ یا ۴۱۶ ۵ -

اشبُونَه

ابن ادريس -

أَفْرِيقِيَّة

ابراهيم بن القاسم بن الرقيق القيرواني الكاتب - كئی جلدوں میں ،
 محمد بن يوسف الوراق^۱ ،
 ابن الداء بٹاغ الانصاری - ساتویں صدی میں المُنذِرِي کے طبعے
 سے تھے -
 ابو العرب محمد بن احمد بن تميم التميمي القيرواني الحافظ - ان کی
 کتاب وہاں کے شہریوں کے طبقات پر ہے -
 ابوبکر المالکی - انہوں نے وہاں کے علما پر کتاب لکھی ہے -
 ایک مستقل کتاب وہاں کے عابدوں پر بھی ہے -

الْأَنْدَلُسُ

ابو غالب الغرناطی^۲ ،
 ابو عبد الله الحمیدی^۳ - ان کی کتاب کا نام 'جذوة'
 الْمُقْتَسَبِيس ' ہے -
 ابو الوليد بن الفرّاضي : ' الاحتفال فی تراجم التّرجال ' یعنی
 وہاں کے اصل باشندے ، نیز وہ جو وہاں آ کر بسے - انہوں نے کتاب کی

- ۱ - ف ۵۳۶۳ -
- ۲ - المقتری نے ابن غالب (محمد بن ایوب) الغرناطی کی ' فرحة الانفس
 فی اخبار اهل الاندلس ' کا ذکر کیا ہے -
- ۳ - محمد بن فتوح ، ف ۵۳۸۸ -

ابتدا دوسری صدی کے آغاز سے کی ہے اور انتہا چوتھی صدی کے خاتمے پر ۔

اس کے ذیل یہ ہیں :-

ابن بَشْكُوَال : ان کی کتاب کا نام ' الصيلة ' ہے ۔
ابو جعفر بن الزبير ،

[ص : ۱۲۳] ابو عبدالله مجد بن الابَّار القُضاعي الاندلسي :
' التكميله ' - قاضي الجماعة ابو عبدالله مجد بن مجد بن عبدالملك الانصاري
المَرَّاكُشي ۲ : ' الذَّيْل والتكميلة لكتابي المَوَاصول والصَّله ' - یہ
ایک جامع کتاب کئی جلدوں میں ہے ۔

ابو مروان حَيَّان بن خلف بن حسين بن حَيَّان الاندلسي ۳ - ان
کی دو کتابیں ہیں : ایک بڑی ہے جس کا نام ' المَبِين ' ہے ، ساٹھ
جلدوں میں ؛

دوسری ' الْمُقْتَبِس ' ہے دس جلدوں میں ۔

ابو عمر بن عات ۴ : ' رِيحانة التنفيس في علماء الاندلس '

ابو عامر مجد بن احمد بن عامر البَلَدَوِي الطَّرطُومِي ۵ : ' دُرَر
القتلايد وغرر الفوائد في اخبار الاندلس وامرائها وطبقات علمائها
وشعرائها ' ۔

ابو حَيَّان - ان کی کتاب اندلس کے زندیقوں پر ہے ۔

ابو عبدالله بن حارث - انہوں نے تمام اندلسیوں کو یکجا کر
دیا ہے ۔

۱ - احمد بن ابراہیم ، ف ۷۰۷ یا ۷۰۸ ۔

۲ - ساتویں صدی ۔

۳ - ف ۵۳۶۹ - اصل ' ابو سرور ' (بجائے ' ابو مروان ') غلط ہے ۔

۴ - احمد بن ہارون ، ف ۵۶۰۹ ۔

۵ - ف ۵۵۹ ۔

اموی مروانی خاندان میں سے اندلس کا پہلا بادشاہ عبدالرحمن بن معاویہ بن ہیشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم بن ابی العاص الأموی المروانی ہوا جو ۳۳ سال تخت نشین رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہیشام تخت پر بیٹھا۔ چوتھی صدی کے خاتمے تک حکومت اسی کی اولاد میں رہی۔

باب الأبواب

ممشوس الدرّ بتندی۔

بجایہ

ابن الحاج ۱،

الغُبَرِیْنِی ۲۔ ان کی کتاب خاص طور پر وہاں کے فضلا پر ہے۔

بُخَارِی

غُنُجَارِ مَحْدِ بْنِ اَحْمَدِ الْبُخَارِی الْحَافِظ ۳۔ ان کی کتاب کا اختصار السیلتفی نے کیا ہے۔ اصل میرے پاس ہے۔

الْبَصْرَة

ابن دَهْجَان ۴،

عمر بن شَبِیْه ۵۔ ان کی کتاب المحب بن الشحنہ کے ذخیرے

میں ہے۔

- ۱ - مجد بن مجد ، ف ۵۷۷۴۔
- ۲ - اصل 'العربی' - احمد بن احمد ، ف ۵۷۱۴۔
- ۳ - ف ۱۰۴۱ یا ۵۴۲۲۔
- ۴ - حاجی خلیفہ : 'وهجان'۔
- ۵ - ف ۲۶۳ یا ۵۲۶۴۔

بَغْدَاد

احمد بن ابی طاھر ،

ابن اسفند یار ،

ابوبکر الخطیب - ان کی کتاب سب سے بڑی ہے ، دس جلدوں میں ، بعد میں آنے والوں نے اسی پر تکیہ کیا ہے ۔ اس کے ذیل یہ ہیں :-

ابو سعد عبدالکریم بن محمد السمعانی المروزی کا ذیل دس ، یا کچھ کم ، جلدوں میں ہے ۔ اس پر ابو عبداللہ محمد بن سعید بن علی الدببسی^۱ نے ذیل لکھا ہے ۔ یہ السبٹ^۲ کے پاس ہے اور اس کے دو نسخے مکتے میں ہیں ۔ القطیبی^۳ نے بھی ذیل لکھا ہے اور ابن النجّار نے بھی ۔ ابن النجار کا ذیل سب سے بڑھ کر جامع ہے ۔ انہوں نے اس میں وہ سب کچھ شامل کر دیا ہے جو ابن السمعانی اور ابن الدببسی کی کتابوں میں ہے اور اس پر اضافہ کر کے مفید بنا دیا ہے ۔ اس کی سترہ جلدیں ہیں ۔ الجمال بن الظاہری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جو جامع الحاکم کے اوقاف میں شامل ہیں ، کچھ ان میں سے کم بھی ہو گئی ہیں ۔ کتب خانہ المستنصریہ ، بغداد ، کے خازن ، التاج علی بن انجب ابن الساعی نے اس پر ذیل لکھا ہے ۔ کہا جاتا ہے [ص : ۱۲۴] کہ وہ تیس جلدوں میں ہے ۔ اس پر ایک اور ذیل التقی بن رافع کا ہے جو تین جلدوں میں ہے ۔ ابو سعد (السمعانی) نے 'الانساب اور 'المعجم' بھی تصنیف کی ہیں جو تذکروں پر مشتمل ہیں ۔ ابن رافع نے بھی 'المعجم' اور 'الوفیات' لکھی ہیں ۔

۱ - ف ۵۶۳۷ -

۲ - سبٹ ابن العجمی ، ف ۵۸۸۴ - مراد ہو سکتے ہیں ۔

۳ - محمد بن احمد بن عمر ، ۵۴۶-۵۶۳۴ -

ابوبکر عبید اللہ بن ابی الفتح المرستانی^۱ نے بھی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام ہے 'دیوان الاسلام الاعظم بمدينة السلام' لیکن یہ کتاب ناتمام رہ گئی اور ابن الدبیشی کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف بھروسے کے قابل نہیں۔

خطیب کی تاریخ کا کئی اماموں نے اختصار کیا ہے جیسے ابن مکتوم اور الذہبی۔

بَلَخ

ابن اسحاق ابراہیم بن احمد بن ابراہیم بن احمد بن داؤد المستدلی نے وہاں والوں کے 'طبقات' پر کتاب لکھی ہے۔

ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف المدینی الحنفی، جو حنفیوں کی فقہ میں 'النافع' کے مصنف ہیں، انہوں نے اس شہر کی تاریخ ایک جلد میں لکھی ہے جو ابن فہد کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی ترتیب حروف پر ہے۔ آغاز 'محمدین' (محمد نام کے اشخاص) سے ہوتا ہے، اس کے بعد 'احمدین' (احمد نام کے اشخاص) ہیں اور اس کے بعد 'ابراہیم'۔ 'الکُنسی' (کُنیتیں) 'الاسماء' (ناموں) کے ساتھ ہی درج ہیں۔ وہاں کے شعرا پر ان کی ایک مستقل تالیف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'تاریخ' کی تالیف میں انہوں نے ان کتابوں سے مدد لی ہے: ابو عبد اللہ محمد بن جعفر العسوی یباری الوراق^۲ کی 'طبقات' جس کو مصنف نے اس ملک کی تاریخ بنا دیا ہے۔ اس کی ترتیب 'الاشصار' (شہروں) پر ہے نہ کہ (اشخاص کے ناموں پر) حروف کے لحاظ سے۔ ابو اسحاق کی تالیف جو وہاں کے علما کے اخبار پر مشتمل ہے اور [جس کا آغاز انہوں نے اپنے آپ سے کیا ہے]^۳، اس کی ترتیب حروف پر ہے اور اس

۱ - عبید اللہ بن علی بن المرستانیہ، ف ۵۹۹۔

۲ - ۵۳۰ کے آس پاس حیات تھے۔

۳ - اصل: 'المبدأ به' (؟) لفظ اور معنی واضح نہیں۔

میں کچھ ایسی روایتیں ہیں جو نہ ہونی چاہیے تھیں۔ علی بن الفضل بن طاہر البلسخی^۱ کی تالیف جس میں وہاں کے علما کے تذکرے ہیں، ان کا زمانہ ابو اسحاق مذکور کے زمانے سے قریب ہے، کتاب کی ترتیب طبقات پر ہے۔ کتاب البتہجۃ جو ابو حنیفہ، ان کے صاحبین یعنی ابو یوسف اور محمد، اور بعض اصحاب احناف کی بابت لکھی گئی ہے اس لیے کہ ان میں سے بیشتر بلخ کے ہیں، ان میں تقریباً تیس ایسے ہیں جو کتاب کی شرطوں پر پورے اترتے ہیں۔ جن کا اس کتاب میں ذکر ہے ان میں آخری شخص ابواللیث الزاہد السمرقندی^۲ ہیں۔ اس میں ابن اسحاق (کی کتاب) سے بھی بہت کچھ لیا گیا ہے۔ عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی کی 'کتاب الکشف' جس میں بلخ کے بہت سے لوگ (مذکور) ہیں جو ابو حنیفہ کے اصحاب میں تھے۔ مولف نے اپنی روایت کے وہ سلسلے جن کا تعلق اس شہر سے ہے درج کیے ہیں۔

بَلْسِیَہ

ابن علقمہ^۳

بیت المقدس

ابو القاسم مسکی بن عبدالسلام بن الرئیسی۔ المتقدسی الحافظ^۴ نے اس کی تاریخ اور 'فضائل' کو جمع کیا لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ ابوبکر محمد بن احمد بن محمد الواسطی الخطیب نے 'فضائل' ایک کتاب میں جمع کیے۔

۱ - ف ۵۲۲۳ -

۲ - بظاہر نصر بن محمد، امام الہدی، چوتھی صدی ۵ -

۳ - محمد بن خلف، ف ۵۰۹ -

۴ - ف ۴۹۲ -

[ص : ۱۲۵] الصلاح ابو معيد خليل بن كتيكتلدي العتلائي ،
ابو منصور ،

العيماذ محمد بن محمد بن حامد الاصبهاني الكاتب : " الفتح
القُسُي في الفتح القدسي " دو جلدوں ميں ۔

الحافظ ابوبكر بن المحب نے ان اشخاص كو علاحدہ كر كے لكھا
ہے جو بيت المقدس ميں آ بسے ۔

البرهان ابراهيم بن التاج عبدالرحمن بن ابراهيم بن سبّاع
الفتزاري بن الفيركاج : " باعيت النفوس على زيارة القدس المتحروس " ،
ايك كترامہ ۔

الْبَيْوَة

الغافقي معيد بن سليمان بن الحسين ۔

بَيْهَتِي

علي بن زيد ۔

تَكْرِيت

عبدالله بن سويدة التكريتي نے وہاں كے شيوخ كو جمع كيا ہے ۔

تَلْمَسَان

یہ شہر بجایہ اور فاس كے درميان ہے ۔

ابن الاصفري ،

ابن هُدَيْبَة ،

۱ - ف ، ۲۹ ۷ - ۵ ۔

۲ - عبدالله بن علي بن سويد ۔

تینتیس

ابو القاسم عبدالمحسن بن عثمان بن غنائم الخطیب نے اس کے فضائل پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ' العتروس فی فضائل تینتیس '۔

تہامہ والحجاز

ابن غالب نے ان دونوں کے اخبار پر لکھا ہے ۔

تونس

بلاد افریقیہ کے مغرب میں ایک شہر ہے ۔
التشمیمی نے وہاں کے فقہا پر لکھا ہے ۔

جرجان

حمزہ بن یوسف المشہمی ۔ ان کی کتاب میرے پاس ہے ۔ الضیاء المقدسی نے اس کا ' مختصر ' تیار کیا ۔

الجزیرہ

ابن عروبة الحسین بن محمد بن ابی معشر الحرانی نے ، اور ان کی طرح ان کے شاگرد ابوالحسن علی بن الحسن بن عتلان الحرانی الحافظ نے اس شہر کی تاریخ لکھی ۔

الجزیرہ الخضراء

جو اندلس میں ہے ۔

ابن خَمِيس ،

ابن القَطَّاع^۱ - وہاں کے شعرا پر ،

ابو الحسن علی بن بَسَّام : ' الذِّخْرَةُ فِي مَحَاسِنِ أَهْلِ الْجَزِيرَةِ ' -
اس کی بنیاد ابو مروان بن حیَّان کی تاریخ پر ہے ، اس کی کئی
جلدیں ہیں -

حَرَان

ابو الثَّناء حمَّاد بن ہبَّالہ بن حمَّاد بن الفضل الحرَّانی^۲ نے اس
کی تاریخ لکھی اور ابو المحاسن بن سلامة بن خلیفہ الحرَّانی نے اس کی
تکمیل کی ، اور السَّیِّف ابو محمد عبدالغنی بن محمد بن تیمیہ الحرَّانی^۳ نے
اسے اپنے ہاتھ سے لکھا -

جَلَب

ابو الفوارس حمَّاد بن عبدالرحیم بن حمَّاد بن التیمی الاَتاریبی
ثمَّ الحلَبی^۴ نے سنہ ۴۹۰ھ سے اس کی تاریخ جمع کی - اس میں افرانگیوں
سے متعلق خبریں ہیں ، ان کی لڑائیوں کی اور ان کے شام کی طرف بڑھنے
کی سنہ مذکورہ اور اس کے بعد کے زمانہ میں - کتاب کا نام
' القُوت ' ہے -

الکمال عمر بن احمد بن العدیم نے اس شہر کی تاریخ پر ایک جامع
کتاب لکھی ہے جس کا نام 'بُغِيَّةُ الطَّلَب' ہے - میں نے اس کا بیشتر حصہ
دیکھا ہے - [ص : ۱۲۶] اس کا ذیل العتلاء بن خطیب الناصری نے کئی

۱ - علی بن جعفر ، ف ۵۱۳ یا ۵۱۵ھ -

۲ - ف ۵۵۹۸ھ -

۳ - ۵۸۱-۵۶۳۹ھ -

۴ - ف بعد ۵۵۵۴ھ -

جلدوں میں لکھا ہے۔ ان سے پہلے ابن عثالث^۱ اس کا ذیل لکھ چکے تھے۔

حَمَص

احمد بن عیسیٰ^۲،
عبدالصمد بن سعید کی کتاب ان صحابہ پر ہے جو وہاں آ کر
رہے۔

ابوبکر بن صدقة۔

خُرَاسَان

الابیورادی،

الحاکم نے وہاں کے علما کے اخبار لکھے ہیں۔
ابو زید البلخی^۳ نے وہاں کے لوگوں کی خوبیاں قلمبند کی ہیں
ابو العسین علی بن احمد لسلاسی نے والیان شہر کے اخبار لکھے
ہیں۔ میں نے اس کا وہ خلاصہ دیکھا ہے جو الحافظ الجمال ابو المعاسن
یوسف بن احمد بن محمود البغتموری نے اپنے ہاتھ سے چند کراہیوں
میں لکھا ہے۔

الخلیل

مکی بن عبدالسلام الرثمیلی نے شہر کی زیارت پر لکھا ہے۔

-
- ۱ - محمد بن علی، ف ۵۷۸۹۔
 - ۲ - احمد بن محمد بن عیسیٰ، تیسری صدی ۵۔
 - ۳ - ابو زید البلخی (مشہور جغرافیہ نویس) کی تصانیف میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ مشہور معتزلی، ابو القاسم البلخی کی تصنیف 'مفاخر خراسان' ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سخاوی کو دھوکا ہوا۔

خوارزم

الامام الحافظ ابو محمد محمود بن محمد بن عباس بن آرسلان الخوارزمی^۱ ، مصنف کتاب ' الکافی فی الفقہ ' وہم عصر ابو القاسم بن عساکر۔ ان کی کتاب تقریباً اٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ذہبی نے اس میں سے انتخاب کیا ہے۔

مُظہِر الدین الکاشنِی -

داریا

عبدالجبار بن عبداللہ ابی علی الختولانی^۲۔

دمشق

ابن عساکر کی کتاب آستی جلدوں میں۔ محمودیہ کے نسخے کی ۷۵ جلدیں ہیں۔ اس کے شروع میں دمشق کے اخبار ہیں، اس کے بعد میرت نبویہ ہے جس کا خاتمہ ' الصلاة علی النبی صلعم ' (درود بر نبی صلعم) کے باب پر ہوتا ہے۔ اس میں مصنف نے کچھ اوپر تین جلدیں پوری کر دی ہیں۔ تب کہیں جا کر ' أسماء ' (ناموں) کا آغاز کیا ہے اور ان میں سب سے پہلے ' الاحتمدین ' کو رکھا ہے۔ اس کتاب کا ذیل مصنف کے بیٹے القاسم^۳ نے لکھا ہے۔ اور تاریخ ابن عساکر کا اختصار الفاضلی نے کیا ہے۔ ابو شامہ نے دو مختصر تیار کئے ہیں: ایک کبیر اور ایک صغیر، بلکہ انہوں نے اس کا ذیل بھی لکھا ہے۔

۱ - ف ۵۵۶۸ -

۲ - ف مابین ۳۶۵ و ۵۳۷۰ -

۳ - القاسم بن علی ، ف ۵۶۰۰ -

الاعلان بالتوبیخ

عمر بن الحاجب نے پانچ جلدوں میں اختصار کیا ہے ، جن میں سے آخری جلد موجود ہے جو خاصی ضخیم ہے ۔ ذہبی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا اختصار دس جز میں ہے ۔

ابواسمعیل محمد بن عبداللہ الازدی المصری اور الواقدی نے (مسلمانوں کے ہاتھوں) وہاں کی فتوح پر لکھا ہے ۔

الرَّبَّعِيُّ ابو الحسن علی بن محمد بن شُجَاع^۱ نے اس شہر کے فضائل پر لکھا ہے ۔

ابراہیم بن عبدالرحمن الفزاری ،

ابو حذیفہ اسحاق بن بيشُر القُرَشِي : ” فتوح الشام و الروم و مصر و العراق و المغرب “ ۔

احمد بن المعلی^۲ الدمشقی نے دمشق کی جامع مسجد اور اس کی تعمیر سے متعلق خبریں ایک جز میں لکھی ہیں ۔

دُنَيْسِر

ابو حفص عمر بن الخضر التركي المُتَطَبِّبُ الدُّنَيْسِرِيُّ^۳ ۔ ان کی کتاب کا نام ہے ’ حِلْيَةُ السَّرِيَّتَيْنِ مِنْ خَوَاصِّ الدُّنَيْسِرِيِّتَيْنِ ‘ ۔

الرَّقَّة

[ص : ۱۲۷] ابو علی محمد بن سعید بن عبدالرحمن القُشَيْرِيُّ الحَرَّانِيُّ^۴ ،

- ۱ - ۵۴۳۵ -
- ۲ - تیسری صدی ۵ ، اگر یہ وہی ہیں جن کا ذکر یاقوت کی تاریخ الادباء میں ہے ۔
- ۳ - وقت تصنیف : ۵۶۱۰ تقریباً ۔
- ۴ - ف ۵۴۴۴ -

ابو عَرُوبَةَ الحسین بن مجد بن مَوْدُود الحرّانی -

السری

ابو الحسن بن بابتویثہ ،

ابو منصور الآبی -

زبید

عُمارة بن [ابی] الحسن الحکمی الیَمَنی الشافعی القرضی۔
الشاعر - ان کی کتاب کا نام 'المُفید فی اخبار زبید' ہے -

سامرا

ابن ابی البرکات -

سبته

عیاض -

سمرقند

ابو العباس المستغیری ،

ابو سعد عبدالرحمن بن مجد بن عبدالله بن ادیس الادریسی
الاردستانی الحافظ ،

عمر بن مجد بن أحمد بن اسماعیل النّسفی : القنشد فی ذکر علماء
سمرقند - الضیاء المقدسی نے اس کا اختصار کیا ہے -

۱ - عمارة بن علی ، ف ۵۵۶۹ -

۲ - کذا ، 'الاستراپادی' ۲۹ -

شَقُورَه

سر زمین اندلس میں قرطبہ کے مضافات میں ہے ۔

ابن ادريس -

شِيرَاز

ابو عبدالله محمد بن عبدالعزيز بن احمد بن عبدالرحمن الشيرازي القَصَّار ، ابو القاسم الشيرازي^۱ ، انہوں نے شیراز کے ساتھ فارس کو بھی ملا لیا ہے ۔

الصَّعِيد

علی بن عبدالعزيز الكاتب -

الکمال جعفر الادْفُوی : ' الطاليع السعيد الجامع للفضلاء والرواة يا علی الصعيد ، - ترتیب حروف پر ہے اور ایک جلد میں ہے ۔

صَفَد

محمد بن عبدالرحمن العثماني^۲ ، جو وہاں کے قاضی تھے ۔

صَقْلِيَّه

ابو زيد الغمّري ،

صَنْعَاء

اسحاق بن جرير الزمّري - ان کی کتاب پتلے حجم کی اور مفید ہے ۔

۱ - هبة الله بن عبدالوارث ، ف ۵۳۸۵ -

۲ - زمانہ تصنیف : تقریباً ۵۷۸۰ -

صُنْهَاجَه

.....

صُور

غَيْثُ الْاَرْمَنَازِي^۲ ،

طَابَه

مدینہ نَبَوِيَّه ہي کا دوسرا نام ہے ۔

طَرَابِلِس

’معجم السفر‘ میں السَّلتَنِي کہتے ہیں : ابو الحسن علی بن عبداللہ بن محبوب الطرابلسی^۳ نے اس شہر کا ایک تاریخچہ تصنیف کیا ہے ، جو میری نظر سے گذرا اس میں مجھے جو نئی باتیں نظر آئیں وہ میں نے چن لیں ۔ مصنف نے بہت کچھ میری سند سے نقل کیا ہے ۔ انہوں نے یہ تاریخچہ اپنی زبان سے مجھے سنایا ۔

طَلِيْطَلَه

ابن مُظَاهِر ۔

العِرَاق

ابن العاطوی^۴ ،

- ۱ - اصل نسخے میں جگہ خالی ہے ۔
- ۲ - غیث بن علی ، ف ۹ . ۵۵ - یہ وہ غیث بن علی العبوری نہیں جو خطیب بغدادی کے استاد اور ساتھی تھے ۔
- ۳ - ف ۵۵۲۲ ۔
- ۴ - ابن العاطوی (؟) ابن القاطولی ۔

احمد بن [ابی] طاہر ،
الصُّوْلَى -

عَسْقَان

ابو محمد احمد بن عبید بن آدم - ان کی تصنیف اس شہر کے 'فضائل'
پر ہے -

عَسْكَر مَكْرَم

ابو احمد الحسن بن عبداللہ بن سعید العسکری -

غَازِيَان

ابیورد کے تحت آتا ہے -

غَرْنَاطَه

[ص : ۱۲۸] لسان الدین ابن الخطیب : 'الإحاطة' - بہت خوب
کتاب ہے - خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سعید السعداء کے وقف
میں موجود ہے - البدر البششتکی نے اس کا خلاصہ 'مرکز الإحاطة فی
آداب غرناطة' کے نام سے کیا ہے -

ابو عبداللہ محمد بن محمد بن احمد بن محمد بن جزی الغرناطی الادیب ،
متوفی سنہ ۷۵۶ء ، نے وہاں کی تاریخ لکھی ہے - اس کا بیشتر حصہ
موجود ہے - ان کا زمانہ ابن الخطیب سے پہلے ہے -

فَارِس

شیراز کے تحت گذرا -

فاس

ابن عبدالکریم ،
ابن ابی زرع ،
الزلیحی ؟

القاهرہ

.....

قَرطِبَة

الزہراوی ،

ابن مُفْشِرِح ؟ ، - تحقیق طلب ہے کہ آیا یہ اور ہیں اور پہلے
(الزہراوی) نام کے شخص اور -
ابن حَیَّان - ان کی تالیف وہاں کے فقہا پر ہے -

القَرَوِیُّون

ابو عبداللہ بن حارث -

قَزُوین

امام الدین ابو القاسم الرافعی : 'التدوین' - اس کتاب کا
بھروسے کے قابل نسخہ العلاء بن خطیب الناصیریؒ کی کتابوں میں
تھا - ہمارے شیخ (ابن حجر) نے حلب کے قیام کے دوران سنہ ۸۳۶ میں

- ۱ - علی بن عبداللہ ، ف بعد سنہ ۵۷۶ھ -
- ۲ - اصل میں جگہ خالی ہے -
- ۳ - عمر بن عبداللہ (عبداللہ ؟) ، ف ۵۷۴ھ -

الاعلان بالتویخ

اس کا ایک انتخاب چند کراسوں میں تیار کیا تھا۔ اس کے بعد یہ نسخہ المعب بن الشحنة کے پاس پہنچ گیا اور اس سے اور بہت سے نسخے لکھے گئے۔

ابو یثعلیٰ الخلیل بن عبد اللہ الخلیلی۔ ان کی تصنیف الرافعی سے بہت پہلے کی ہے۔

قلعة یحصب

ابن سعید۔۔۔۔۔ ' الطالع السعید فی تاریخ قلعة بنی سعید ' کے ساتھ اس کی بھی تحقیق کرنا ہے۔

القیروان

ابو العرب الصنہا جی ،

ابراہیم بن القاسم القیروانی ،

ابوزید عبدالرحمن بن محمد الانصاری : ' معالم الایمان و روضات الرضوان من علماء القیروان '۔ اس کے خطبے میں وہ فرماتے ہیں کہ اہل قیروان میں سے مندرجہ ذیل صاحب تصنیف ہوئے ہیں : ابوبکر عبداللہ بن محمد المالکی : ' ریاض النفوس '۔ ابوبکر عتیق بن خلف التجبیبی : ' الافتخار '۔ ابو القاسم عبدالرحمن بن محمد بن رشیق۔ ان کے علاوہ اور مصنفین بھی ہیں جیسے ابو عبداللہ محمد بن سعدون۔

کش

ابو العباس جعفر بن المعشز المستغیری الحافظ۔

کوفن

ابوردد کے تحت آتا ہے۔

۱۔ اصل نسخے میں جگہ خالی ہے۔

۲۔ ف ۵۲۳۳۔

الكوفة

ابن سُجَالِد ،

عمر بن شَبِيَّة ،

ابو الحسن ۱ مجد بن جعفر بن مجد بن هارون بن فَرَوَة التَّمِيْمِي
الكوفي النحوي ابن النَجَّار ۲ -

لمتونه

..... ۳

مارندار ۴

ابن ابی مُسَلِّم -

مآلقه

[ص : ۱۲۹] ابو العباس أصْبَغ بن علي بن هشام بن عبدالله بن ابی
العباس - ان کی تصنیف وہاں کے 'اعلام' (ممتاز شخصیتوں) اور ادباء
کے بارے میں ہے -

ابو عبدالله مجد بن علی بن خِضْر بن عسکر الغسانی ۵ نے وہاں کی
تاریخ لکھی لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکے - بعد کو ان کے بھانجے
ابوبکر مجد بن مجد بن علی بن ختمیس نے اسے مکمل کیا اور اس کا نام
رکھا : 'مَطْلَع الانشوار' و نزهة البصائر والابصار' فیما احتوت

۱ - اصل : الحسين -

۲ - ف ۵۴۰۲ -

۳ - اصل نسخے میں جگہ خالی ہے - لفظ 'تاریخ الدولة للمتونة' ،

ص ۹۶ سبق -

۴ - مارنداران (?)

۵ - ف ۵۶۳۶ -

الاعلان بالتوینح

علیہ ما لقة من الاعلام و الرؤماء و الاخیار ، و تقشید مالہم من المناقب والآثار ، - اس کی تالیف میں انہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی ہے : تاریخ ابن الفرّضی ؛ صیلة ابن بشکوال ؛ تاریخ الحمیدی و الرازی و ابن حیّان اور سب سے بڑھ کر 'رجال ما لقة' جو الحکم المستنصر کے لیے تصنیف ہوئی - ابن خمیس کی کتاب سنہ ۶۳۹ پر ختم ہوتی ہے - اس کی ایک پتلی سی جلد ہے اور ترتیب حروف معجم پر ہے -

ابوزید عبدالرحمن بن محمد الانصاری کی ایک کتاب مالقة کے مشہور علما سے متعلق ہے - اس کو انہوں نے طبقات پر مرتب کیا ہے - ان کا کہنا ہے کہ اہل قیروان کی مندرجہ ذیل کتابیں ان کے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں : ابوبکر عبداللہ بن محمد المالکی کی 'ریاض النفوس' ؛ ابوبکر عتیق بن خلف التّجیبی کی 'الافتخار' ؛ ابو القاسم عبدالرحمن بن محمد بن رشیق کی تاریخ ؛ اور ابو عبداللہ محمد بن سعدون کی تاریخ -

المدینہ النبویہ

عمر بن شبتہ کی ایک تصنیف ہے جیسا کہ ان کے ترجمہ (سوانح) میں مذکور ہے - یہ کتاب ہمارے دوست ابن فہد کے پاس ہے - انہوں نے اس نسخے سے نقل کیا ہے جو ہمارے استاد (ابن حجر) کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور ابن السّیّد عقیف الدین^۲ کی مِلّک تھا -

الزّہیر بن بکّار ،

محمد بن یحیی العلوی - ان کی تصنیف ایک پتلی سی جلد میں ہے ، میرا خیال ہے کہ السّلفی کی فہرست کے آخر میں ، نیز الشریف

۱ - ف ۵۳۶۶ -

۲ - غالباً محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ ، ۸۱۳ - ۵۸۸۰ ، مراد ہیں -

النسابة^۱ کے یہاں اسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المُستَفَاض الفَرَّابی -
ان کا ذکر ابو القاسم بن منشدہ^۲ نے اپنی 'وصیت' میں کیا ہے۔
محمد بن الحسن بن زبالة^۳ کی کتاب کی بڑی موٹی جلد ہے۔

مدینہ کے 'فضائل' پر المفضل بن محمد الجندی^۴ اور الشریف یحییٰ
بن الحسن الحمسی العسکری کی تصانیف ہیں۔

مدینہ کے 'فضائل'، مآثر (تبرکات) اور معالم (مشہور مقامات) 'پر المحب' بن النجّار کی تصنیف ہے جس کا نام 'الدُرّة الشّمیّنة فی اخبار المدینة' ہے۔ اس کا ذیل ابو العباس الفراء فی^۵ نے لکھا ہے جو ایک کراسے میں ہے۔

ابو الیمن بن عساکر: 'إتحاف الزائر'

ابو محمد القاسم بن عساکر: 'الانباء المبینة فی فضل المدینة'۔

[ص: ۱۳۰] الجمال محمد بن احمد بن خلف المطری^۶۔ ان کی
تصنیف بڑے فائدہ کی ہے۔

محمد بن عبید الملک المرّجانی^۷

محمد بن صالح^۸،

-
- ۱ - غالباً محمد بن اسعد الجوائنی مراد ہیں۔
 - ۲ - عبدالرحمن بن محمد ف، ۵۲۷۰۔
 - ۳ - تصنیف سنہ ۵۱۹۹۔
 - ۴ - ف بعد ۵۳۱۔
 - ۵ - الفراء فی (?)
 - ۶ - ف ۵۲۳۱۔
 - ۷ - ابو محمد عبداللہ بن ابی عبداللہ المرّجانی (?)۔ حاجی خلیفة: کشف
الظنون میں یہ نام اسی طرح ہے۔
 - ۸ - ابن النطاح (?)

رزین^۱ ،

الزین ابوبکر بن الحسين المترغی : تحقیق النشرة بتلخیص معالم دارالہجرتہ^۲ ۔

المجد الفيروز ابادی اللغوی کی بھی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے 'المعالم (المغانیم؟) المطابطة، فی فضائل طابطة'^۳ ۔

البدر عبدالله بن محمد بن ابی القاسم بن فترحون : نصيحة المشاور، وتعزية المجاور^۴ ۔ اس میں مدینہ کے بہت سے لوگوں کے تراجم (سوانح) ہیں ۔ ایک جلد کی کتاب ہے ۔ ان سے پہلے ابو عبدالله محمد بن احمد بن امین الاقشہری^۵ نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے : 'الروضة' ۔ اس میں ان لوگوں کے نام ہیں جو بتقیع^۶ میں مدفون ہیں ۔ القطب الحلبي نے اس کتاب کو تمام تر لیے لیا ہے ۔

العفیف عبدالله بن الجمال محمد بن خلف المتطری : 'الإعلام فیمن (بمن؟) دخل المدينة من الاعلام'^۷ ۔

السید نور الدین السمشودی کی ایک تصنیف مدینہ کی تاریخ پر ہے البتہ ضرورت ہے کہ اس کی تحقیق اور جانچ پڑتال کی جائے ۔

میں نے بھی مدینہ کے لوگوں پر ایک کتاب مرتب کی ہے جو مسودے کی شکل میں ہے ۔ کچھ حصے کی تبشییض (صاف لکھائی) بھی ہو گئی ہے ۔ میرے علم میں کم ہی ایسے مصنفین ہیں جنہوں نے مدینہ والوں پر مستقل کتاب لکھی ہے ۔ جتنے حصہ پر میں نے 'بت' (تصحیح شدہ) کی علامت لگا دی ہے وہ میرے دوست ابن فہد کے پاس ہے ۔

۱ - رزین بن معاویة، ف ۵۲۴ یا ۵۳۵ ۔

۲ - ف ۷۳۱ یا ۷۳۷ یا ۷۳۹ ۔

۳ - مدینة کا مشہور قبرستان ۔

مَراغہ

ابن المُشَنِّي -

مَرو

ابو رَجاءِ مجد بن حَمْدَوَيْه الشَّنَجِي الهُورَقَانِي^۱ کی ' کتاب تاریخ المَراوِزَة ' کو ان سے ابو عِصْمَة مجد بن احمد بن عَبَّاد المَروزی نے ، اور ان سے ابو الفضل مجد بن عبد اللہ بن علی بن الحسن السَّخْشِيَانِي^۲ نے روایت کیا ، جیسا کہ الخطیب کا کہنا ہے -

ابو الفضل العباس بن مُصْعَب بن بِيْشْر نے بھی مرو کی تاریخ لکھی ہے -

ابو صالح المؤدِّن - ان کی کتاب کا مسودہ ، ابو سعد السمعانی کہتے ہیں کہ ان کے پاس ہے -

احمد بن سَيَّار ،

ابو سعد السَّمْعَانِي - ان کی کتاب بیس سے زیادہ جلدوں میں حروف معجم کے مطابق مرتب کردہ ہے -

ابو العباس احمد بن سعید المتَّعَدَانِي^۳ -

المَریہ

ابن خاتمه^۴ ،

ابن الحاج -

المَصامد

..... ۵

- ۱ - ف ۵۳۰۶ -
- ۲ - سنہ ۵۳۶۸ میں وارد بغداد ہوئے -
- ۳ - ف ۵۳۷۵ -
- ۴ - احمد بن علی ، ف ۵۷۷۰ -
- ۵ - اصل نسخے میں جگہ خالی ہے -

مصر

ابو سعید بن یونس نے وہاں کی تاریخ لکھی ہے۔ نیز وہاں کے 'غُرَبَاء' (پردیسیوں) پر بھی ان کی تصنیف ہے۔ ابو القاسم بن الطحّان نے دونوں کتابوں کا ایک ساتھ ذیل لکھا ہے۔

ابن عبدالحکم^۱ 'فتوح مصر'۔

ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل بن سعید الهاشمی الاخبّاری :
'البُغیة والاعتباط فیمن ولی مصر الفُسطاط'۔

[ص : ۱۳۱] ابن زُولاق : ان کی تصنیف مصر کے اخبار، نیز مصر کے فضائل پر ہے۔

ابو عمر الکندی مجد بن یوسف بن یعقوب، اور ابو مجد الفرغانی، اور ابو مجد الحسن بن ابراہیم بن زُولاق۔ ان سب نے مصر کے 'فضائل' اور وہاں کے 'اخبار' پر لکھا ہے۔

ہمارے شیخ (ابن حجر) کی تالیف 'رفع الاصر عن قضاة مصر' ہے جس کا میں نے ذیل لکھا ہے۔

ان سب سے پہلے سعید بن ابی مریم اور سعید بن عَفِیر^۲ وغیرہ نے مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ مجد بن عبیداللہ بن احمد المسبّیحی^۳ نے ان سب (کی تالیفات) کو ایک بڑی تاریخ میں اکٹھا کر دیا۔ اور مجد بن علی بن یوسف بن مُسَبِّح نے اس کا ذیل دو جلدوں میں لکھا : ان میں سے پہلی جلد 'المحب' بن الامانة^۴ کے پاس اور دوسری البدر^۵ الشاذلی کے پاس ہے۔

۱ - عبدالرحمن بن عبد اللہ ، ف ۵۲۵۷ -

۲ - سعید بن کثیر بن عفیر ، ف ۵۲۲۶ -

۳ - ف ۵۴۲۰ -

۴ - مجد بن مجد بن احمد بن عبدالعزیز -

۵ - حسین بن علی ، ۸۰۵-۵۸۹۱ -

القُطْب الحلبی نے مصریوں کی ایک جامع تاریخ مرتب کی جس کا مسودہ ، مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ، دس سے زائد جلدوں میں میرے پاس موجود ہے ۔ اس کی ترتیب حروف کے مطابق ہے ۔ وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے ۔ اس میں سے ' مَن اسمہ مجد ' (مجد نامی اشخاص) کی تَبییض (صاف لکھائی) ہوئی ۔ وہ بھی میرے پاس چار جلدوں میں موجود ہے ۔ ان کے بیٹے التقی مجد نے اس پر بہت سے اضافے کیے ہیں ۔

التقی المقریزی کی بھی اسی موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جس کی پندرہ بلکہ اس سے بھی زائد جلدیں ہیں ۔ مصنف کا تو کہنا یہ ہے کہ اگر وہ اس پر پوری توجہ کرتے تو کتاب اسی جلدوں میں ہوتی ۔ کم و بیش ایسا ہی کچھ انہوں نے کہا ہے ۔ ان کی ایک اور کتاب ' عیقد جواهر الاسفاط ، من اخبار مدنیة الفسطاط ' بھی ہے ۔ یہ کتاب اور ان کی کتاب موسوم بہ " ایقاظ الحسفاء باخبار الائمة الفاطمیین الخلفاء " دونوں میں ان امرأ اور خلفا کا تذکرہ ہے جو مصر کے حاکم ہوئے ، نیز یہ کہ ان کے دور میں کونسے حادثات اور قابل ذکر واقعات رونما ہوئے ، اس وقت سے جب مصر (مسلمانوں کے ہاتھوں) فتح ہوا اس وقت تک جب فاطمی حکومت کا خاتمہ ہوا ۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی کتاب ' السلوک ' میں بھی اسی سلسلے کو جاری رکھا ، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ۔

مصر کے 'خِیَطَط' (خِیَطَوں کے حالات) ، کچھ ان صحابہ کی خبریں جو مصر میں آئے اور وہاں فوت ہوئے ، نیک ہستیوں کے نام اور ان کی جگہیں اور ان کے تبرکات ، اور مصر کے عجائب اور وہ باتیں جو خاص طور پر مصر کی بابت مشہور ہیں ۔ ان سب کو القضاعی اور ابو عمر الکندی نے اپنی کتابوں میں یکجا کر دیا ہے ۔

مجد بن اسعد الجتوانی الشریف نے بھی ' التَّقِط علی الخِیَطَط ' لکھی ہے ، اسی طرح مقریزی کی بھی مصر کے خِیَطَط سے متعلق تالیف موجود

ہے جو بڑے کام کی ہے۔ ہمارے شیخ (ابن حجر) کا کہنا ہے کہ مقریزی کو اس کتاب کا مسودہ ہاتھ لگ گیا تھا جو ان کے پڑوسی الشہاب احمد بن عبداللہ بن الحسن الاوحدی^۱ کا تھا بلکہ انہوں نے اس کا کچھ حصہ صاف بھی کر لیا تھا۔ مقریزی نے اسے لے کر اس میں کچھ اضافے کیے اور کتاب کو اپنی ذات سے منسوب کر دیا۔

ابراہیم بن اسماعیل بن سعید : ” البُغیة و الاِغتیباط فی اخبار مصر و الفسطاط “

المغرب

عبدالملیک بن حبیب : تاریخ -

[ص : ۱۳۲] ابن سعید : ” طبقات الفقہاء و فضائلہم “ و ” الدولة الغریبۃ “ مغرب میں بنی امیہ کی حکومت کا تیمتہ۔ و ” المغرب فی حلتی المغرب “ نیز ” المغرب فی مساحین المغرب “۔ ان میں سے بعض کتابیں مؤیدیتہ میں ہیں۔ ابن سعید ہی کی ایک تصنیف ” المشرق فی اخبار المشرق “ ہے۔

مکة

مکة کے فضائل پر، الازرقی^۲ اور الفاکھی^۳ کے نمونہ پر، ابو سعید المفضل بن محمد الجندی اور ابو سعید الشعبی نے لکھا ہے۔ ان (الشعبی) کی اور ساتھ ساتھ پہلے (الجندی) کی بابت تحقیق کرنا ہے۔ ابو الفرج عبدالرحمن بن ابی حاتم اور ان کے بعد الضیاء المقدسی نے بھی اس عنوان پر لکھا ہے۔

ابو عبداللہ بن محمد بن القییم^۴ : ” تفضیل مکة “۔ دو شاعروں نے

۱ - ۵۸۱۱ - ۷۶۱

۲ - محمد بن عبداللہ، ف بعد ۵۲۳۳ -

۳ - محمد بن اسحاق، منہ تالیف : ۵۲۷۲ -

۴ - ابن القییم الجوزیتہ (؟)

حرمین (مکہ و مدینہ) میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہوئے
فخر کیا تو ایک عیجلی شاعر نے ان دونوں کے بارے میں اپنا فیصلہ
دیتے ہوئے ایک قصیدہ کہا جس کا ایک بیت یہ ہے :

یا ایثمہ المدنتی ارضک فتو
ق البلاد و فضل مکة افضل

اے مدینہ والے ! تیری سرزمین سارے ملکوں سے بہتر ہے لیکن
مکہ کی فضیلت کہیں بڑھ چڑھ کر ہے !

مکہ کی تاریخ ابو الولید محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن الولید بن
عقبہ بن الازرق الازرقی اور محمد بن اسحاق بن العباس الفاکھی نے
لکھی ہے۔ دونوں تیسری صدی کے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فاکھی
پہلے مصنف (ازرقی) سے بعد کے ہیں۔ ان کی کتاب دو جلدوں میں ہے۔
ابو زید عمر بن شبنہ النعمیری۔ ان کی تصنیف الفاسی کو نہیں
ملی البتہ ہمارے دوست ابن فہد نے اس کو اپنے ہاتھ سے ایک جلد میں
نقل کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بھی الازرقی اور الفاکھی کی کتابوں
کی طرز پر ہے۔

الزبیر بن بکّار،

رزین بن معاویہ السرقسطی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تاریخ
الازرقی کا خلاصہ کر ڈالا ہے۔

معداللہ بن عمر الاسفرائینی : ” زبدة الاعمال و خلاصة
الافعال “۔ مکہ اور مدینہ کے فضائل کے بارے میں ہے اور تاریخ الازرقی
ہی کا اختصار ہے جیسا کہ مصنف نے کتاب کے خطبہ میں بتایا ہے۔ عبدالقادر
بن عبدالعزیز بن فہد (اللہ ان پر مہربان ہو) کے پاس اس کا ایک نسخہ
ہے جو انہوں نے خود نقل کیا ہے۔

المحب محمد بن محمود بن النجّار البغدادی : ” نزهة الوری فی
ذکر أم القرى “۔

الاعلان بالتوبیخ

الجمال مجد بن المعجب الطَّبَّیری المَكِّي الشافعی : " التَّشْوِیْقُ : " التَّشْوِیْقُ
الی زیارة البیت العَتِیق " -

الجمال ابو عبدالله مجد بن علی الزَّبیدی النَّاسِیح معروف بہ ابن
المؤذِن : " مُشیر الغرام الی البَلَد الحرام " -

الهادی ابراہیم بن علی بن المُرْتَضَی الحسَنی الزَّبیدی ۱ . یہ
التَّقِی بن فہد کے اساتذہ میں سے ہیں ۔ ان کی کتاب ہے " زہرة الخزام
فی فضائل البیت الحرام " -

[ص : ۱۳۳] زید بن ہاشم بن علی بن المُرْتَضَی الحسَنی ۲ ، جو
مدینة نبویة کے وزیر تھے ، انہوں نے وہاں کی تاریخ لکھی ہے ۔

ابن الجوزی : " مُشیر العزم الساکین ، لِاشرف الِاماکین " -
عبدالرحمن بن ابی حاتم : " کتاب مکة " نیز ابو سعید بن الاعشای
اور ابوالقاسم عبدالرحمن بن ابی عبدالله بن مَسْنَدہ ۔ ان تینوں کے نام
ابوالقاسم مذکور نے اپنی وصیت میں ثبت کیے ہیں ۔

المجد الفیروز ابادی : " مُھیج الغرام ، الی البَلَد الحرام " و
" إثارة الحَجَّوْن ، الی زیارة الحَجَّوْن " -

التَّقِی الفاسی : " شفاء الغرام " باخبار البلد الحرام ، جو سب سے
جامع کتاب ہے ، اور " تُحفة الکیرام " - دونوں کی ایک ایک جلد ہے ۔
انہوں نے پہلی کتاب کا جو اختصار کیا ہے اس کا نام بھی " تُحفة
الکیرام " رکھا ہے ۔ بعد ازاں اس اختصار کا اختصار " تحصیل المرام " -
اور اس کا اختصار " ہادی ذوی الافہام " اور اس کا اختصار
" الزَّہور المُتَطَفِّد من تاریخ مکة المشرفة " اور اس کا اختصار
" تسویح المَشْدُور باختصار الزَّہور " اور اس کا بھی اختصار ایک اور
کتاب میں کیا ہے ۔ " رجال " کے موضوع پر ان کی کتاب " العیة ۔

۱ - الزَّبیدی (؟) - ف ۵۸۲۲ -

۲ - ۵۶۷۶ کے آس پاس حیات تھے ۔

الثمّين، في تاريخ البلد الامّين، ہے۔ شاید ہی کسی نے ان سے پہلے ”رجال“ کے موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہو۔ اصل کتاب چار جلدوں میں ہے۔ انہوں نے اس کا اختصار ’عُجالة القرّی‘ للتراغیب فی تاریخ امّ القرّی‘ میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور مختصر بھی لکھے ہیں۔ - - - - - XX-

الفاسی کی ایک اور تصنیف ’ولاة مکّة فی الجاهلیة و الاسلام‘ بھی ہے۔

الجمال الشّیخی: ’الشّرف الاعالیٰ فی ذکر متقبّرة باب المُعلّی‘ ہمارے دوست النجم بن فہد کی تصانیف ’الدّرّ الکمین بذیل العیقد الثّمین‘ اور ’إتّحاف الوری باخبار امّ القرّی‘ ہیں۔ ان دونوں کے ذیل کے طور پر ان کے بیٹے العزّ بن فہد نے دو کتابیں لکھی ہیں۔

الموصل

ابن باطیش -

ابراہیم بن محمد بن یزید الموصلی -

ابو زکریا یزید بن محمد بن ایاس الازدی^۳ - ان کی تصنیف وہاں کے

محدثین اور حفاظ سے متعلق ہے۔

العیز بن الاثیر، مصنّف ”الکامل“، نے وہاں کی تاریخ لکھنا

شروع کیا تھا لیکن تکمیل سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

میا فارقین

احمد بن یوسف بن علی بن الازرق القاضی^۴ -

XX - اصل نسخے میں جگہ خالی ہے۔

۱ - محمد بن علی بن محمد، ف ۸۳۷ھ -

۲ - عبدالعزیز بن عمر، ۸۵۰ - ۹۲۹ھ -

۳ - ف ۳۳۳ھ -

۴ - ف بعد ۵۷۲ھ -

نَسَا

ابیورد کے تحت آتا ہے ۔

نُصْفَ

ابو العباس جعفر بن محمد بن المُعْتَزِ المُسْتَشْفِرِي الحَنْفِي الحافظ ۔

نُصَيْبِيْن

کسی ایک نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے ۔ نام مجھے یاد نہیں رہا ۔

نَفْرَةٌ

ابن المودب ۔

نَيْسَابُورُ

الحاکم ۔ ان کی کتاب کا ذیل عبدالغافر^۱ نے لکھا ہے ۔ دونوں میرے پاس ہیں ۔ پہلی (اصل) ۶ جلدوں میں اور دوسری (ذیل) ایک موٹی جلد میں ۔

هَرَاةٌ

شیر ویش ،

[ص : ۱۳۴] ابو نصر الفامی^۲ ، ان کی کتاب کا اختصار الضیاء المقدسی نے کیا ہے ۔

ابو اسحاق احمد بن محمد بن یاسین الهرتوی الحداد^۳ ۔ ان کی دو

- ۱ - عبدالغافر بن اسماعیل ، ف ۵۲۹ -
- ۲ - عبدالرحمن بن عبد الجبار بن عثمان ، ف ۵۴۹ -
- ۳ - ف ۵۲۳ -

تصنیفیں ہیں : ان میں سے ایک کی ترتیب حروف معجم کے لحاظ سے ہے اور دوسری - - - - - (۹) میرا خیال ہے کہ ابو عبداللہ الحسن بن محمد الکتبی کی ہے ۔

ہمذان

ابن منصور شہر دار بن شیرویشہ ،
شیرویشہ بن شہردار ابن شیرویشہ الدیلیمی ،
ابو الفضل صالح بن احمد بن محمد بن احمد بن صالح الہمذانی^۱
الحافظ اور عمران بن محمد بن عمران الہمذانی نے 'طبقات اہل ہمدان' کے
عنوان سے کتابیں لکھی ہیں ۔

واسط

الحافظ المورخ ابو عبداللہ محمد بن سعید بن یحییٰ الدبیشی اور ان سے
پہلے ابو الحسن اسلم بن سہل بتحشیل الواسطی^۲ ۔ ان کی کتاب کا
ذیل ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن الطیب الجلابی^۳ نے لکھا ۔

الیمن

الیحیمشیری ،
البہاء ابو عبداللہ محمد بن یعقوب بن یوسف الجندی ۔ ان کی کتاب
'السلوک' طبقات پر مرتب ہے ۔ اس کے خطبہ میں وہ کہتے ہیں کہ
جہاں تک متقدمین کے الزاجیم کا تعلق ہے ان کا دار و مدار حسب ذیل
کتابوں پر ہے :- الفقیہ ابو حفص عمر بن علی بن سمرہ^۴ کی کتاب فقہا

۱۔ الف ۵۳۷۳ - ۲۔ الف ۵۲۸۸ - ۳۔ الف ۵۵۳۳ - ۴۔ الف ۵۵۸۶

الاعلان بالتویخ

یمن پر ، اس میں انہوں نے بیشتر فقہا کا ذکر کیا ہے اس وقت سے جب کہ وہاں اسلام طلوع ہوا سنہ پانچ سو اسی کے اوپر تک۔ تاریخ الیمن یا تاریخ صنعاء از ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد الرازی الصنعانی ، انہوں نے کتاب کو تقریباً سنہ ۴۶۰ ہجری ختم کیا ہے۔ تاریخ صنعاء از اسحاق بن جریر الزہری الصنعانی۔ وغیرہ وغیرہ۔ الجندی کی کتاب سنہ ۷۳۰ کے بعد ختم ہوئی ہے ، انہوں نے اس کی ترتیب پر توجہ نہیں دی اسی لیے اس میں سے کچھ ڈھونڈ نکالنا دشوار ہے ، بعد میں آنے والوں کا دار و مدار اسی پر ہے۔ بالآخر جب عمر بن علی بن سمرہ کی کتاب فقہاء یمن کے بارے میں نکل آئی تو انہوں (الجندی) نے بھی ترتیب پر توجہ دی۔ بعد ازاں الموفق ابو الحسن بن ابی بکر الخزرجی نے کتاب لکھی جو دو جلدوں میں ہے اور اس کا نام 'العقد الفخیر الحسن' ، فی طبقات اکابر الیمن ' ہے۔ یہ اچھی خاصی کتاب ہے باوجودیکہ اس میں بہت سے ان لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کا الجندی نے ذکر کیا ہے۔

البدر حسین الہمدانی : 'تحفة الزمان' ، فی تاریخ سادات الیمن ' اس کی دو جلدیں یا ایک موٹی جلد ہے۔

عبدالباقی بن عبدالحمید القرشی : 'بہجة الزمان' ، فی تاریخ الیمن '

الافضل عباس بن المصباح علی بن داود بن یوسف بن عمر بن علی بن رسول^۲ جو شاہان یمن کے سپوت اور یمن کے حکمران ہیں ، [ص : ۱۳۵] انہوں نے تاریخ ابن خلدون کا اختصار کیا ہے اور حسب ذیل کتابیں تالیف کی ہیں : 'سُرُة العُیون' ، فی تاریخ طوائف القرون ' و 'بُغیة ذوی الہیمم' ، فی أنساب العرب و المعجم ' و 'کتاب العطاء السینیة' اس میں یمن کے بڑے بڑے لوگوں کا تذکرہ ہے۔

۱ - ف ۷۳۳ - ۵

۲ - ف ۷۷۸ - ۵

مشہور ہے کہ یہ سب قاضی۔ تعیز، الرضی ابوبکر بن محمد بن یوسف کی توجہ سے انجام پایا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے علماء یمن کے بارے میں خاصی محنت کی ہے جیسے :
القطب القسطلانی^۱ ،
العفیف الیافیعی ،

الجمال محمد بن ابی بکر بن الخیاط^۲ ،

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابی الصیف : 'المیمون المضمّن ،
لیبعض فضلاء اهل الیمن' ۔

ابوبکر محمد بن عبدالحمید بن عبداللہ بن خلف القرشی المیصری نے یمن کے 'فضل' (فضیلت) سے متعلق چالیس حدیثیں جمع کی ہیں ۔

احمد بن عبداللہ بن محمد الرّازی : 'تاریخ صنعاء' ۔

عمارة (جن کا ذکر اوپر^۳ گزرا) : 'المفید فی اخبار زبید' ،

ایک کسی نے 'دولة المظفر صاحب الیمن' بھی لکھی ہے ۔

التخزرجی : 'العقود اللؤلؤیة ، فی اخبار الدولة الرسولیة' ،

التقیی الفاسی : تقریب الامتل والسؤل ، من اخبار سلاطین بنی

رسول' ۔ انہوں نے اس کا اختصار بھی کیا ہے ۔

ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو

یمن کے صائغا (نیک ہستیوں) یا ایسی ہی دیگر ہستیوں کے ذکر

تک محدود رکھتا ۔

'بُلدان ، پر تصانیف

علاوہ ازیں 'بُلدان' پر کچھ اور تصانیف بھی ہیں جن میں مقامات کی

نشاندہی کی گئی ہے اور ان کی خوبیوں کا اور خاص طور پر ان کے فتح

۱ - بظاہر محمد بن احمد بن علی ، ف ۵۶۸۶ ۔

۲ - ۵۸۳۹-۷۸۶ ۔

۳ - لحظ ص ۱۲۷ سبق ۔

الاعلان بالتوبيخ

ہونے کا تذکرہ ہے لیکن بیشتر ان میں وہاں کے رہنے والوں کے موانع نہیں پائے جاتے ہیں۔ ایسی کتابیں کثرت سے ہیں۔ ان میں سب سے جامع یاقوت کی 'معجم البلدان' اور البکری کی 'المسالك والممالک' اور عبید اللہ بن خُرداذبہ^۲ کی بھی اسی عنوان کی کتاب ہے، جو ان کی 'تاریخ' کے علاوہ ہے۔ نیز الشَّہاب بن فضل اللہ نے 'مسالك الاقطار فی الاقطار والا مشصار' بیس سے زائد جلدوں میں لکھی ہے المویثد یثۃ میں اور ہمارے سلطان (قایتبای) کے مدرسہ واقع مکہ میں موجود ہے۔ ایسی ہی اور کتابیں یہ ہیں :-

احمد بن یحییٰ البلاذری^۳ : ان کی کتاب 'بلدان' کی خبروں سے اور ان کی فتح کے متعلق ہے، خواہ فتح باہمی مصالحت سے ہوئی ہو یا بزور شمشیر۔ ہجرت سے لے کر تمام وہ فتوحات جو کہ آپ (نہ صلعم) کے اپنے زمانے میں اور بعد کو خلفا کے ہاتھوں عمل میں آئیں سب اس میں شامل ہیں۔ ان فتوحات سے متعلق تمام خبریں بھی ہیں اور مشرق، مغرب، شمال، جنوب کے تمام شہروں کے احوال بھی ہیں۔ مسعودی کا کہنا ہے کہ 'بلدان' پر اس سے بہتر کتاب انہوں نے نہیں دیکھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ یا قوت سے پہلے کی بات ہے۔

کسی اور شخص کی تصنیف 'الروض المیعطار فی اخبار الاقطار' دو جلدوں میں ہے۔

العُدزری^۴ : ترصیع الاخبار فی البلدان ۔
ایک اور مصنف کی 'نظم الممرۃ جان فی البلدان'
[ص: ۱۳۶] المویثدہ وایلی حتماہ کی 'تقویم البلدان' ایک جلد میں

- ۱ - عبد اللہ بن محمد، ف ۵۳۸۔
- ۲ - تیسری صدی کا نصف اول۔
- ۳ - ف ۵۲۹۔
- ۴ - احمد بن عمر بن انس، ف ۵۳۸۔
- ۵ - اسماعیل بن علی، معروف بہ ابو الفدا، ف ۵۳۲۔

ہے ، جدول دار ہے اور خوب کتاب ہے ۔

البکری کی ایک اور کتاب ہے : مُعْجَم مَا اسْتَعْجَمَ ۔

یاقوت حَمَوِي اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی 'المُشْتَرِك لفظا و المقتَرِق صَقْشَا' لکھی ہے ۔ اسی قسم کا عنوان 'ما اتفق لفظه فی البلدان' ہے ۔

شہروں میں علم حدیث

مدینة - تو دار الهجرة ہے ، وہاں علم کی فراوانی رہی : صحابہ کے زمانے میں قرآن اور سُنَن کا زور تھا ، تابعین کے زمانے میں 'فتھا سبعة' (سات فقیہوں) جیسے لوگ تھے ، اور صیغار تابعین ' (چھوٹے تابعین) کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جیسے عبداللہ بن عُمَر اور ابن ابی ذئب اور ابن عَجَلان اور جعفر الصادق اور ان کے بعد امام مالک اور مدینة کے مُقْتَرِي (قاری) نافع اور ابراہیم بن سعد اور سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن جعفر۔ پھر جب ان کے بعد کا طبقہ آیا تو مدینہ میں علم بہت کم ہو گیا اور اس کے بعد تو بالکل ہی ناپید ہو گیا ۔ میرے خیال میں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہاں کثیر تعداد میں رافضی سکونت پذیر ہو گئے اور حکم چلانے لگے ، چنانچہ انہیں کا دور دورہ ہو گیا ۔ البتہ آٹھویں اور نویں صدی میں وہاں اکثریت کے مذاہب اور فنون کے ایسے علما پیدا ہوئے جن سے اہل سنت فیض یاب ہوئے ۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے کتابیں لکھیں ۔ اب اس وقت تو خدا کا شکر ہے کہ سنت کو پوری تقویت حاصل ہے وہاں کے ان فضلا کی بدولت جن سے خدا یہ کام لینا چاہتا ہے ۔ ان میں وہاں کے قاضی بھی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ۔ اللہ مجھے ان کی برکتوں کے ذریعہ ور کرے ۔

مکّة - کا معاملہ یہ ہے کہ صحابہ کے زمانے میں وہاں علم قدرے قلیل تھا ۔ بعد کو صحابہ کے آخری زمانے میں زیادتی ہوئی اور

الاعلان بالتوبیخ

تابعین۔ مُجَاهِد اور عطاء اور سعید بن جبیر اور ابن ابی مُسَلِّمہ کے زمانے میں؛ اور ان کے اصحاب جیسے عبداللہ بن ابی نَجِیح اور ابن کثیر المُقَرِّیٰ اور حَسَنُظَلَّة بن ابی سُفیان اور ابن جُرَیج وغیرہ کے زمانے میں؛ اور الرشید کے زمانے میں جبکہ مُسَلِم الزَّنجِی اور الفُضَیْل اور ابن عُیَیْنہ اور ابو عبدالرحمن المُقَرِّیٰ اور الازرقی اور الحُمَیْدی اور سعید بن منصور جیسے لوگ تھے، بدستور وہی حال رہا لیکن اس کے بعد تیسری صدی کے دوران حَرَمِیْن میں علم گھٹ گیا اور دوسری جگہوں میں ترقی ہوئی۔

میری رائے میں حرم مکی کی رونق ان افراد سے تھی جنہوں نے سارے مذاہب اور بیشتر فنون میں علم اور تصنیف کی طرح ڈالی۔ ان میں وہاں کے اصل باشندے بھی تھے اور باہر سے آکر بس جانے والے بھی۔ حال یہ تھا کہ مکہ واقعی اس قابل تھا کہ (طلب علم کی خاطر) سفر کر کے وہاں جایا جائے، ویسے عبادت کی جگہ تو وہ تھی ہی۔

[ص : ۱۳۷] بیت المقدس۔ میں بہت سے صحابہ جا بسے، جیسے عبادة بن الصامت اور شداد بن اوس۔ وہاں علم کچھ زیادہ نہ تھا مگر بعد کو اور بھی کم ہو گیا۔ پھر وہ نوے سال تک نصاریٰ کے قبضے میں رہنے کے بعد واپس ہاتھ آیا۔ جیسا کہ تاریخ ابن عساکر کے شروع میں مذکور ہے، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص سے وہاں کے شہریوں کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "تمام لوگوں سے بڑھ کر فتنہ جو ہیں اور ساتھ ہی فتنے کے معاملہ میں سب سے زیادہ بے صلاحیت بھی"۔ یہی بات ایوب بن یزید بن القریظہ سے منقول ہے لیکن وہ اہل حجاز کے ہارے میں ہے کہ وہ فتنے کی طرف دوڑنے میں سب سے زیادہ تیز ہیں اور ساتھ ہی اس معاملہ میں سب سے زیادہ بے صلاحیت بھی۔ البتہ مدینہ کی بابت انہیں کا یہ کہنا ہے کہ علم نے وہیں جڑ پکڑی اور وہیں سے اس کا ظہور ہوا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہاں کے باشندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ "یحبون من ہاجر الیہم

ولا يتجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم“ (جو ان کے پاس ہجرت کر کے جائے اس سے وہ محبت کرتے ہیں ، اور اپنے سینوں میں ذرا بھی جلن محسوس نہیں کرتے جب مہاجرین کو کچھ دیا جاتا ہے اور وہ مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں خود اپنی ذات پر)

جیسا کہ الطبرانی میں مذکور ہے ، ابن عباس سے روایت ہے کہ ” جس نے ناحق مکہ کی ایک بالشت زمین بھی لی اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ اس نے وہ زمین رحمن کے قدموں کے نیچے سے گھسیٹی۔“ ایک شخص نے سفیان ثوری سے کہا کہ میں نے مکہ میں مجاوری کرنے کا عزم کیا ہے ، اس کے لیے آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ انہوں نے کہا : میں تمہیں تین باتوں کی تاکید کرتا ہوں :- پہلی صف میں نماز نہ پڑھنا۔ یہ بظاہر اس لیے کہ اس سے نیکی اور فضیلت کی جگہ نمود کا انداز پایا جاتا ہے۔ اور قریش کی صحبت میں نہ رہنا ، اور دکھا کر صدقہ نہ کرنا۔ عمرو بن العاص سے روایت ہے ، جیسا کہ تاریخ ابن عساکر کے شروع میں درج ہے کہ ’ اہل مکہ اپنے آپ کو سارے لوگوں سے بڑا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سارے لوگوں کے خیال میں حقیر ترین ہیں“ بظاہر ان کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ ” گرے ہوئے لوگوں کے خیال میں “ ورنہ اہل مکہ کے ساتھ عقیدت تو سبھی رکھتے ہیں اور سبھی ان کا احترام کرتے ہیں ، گو ان میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی جیسا کہ دوسرے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ابن القریّۃ کا اہل مکہ کی بابت کہنا ہے کہ ” وہاں کے مرد خشک عالم ہوتے ہیں اور عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں“۔ احمد وغیرہ کے یہاں مذکور ہے کہ چار جگہ دجان کے قدم نہیں پہنچینگے گے : مکہ ، مدینہ ، بیت المقدس ، اور طُور۔ اور یہ جو ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اس کو لید کے دروازہ پر، جو بیت المقدس کے پاس ایک شہر ہے ، قتل کر دیں گے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس کے قدم وہاں نہیں پہنچیں گے۔ طبرانی کی ایک

معجم میں ہے کہ "شیطان میری (نبی صلعم کی) صورت نہیں اختیار کر سکتا اور نہ کعبہ کی"۔ اور بیت المقدس کی بابت مذکور ہے کہ "سونے کا ایک طشت ہے جس کے ارد گرد بچھو ہیں"۔ میں نے یہ اس لیے لکھا کہ یہ بتادوں کہ اس (شہر) سے کیا کیا برائیاں سرزد ہوتی ہیں جب یہ کچھ کرنے پر اتر آئے۔

دمشق - بلاد شام میں ایک وسیع 'قُطْرُ' (خِیْطَہ) ہے - [ص : ۱۳۸] جس میں متعدد بڑے چھوٹے شہر اور قریے شامل ہیں - بہت سے صحابہ وہاں جا بسے ، چنانچہ معاویہ کے زمانے میں اور ان کے بعد عبدالملک اور ان کی اولاد کے زمانے میں وہاں علم کا خاصا چرچا ہوا اور برابر فقہاء و محدثین و مُقَرَّبِین (قاری) پیدا ہوتے رہے - تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ، بلکہ اس کے بعد بھی ابو مُسْتَمِرُّ اور مروان بن مَہْدِ الطَّائِطِری اور ہیشام اور دُحَیْم اور سلیمان بن بنت شُرْحَبِیل ، نیز ان کے اصحاب کے زمانے تک قرآن اور حدیث اور فقہ کا گھر بنا رہا۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں وہاں علم کی کمی رونما ہوئی لیکن اس کے بعد پھر زیادتی ہو گئی ، خاص طور پر نور الدین کی حکومت کے دور میں اور اس زمانے میں جو وہاں کے مشہور محدث ابن عساکر کا ، نیز ان مقدسی حضرات کا زمانہ ہے جو وہاں دامن کوہ میں فروکش تھے - اس کے بعد ابن تیمیہ اور مجزی اور ان کے ساتھیوں کی بدولت علم کو اور فروغ ہوا - میں (سخاورد) کہتا ہوں کہ اس کے بعد علم دھیرے دھیرے کم ہونے لگا ، لیکن اس وقت خدا کا شکر ہے کہ وہاں ایسے لوگ باقی ہیں جو علم کی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور علم کی باتیں کرتے ہیں - خدا ان کی برکتیں قائم رکھے -

مصر - بہت بڑا شہر اور وسیع قُطْرُ ہے : شرقی ، غربی ، اور صعید اعالیٰ اور صعید ادنیٰ - اسے عمرو (بن العاص) نے عُمَرُہ کے زمانے میں فتح کیا تو بہت سے صحابہ وہاں جا کر آباد ہو گئے ، اور تابعین کے زمانے میں علم کا چرچا ہوا - بعد کو عمرو بن العاص اور یحییٰ بن ایوب اور حنیوہ بن شُرَیْح اور اللیث بن سعد اور ابن

لتھیعتہ کے زمانے میں اور فروغ ہوا۔ ابن وھب اور شافعی اور ابن القاسم اور ان کے ساتھیوں کے زمانے تک وہاں علم بہت زیادہ تھا، البتہ سنہ ۳۵۸ میں جب رافضی عبیدیوں کا قبضہ ہوا تو علم کا زور کم ہو گیا۔ انہوں نے قاہرہ کی بنا ڈالی تو اس وقت وہاں کے قاضی ابو الطاہر الذھلی البغدادی المالکی تھے۔ انہیں ان کی زندگی بھر برقرار رکھا لیکن اس کے بعد یہ منصب اسماعیلی شیعہ کے حوالے کر دیا۔ تشیع کا رواج ہوا تو حدیث اور سنت (کا علم) کم ہوتا گیا۔ تا آنکہ دو سو سال بعد پھر سنسی امرا برسراقتدار آئے اور الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کے ہاتھوں اللہ نے مصر کو ان (رافضیوں) کے پنجے سے نکالا۔ تب علم واپس آ گیا اور رافضیوں کا زور گھٹ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہاں تمام ملکوں سے زیادہ سبھی مذاہب اور فنون کے فاضل لوگ آباد ہیں۔ خدا انہیں توفیق عطا فرمائے۔

الاسکندریۃ۔ مصر کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ وہاں حدیث (کا علم) بہت کم تھا، البتہ جب السنفی نے وہاں سکونت اختیار کی تو حدیث اور قرأت کی خاطر دور دراز سے لوگ وہاں آنے لگے۔ اس کے بعد [ص: ۱۳۹] پھر علم میں کمی ہو گئی۔ میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ اب تو بالکل ہی معدوم ہے، جو کچھ ہے وہ چند باہر کے لوگوں کی بدولت ہے، ان میں سے بھی بیشتر مالکی ہیں، پھر بھی بہت سے شافعی وہاں قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے ہیں۔

بغداد۔ عراق کا سب سے بڑا شہر ہے، تابعین کے آخری دنوں میں اس کی بنا ڈالی گئی۔ سب سے پہلے جس نے وہاں حدیث پھیلائی وہ ہشام بن عروہ ہیں اور ان کے بعد شعبة اور ہشیم۔ حدیث کی شان وہاں خوب بڑھی اور برابر 'اثر' (حدیث) اور خبر کا چرچا رہا۔ امام احمد، نیز ان کے اصحاب کے زمانے تک بغداد اونچی سند اور حفظ حدیث کا مرکز اور خلافت اور علم کا پایہ تخت تھا۔ بالآخر کافر تتاریوں کے واقعہ سے اس کی جڑ کٹ گئی اور گھٹ کر تقریباً ایک چوتھائی رہ گیا۔ پھر اس کی

الاعلان بالتویخ

بربادی اتنی بڑھی کہ وہاں کوئی ایسا نہ رہا جو ذرا بھی علم جانتا ہو۔
جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی ہی مرضی سے ہوتا ہے۔

حِمَاص - میں بہت سے صحابہ جا بسے۔ تابعین کے زمانے میں،
بلکہ حریز بن عثمان اور شُعَیْب بن ابی حمزہ اور ان کے بعد اسماعیل
بن عیَاش اور بَقِیَّة اور ابو المَغیرة اور ابو الیَمان، نیز ان کے
اصحاب کے زمانے تک وہاں حدیث کا چرچا رہا۔ پھر چوتھی صدی میں کم
ہوتے ہوتے یہ علم لحاظ کے قابل نہ رہا اور آخر میں تو بالکل ہی فنا
ہو گیا۔

کوفہ - میں ابن مسعود رضی اور عمّار بن یاسر رضی اور علی بن ابی
طالب رضی جیسے لوگ اور بہت سے صحابہ فروکش ہوئے۔ ان کے بعد تابعین
کے اماموں میں سے عُلَیْقَمہ اور منسروق اور عُبَیْدَةُ اور الِاسْوَد جیسے
لوگ وہاں رہے۔ اور ان کے بعد الشَّعْبِی اور النَّخَعِی اور الحَکَم بن
عُتْبَة اور حمّاد اور ابو اسحاق اور منصور اور الاعمش اور ان کے ساتھی
(وہاں رہے)۔ ابن عُقْدہ کے زمانے تک علم کی وہاں برابر فراوانی
رہی۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا۔ یہ شہر رافضیوں کا
گڑھ ہے۔

البصرة - میں ابو موسیٰ الاشعری رضی اور عیمران بن حصین رضی
اور ابن عباس رضی اور بہت سے صحابہ فروکش ہوئے۔ اس سلسلے کا خاتمہ
رسول اللہ (صلعم) کے خادم اور چہیتے ساتھی (صُوَیْحِبٌ) انس بن
مالک پر ہوا۔ ان کے بعد الحسن اور ابن سیئرین اور ابو العالیة،
اور ان کے بعد قتادة اور ایتوب اور ثابت البُنّانی اور یونس اور ابن
عمّون، اور ان کے بعد حمّاد بن سلمہ اور حمّاد بن زید اور ان دونوں
کے ساتھی (وہاں رہے)۔ تیسری صدی کے اختتام تک وہاں اسی شان سے
علم کی فراوانی رہی۔ پھر بہت کمی ہو گئی یہاں تک کہ کچھ بھی
باقی نہ رہا۔

الیمین - میں مُعَاذِ رضی اور ابو موسیٰ رضی نے ذیرہ ڈالا۔ تابعین کے
[ص : ۱۴۰] امام وہاں سے نکلے اور دور دور پھیل گئے۔ تابعین کی ایک

دونوں ' ابن سُنَبْتِیہ ' (سُنَبْتِیہ کے بیٹے) اور طاؤس اور ان کے بیٹے ، ان جماعت وہیں رہی جیسے کے بعد مَعْمَر اور ان کے ساتھی ، اور ان کے عبدالرزاق اور ان کے بعد ساتھی ۔ ان کے بعد وہاں حدیث کی سند معدوم ہو گئی ۔ میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ یہ ایک لمبا چوڑا خطّہ ہے جو تِسْهَامَة اور نجد پر مشتمل ہے ۔ اس میں بہت سے شہر ، قرے ، وادیاں اور پہاڑ ہیں ۔ صحابہ کے زمانے میں یہاں علماء کی بہتات تھی اور بڑے بڑے لوگ سفر کر کے یہاں پہنچتے تھے ، بلکہ ہر زمانے میں یہاں علم کی افزائش ہوتی رہی ۔ جب شافعی کا مذہب ظہور پذیر ہوا اور ان کے نام کے ساتھ اس کی شہرت ہوئی تو یہاں والوں نے ان کی تقلید اختیار کی ۔ یہ تیسری صدی کی بات ہے جیسا کہ الجتندی نے لکھا ہے ۔ پھر یہی چیز بڑھتی رہی ، خاص طور پر ایوبیوں کی حکومتوں میں اور اس کے بعد سے برابر آج تک ۔ وہاں کے علما میں حنفی بھی پائے جاتے ہیں اور بہت سے زیدی بھی ۔ یہ لوگ صنعا اور اس جیسی جگہوں میں ہیں ۔ عُسْمانی حضر موت میں ہیں اور اسماعیلی پہاڑی علاقوں میں ۔ ان کے علاوہ اور فرقے بھی ہیں ۔

الانڈلس ۔ قُرطُبہ ، اِشبیلیہ ، غرناطہ اور بِلنسیہ جیسے مقامات ولید بن عبدالملک کے عہد میں فتح ہوئے ، اور وہاں علم کی درآمد ہوئی ۔ البتہ علم اور حدیث کا چرچا تیسری صدی میں جا کر ابن حبیب اور یحییٰ بن یحییٰ اور ان دونوں کے ساتھیوں کی بدولت ، اور ان کے بعد بقی بن مَخْلَد اور مجد بن وَضّاح کی بدولت ہوا ، اور وہاں سے ابن عبدالبر اور ابو عمرو الدّانی اور ابن حزم اور ابو الولید الباجی اور ابو علی الغسانی کے پائے کے لوگ نکلے ۔ اس کے بعد بھی وہاں کچھ نہ کچھ علم ابھرتا ہی رہا تا آنکہ قرطُبہ اور اِشبیلیہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا ۔ چنانچہ وہاں علم گھٹ گیا ۔

اقلیم مغرب ۔ اس میں قریب ترین اقلیم اِفریقیہ ہے اور اس کا مرکز شہر قَیْرُوَان ہے ، جہاں ابن قاسم کے ساتھی سَحْنُون بن سعید الفقیہ تھے ۔ البتہ بیجاہ اور تلمسان اور فاس اور مراکش اور مغرب

الاعلان بالتوبیخ

کے بیشتر شہروں میں حدیث بہت کم ہے۔ وہاں تو مسئلے مسائل ہیں۔ میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ وہاں سب مالک (رح) کے مقلد ہیں اور ایک فرقہ ظاہریوں کا بھی ہے اور تھوڑا بہت علم بھی باقی ہے۔

الجزیرہ۔ کا سب سے بڑا شہر موصول ہے۔ اور دوسرے شہر یعنی مستنبح، بالیس اور الرہا سے بہت سے محدثین پیدا ہوئے، اور حران اور الرقۃ وغیرہ سے بہت سے (حدیث کے) حافظ اور امام پیدا ہوئے۔ پھر کمی ہوتی چلی گئی اور بالآخر علم کی بساط ہی الٹ گئی۔

[ص: ۱۴۱] (دینتور) سے بہت سے (حدیث کے) حافظ پیدا ہوئے جیسے

محمد بن عبد العزیز اور ابو محمد بن قتیبة اور عبد اللہ بن محمد اور عمر بن سہل بن اسماعیل جن کی وفات سنہ ۳۲۰ میں ہوئی، اور ابوبکر ابن السننی۔

ہمدان۔ سنت کا مرکز ہے۔ سنہ دو سو سے وہاں علما پیدا ہونے شروع ہوئے اور برابر یہ سلسلہ جاری رہا جس کا خاتمہ حافظ ابو العلاء العططار اور ان کی اولاد پر ہوا۔ اس کے بعد جلد ہی تتاریوں اور چنگیز خانیوں نے اس کی بے حرستی کر ڈالی۔

التری۔ کو دارالعلم بنانے میں جن کا ہاتھ تھا وہ ہیں: جریر بن عبد الحمید اور ان کے پانے کے لوگ، ان کے بعد ابن حمید اور ابن مہران الحمّال اور ابراہیم بن موسیٰ اور سہل بن زنجلة، ان کے بعد ابن وارة اور ابو زرعة اور ابو حاتم اور ان کے بیٹے۔ چوتھی صدی کے دوران سب کچھ رفت گزشت ہو گیا۔

قزوین۔ تیسری صدی میں اس کا ذکر آتا ہے۔ یہاں جو لوگ پیدا ہوئے وہ یہ ہیں: محمد بن سعید بن سابق الرازی ثم القزوینی اور علی بن محمد الطنافوسی اور عمرو بن رافع اور اسماعیل بن یحییٰ اور توبتہ بن عبیدل اور کثیر بن ہشام اور ان کے بعد اور بہت سے لوگ اور آخر میں ابن منجہ اور ان کے ساتھی ابو حسن القطّان۔

جرجان۔ تیسری صدی میں جن لوگوں کی بدولت وہاں حدیث کا چرچا ہوا وہ ہیں: اسحاق بن ابراہیم الطلمقی اور محمد بن عیسیٰ الدمشقی

اور ان کے بعد ابو نَعَيْمِ بن عَدِيّ اور اسحاق بن ابراهيم السجزي اور ابو احمد بن عدی اور ابوبکر الاسماعیلی اور الغیطریفی اور ان کے ساتھی - اس کے بعد (علم کا) دروازہ بند ہو گیا -

نیشابور - اسے سنت اور اونچی سند کا مرکز بنانے میں جن کا ہاتھ تھا وہ ہیں : ابراهيم بن طهشمان اور حفص بن عبدالله ، اور ان کے بعد یحییٰ بن یحییٰ اور ابن راهویثہ اور محمد بن رافع اور عبدالرحمن بن بيشر اور عبدالله بن ہاشم اور الذہلی اور احمد بن یوسف اور مسلم اور ابراهيم بن ابی طالب اور ابو عبدالله البوشنجی ، اور ان کے بعد ابن خزيمة اور ابو العباس السراج اور ابن الشرفی ، نیز اور بہت لوگ - تئاریوں کے ظہور تک برابر لوگ (طلب علم کی خاطر) دور دراز کا سفر کر کے یہاں آتے تھے - یہاں کے آخری شیخ المویذ الطوسی تھے - اس کے بعد یہ شہر ایسا مٹا گیا تھا ہی نہیں -

[ص : ۱۴۲] طوس - سنہ دو سو کے بعد دارالعلم بنا - وہاں محمد بن اسلم الطوسی اور ان کے ساتھی ہو گزرے ہیں - گمان ہے کہ یہ شہر حتماً کے برابر ہے -

ہراة - سے یہ لوگ پیدا ہوئے : ابو رجاء عبدالله بن واقید اور الفضل بن عبدالله الہروی اور احمد بن نجدة اور محمد بن عبدالرحمن الشامی اور الحسين بن ادریس اور محمد بن المنذر - یہ سلسلہ ابو روح عبد المعیز بن محمد اور دثرت پر جا کر ختم ہوا -

مرو - خراسان کے دور کے علاقے کا ایک بڑا شہر ہے - جہاں بہت سے امام پیدا ہوئے ، وہاں پر یہ لوگ تھے : بريد بن الحبيب جو رسول اللہ (صلعم) کے 'صاحب' تھے ، نیز اور بہت سے صحابہ ، اور ان کے بعد عبدالله بن بريدہ اور یحییٰ بن یعمر اور کئی تابعین ، اور ان کے بعد الحسين بن واقد اور ابو حمزة السکری اور ابن المبارک اور الفضل بن موسیٰ اور ابو ثميلة اور علی بن الحسن بن شقیق اور عبدان بن عثمان اور ان کے ساتھی - اس کے بعد چوتھی صدی میں یہ (علم) کم ہو گیا

الاعلان بالتوبیخ

لیکن سلسلہ ٹوٹا نہیں تا آنکہ تتاریوں نے سر اٹھایا۔ اس وقت بالکل ہی صفایا ہو گیا۔

بمُلخ۔ دوسری صدی کے آخر میں وہاں علما کا ظہور ہوا جیسے عمر بن ہارون اور مکی بن ابراہیم اور خلف بن ایوب اور قُتیبہ بن سعید اور 'خت' [ابن نو بخت؟] اور محمد بن ابان اور عسیمی بن احمد العسقلانی اور محمد بن علی بن طرُخان۔ اس کے بعد یہ علم کم ہوتے ہوئے ناپید ہو گیا۔

بُخاری۔ عیسیٰ بن موسیٰ غُنْجَار اور احمد بن حَفْصُ الفقیہ اور محمد بن سَلَام البَیْکَنْدِی اور عبد اللہ بن محمد السُّنْدِی اور ابو عبد اللہ البُخاری اور صالح بن محمد جَزْرَة اور ان کے ساتھی۔ اس کے بعد بھی وہاں بچا کچھ علم ضرور رہا تا آنکہ دشمن تلوار لیے آدھمکا۔

سَمَرْقَنْد۔ میں یہ لوگ تھے: ابو عبد اللہ عبد اللہ بن عبد الرحمن الدَّارِمِی، ان کے بعد محمد بن نَصْرُ المَرْوَزِی اور عمر بن محمد بن بَحْرِی، نیز دوسرے اور لوگ۔

الشَّاش۔ اسلامی شہروں میں جہاں جہاں حدیث کا چرچا رہا ہے ان میں سب سے آخر میں ہے۔ وہاں یہ لوگ پیدا ہوئے: [ص ۱۴۳۰] الحَسَن بن الحَاجِب اور الوَیْثَم بن کُلَیْب اور محمد بن علی ابوبکر القَفَّال۔ اس کے بعد کچھ نہیں رہا اور علم ناپید ہو گیا۔

قَرِیَاب۔ سے بہت سے علما پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے پرانے محمد بن یوسف القَرِیَابِی ہیں جو الشَّوَرِی کے ساتھی تھے۔ دوسرے جعفر بن محمد القَرِیَابِی ہیں جن کی بہت سی تصانیف ہیں۔ انہوں نے سنہ ۲۲۶ میں قَرِیَاب میں حدیث سنی۔

خُوَارِزْم۔ بڑا شہر ہے۔ وہاں بہت سے علما پیدا ہوئے، جن میں سب سے پرانے الحَافِظ عبد اللہ بن اَبِی ہیں۔

شِیرَاز۔ میں بہت سے فقہا پیدا ہوئے۔ حدیث وہاں کم ہے، اور شاذ و نادر ہی کسی نے (طلب علم کے لیے) وہاں کا سفر کیا ہوگا۔

کیرمان - اور سیجستان اور الہشواز اور قوس (قوس ۱) -
 وسیع اقلیم ہے۔ وہاں سے بہت سے محدث پیدا ہوئے ہیں۔
 دامغان - بڑا شہر ہے، سہستان چھوٹا ہے اور بیسٹام متوسط
 درجے کا ہے۔ یہ شہر مغربی سمت سے خراسان کے پہلے شہر ہیں۔
 قسہستان بھی ایک شہر ہے۔ اس اقلیم کا سب سے بڑا شہر الرقی ہے،
 اس کے بعد زنجان اور اشہر۔ اقلیم قسہستان اقلیم قسویس سے ملی ہوئی
 ہے اور قوس کے مغرب میں ہے اور قوس عراق کے شمال مشرق میں
 قزوین سے متصل ہے۔

باقی رہیں وہ اقلیم جہاں حدیث کی روایت سرے سے تھی ہی نہیں
 اور نہ ہی اس سلسلے میں ان کا نام آتا ہے تو وہ یہ ہیں: العین (چین)،
 اس کا دروازہ سب سے بڑھ کر (علم حدیث پر) بند ہے؛ الہند؛ السیند؛
 العظا؛ بلغار؛ صغشر القفجاق؛ سراة؛ قرم؛ بلاد التکرور؛ العبشہ؛
 النوبة؛ البجاہ؛ الزنج؛ اور اس کے آگے اسوان؛ حضرموت؛
 البحرین؛ وغیرہ۔

اور آج کا حال تو یہ ہے کہ علم الاثر (حدیث) عراق، فارس اور
 اذربیعجان سے تقریباً معدوم ہو گیا ہے، بلکہ آران، جیلان، آرمینیہ
 جیبال اور خراسان میں بھی ناپید ہے جو 'دار الایثار' (حدیث کے
 مرکز) تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اصفہان جو 'عسکو'
 (اونچی سند) اور کثرت (حدیث) میں بغداد کا ہم پلتہ تھا وہاں بھی
 کچھ نہیں۔ جو کچھ باقی رہ گیا ہے تو وہ مصر اور دمشق (اللہ تعالیٰ
 انہیں کھلے آمان میں رکھے) میں اور ان کے آس پاس ہی ہے۔
 قمرے فیل مکہ میں اور کچھ غرناطہ اور مالقہ میں اور کچھ سبتہ میں
 اور کچھ تونس میں بھی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ خاتمہ بالخیر
 کرے۔

[ص: ۱۴۴] لیکن قرآن اور فقہ کے فروع (کا علم) مشرق و مغرب
 میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ البتہ مشرق میں اسے قدما کے علوم اور
 متکلمین اور معتزلہ کے خیالات سے غبار آلود بنا دیا گیا ہے۔ جو

کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس سے تصدیق ہوتی ہے سچے (نبی) کے اس قول کی جس کی سچائی ثابت ہے کہ: 'لا تقوم الساعة حتی یتقیل العیام' و یکشُر الجنہل' (قیامت نہیں آئے گی جب تک ایسا نہ ہو کہ عام کم ہو جائے اور جہل بڑھ جائے)۔ خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فائدہ مند علم عطا فرمائے۔

میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ یہ پوری فصل ایک 'جز' (چھوٹا رسالہ) ہے جو ذہبی کی مستقل تصنیف ہے۔ اس کے شروع میں انہوں نے ان شہروں کو لیا ہے جہاں آثار (احادیث) کا علم رہا ہے۔ اس میں بہت کم اضافوں کی ضرورت ہے علاوہ اس کے جو میں نے بیچ بیچ میں بڑھا دیا ہے کہیں تو جداگانہ طور پر اور کہیں ان کی عبارت میں سموکر۔ ایک ملک روم بھی ہے جس کا پایہ تخت اصطینبول ہے۔ اسی میں اذنة، برصہ اور قریب قریب کے اور شہر بھی ہیں۔ ان میں عقلی علوم کے عالم فاضل پائے جاتے ہیں، ان میں سے بیشتر بلکہ سارے کے سارے حنفی ہیں۔ ان کی خبریں ہم تک کم ہی پہنچتی ہیں۔

یا (سورخ کا سروکار ہوتا ہے) مطلق تاریخ سے، جس کے ساتھ کسی صفت یا جنس وغیرہ کی کوئی قید نہ ہو۔ اس کی کئی قسمیں ہیں:

تاریخ مشتمل بر حوادث :-

(۱) بعض سورخ تو صرف 'حوادث' سے سروکار رکھتے ہیں جیسے: القُطُوبِ مَجد بن احمد علی القسطلانی، انہوں نے ایک جلد کی چھوٹی سی کتاب لکھی ہے: 'جُمُوعُ الايجاز، فی الاعشجاز، بنار الحجاز'، اس طرح کچھ اور لوگوں نے زلزلوں اور فیتنوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ اسی قسم کی وہ بڑی تاریخ بھی ہے جس پر اس موضوع سے متعلق تمام بعد میں آنے والوں نے تکیہ کیا ہے :- امام ابو جعفر الطبری اجتہاد کے اماموں میں سے ہیں اور ان کا علم اتنا جامع تھا کہ ان کے بڑے بڑے

۱ - حجاز میں آگ لگنے کے حادثہ سے متعلق -

معاصرین میں سے کوئی اس میں ان کے برابر کا حصہ دار نہ تھا۔ روایت کے طریقوں پر اور دنیا کی خبروں پر وہ پوری طرح حاوی تھے۔ لیکن ان کی کتاب جس غرض سے لکھی گئی ہے اسی تک محدود ہے یعنی تاریخ کے، لڑائیوں کے، اور فتوحات کے علم تک۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ جرح و تعدیل وغیرہ کی طرف توجہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے کسی ایک امام کی بھی خبریں پوری طرح اکٹھی نہیں کی ہیں۔ ان کی ساری توجہ اس پر رہی ہے کہ لڑائیوں کا ذکر تفصیل سے ہو اور فقرات کو احمالی طور پر بیان کرنے کے بجائے کھول کر بیان کیا جائے، اور پرانے انبیاء کی، گزرے ہوئے بادشاہوں کی، قدیم فرقوں کی اور اگلے زمانوں کی خبریں مختلف طریقوں سے اور متعدد سندوں کے ساتھ درج ہوں۔ ان باتوں میں، اور ان کے علاوہ دوسری باتوں میں بھی، وہ ایک سمندر تھے البتہ 'رجال' پر جو ان کی تاریخ ہے بس اسی کو کافی سمجھتے تھے۔ انہوں نے خود اپنی تاریخ کا، جس کا اوپر ذکر ہوا، ذیل، بلکہ ذیل کا ذیل بھی لکھا ہے۔ اس کا ایک ذیل محمد بن عبدالملک الہمدانی نے لکھا ہے جو المقتدر کے عہد سے لے کر عتصم الدولة ابو شجاع تک سنہ ۳۶۰ کے آغاز پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمدانی کی ایک اور کتاب [ص: ۱۴۵] 'عنوان السیر' بھی ہے، اور ایک ذیل وہ بھی ہے جو الوزير ابو شجاع محمد بن الحسين بن عبد اللہ بن ابراہیم البغدادی کی اس تاریخ سے متعلق ہے جس کا نام ہے 'اخبار السیر النالییة علی تجاریب الامم الخالییة'۔ یہ خود ذیل ہے مسکتویشہ کی کتاب 'تجاریب الامم' کا۔ الطبری کا ذیل کسی اور شخص نے لکھا ہے اور اس کی تلخیص الصالح نجم الدین بن الکامل الایوبی نے کی ہے۔

ابو الحسن علی بن الحسين بن علی المسعودی نے ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا ہے 'اخبار الزمان'۔ اس کی انتہا

الاعلان بالتولیح

المتقی للہ کی خلافت یعنی سنہ ۳۳۲ پر ہوتی ہے۔ ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں : ذخائر العلوم وماکان فی سالیف الدہر ! الاستیذ کار لیمامرفی الاتعشوار ! التاریخ فی اخبار الامم۔ یہ سب کتب ان کی مشہور کتاب 'سروج الذہب و متعادلین الجوہر فی تحریف الاشراف من الملوک و اهل الدرایات' کے علاوہ ہیں اور سب کی سب جدت تخلیق کے باعث ممتاز ہیں لیکن رواج صرف آخری کتاب کو حاصل ہوا ہے۔ اس کے مقدسے میں وہ تاریخ کی بہت سی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ : "ہم نے تاریخ، سیرت اور آثار کی صرف ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے مصنف مشہور ہیں اور جن کے مولف جانے پہچانے ہیں۔ ہمارا کوئی ارادہ نہیں کہ ہم ان کتابوں کا ذکر کریں جو اصحاب حدیث کی تواریخ اور اسما الرجال اور ان کے زمانے اور طبقے کے علم سے متعلق ہیں، اس لیے کہ وہ تو اتنی زیادہ ہیں کہ اس کتاب میں ذکر کرنا میرے لیے ناممکن ہے"۔ نیز اگر ان سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کا عذر، اور اگر کوئی غفلت ہوئی ہو تو گرفت سے بچنے کا ذریعہ ان کا وہ طویل سفر ہے جس کی تفصیل انہوں نے دی ہے، اور اس کے ساتھ بادشاہوں کی مصاحبت بھی جس کی بابت انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ تصانیف دو درجے کی ہوتی ہیں : چھٹی اور عیب دار، اور طویل اور مختصر۔ اور خبروں کا تو یہ ہے کہ جتنا زمانہ زیادہ گزرتا جاتا ہے اتنی ہی ان میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اور نئے نئے زمانے کے ساتھ خبریں بھی نئی ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ان میں جو جاذب توجہ ہوتی ہیں وہ ایک نفاست پسند اور غیر معمولی ذہین (مصنف) کو معیوب معلوم ہوتی ہیں۔ ہر دو قسم کا ایک مخصوص مقام ہے جو مناسب توجہ چاہتا ہے۔ ہر اقلیم میں کچھ عجائب ہوتے ہیں جن کا علم صرف وہاں کے رہنے والوں ہی کو ہوتا ہے۔ ساتھ ہی بعض شخص وطن کی چہار دیواری کے اندر رہا ہو اور اس تک صرف مقامی خبریں پہنچی ہوں وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے اپنی عمر بھر ملک کی سیر میں گذاری ہو اور سارا وقت سفر کے ہچکواہوں کے نشتر لگایا ہو،

اور ہر ہر باریکی کو اس کے اصلی ماخذ سے لیا ہو ، اور نفیس معلومات فطری خزانوں کے اندر سے نکالی ہوں ۔ وہ (مسعودی) کہتے ہیں : ” یہ صحیح ہے کہ دنیا کی یادگاریں فنا ہو چکی ہیں اور منارے بے نشان ہو گئے ہیں ، نکمتے بھرے پڑے ہیں اور سمجھدار اکٹا دکٹا ہیں چنانچہ یا تو ملمع کار جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے یا کچا پکا کام کرنے والوں سے جو گدان پر قناعت کرتے ہیں اور یقین کی روشنی سے محروم ہوتے ہیں “ ۔

[ص : ۱۴۶] قاضی ابو عبدالله محمد بن سلامة بن جعفر القضاعی نے ابتدائے آفرینش سے لے کر اپنے زمانے تک کی ایک مختصر تاریخ پانچ کراسوں میں لکھی ہے ۔

’ حوادث ‘ مع ’ وفيات ‘ :-

۲ ۔ بعض مورخین ’ حوادث ‘ کے ساتھ ’ وفيات ‘ (تاریخہائے وفات) کا بھی اضافہ کرتے ہیں ، کبھی تو صرف وفات کی تاریخیں درج کرتے ہیں اور کبھی سوانح بھی لکھ دیتے ہیں ، جیسے ابو الفرج بن الجوزی نے المنتظم میں کیا ہے ۔ اس کتاب کی دس بڑی جلدیں ہیں ۔ انہوں نے خود ایک چھوٹی جلد میں اس کا اختصار کیا ہے ، اس کا نام ہے ’ شذور العنود فی تاریخ العہود ‘ ۔ یہ کتاب میں نے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے ۔ اس کا ذیل محمد بن احمد بن محمد الفارسی نے لکھا ہے ۔ ان کی کتاب کا نام ہے : ’ الفاخر ، فی ذکر حوادث ایام الامام الناصر ‘ ۔ اس کی کئی جلدیں ہیں ۔

المنتظم کا ایک اور ذیل امام العیز ابو بکر محفوظ بن معتوق بن البزوری نے لکھا ہے ۔

ابن الجوزی کے پوتے (سیب ابن الجوزی) ابو المظفر یوسف بن قیز غثلی نے تاریخ لکھی ہے جس کا نام ہے ’ مرآة الزمان فی تواریخ الاغنیان ‘ ۔ یہ نام بڑی حد تک مسستی پر پورا اترتا ہے ، چنانچہ وہ خود کہتے ہیں

’ اسے اسم با مسمیٰ اور لفظ مطابق معنی ہونا چاہیے ‘۔ القُطْب موسیٰ ابن الفقیہ ابی عبداللہ مجد بن احمد بن عبداللہ بن عیسیٰ الیُونِیْمِی - برادر الحافظ ابی الحسین علیؑ - نے اس کتاب کو تقریباً نصف (حجم) میں مختصر کر کے اس کا ذیل لکھا ہے جو ’ محمودیۃ ‘ میں موجود ہے ، اس کی چار جلدیں ہیں - ان کی وفات سنہ ۲۶۷ میں ہوئی - ابن الجوزی نے تاریخ میں ایک اور کتاب ’ دُرّة الکلیل ‘ چار جلدوں میں لکھی ہے -

الاستاذ الحافظ العلامة العیز ابو الحسن علی بن ابی الکترم مجد بن مجد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر - مصنف (أشد الغایة فی معرفة الصحابة) ، ’ الانساب ‘ وغیرہ ، و برادر علامہ مجدالدین مصنف ’ جامع الاصول ‘ و وزیر ضیاءالدین نصر اللہ مصنف ’ المشمل السائر ‘ - نے تاریخ لکھی ہے جس کا نام ’ الکامل ‘ ہے ، اور ہے بھی بالکل ویسی ہی جیسا کہ اس کا نام ہے - چنانچہ ہمارے شیخ (ابن حجر) فرماتے ہیں کہ یہ بہترین تاریخ ہے اس لحاظ سے کہ اس میں واقعات کو پوری وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کیا گیا ہے - اکثر اوقات سننے والے کو یوں معلوم ہونے لگتا ہے جیسے وہ خود ان واقعات کا شاہد ہو - پھر اس میں حُسن ترتیب اور خوبی بیان بھی ہے - ابن حجر کہتے ہیں کہ ” اسی بنا پر مجھے یہ خیال ہوا کہ سنہ ۶۲۸ ، یعنی ان کے موت سے دو سال قبل ، جہاں وہ رُکے ہیں وہاں سے میں اس کتاب کا ذیل لکھوں ‘ لیکن ہمارے شیخ کو اس کام کا [ص : ۱۳۷] موقع نہیں ملا - البتہ اس کا ذیل ابو طالب علی بن انجب البغدادی الخازن ، متوفی سنہ ۶۷۳ ، نے لکھا ہے نیز ابن الخازن نے ایک اور بڑی کتاب ’ الجامع المختصر فی عنوان التّواریخ و عیون السّیّر ‘ لکھی ہے - الجمال بن ابراہیم بن یحییٰ الکتیبی ، معروف بہ ’ الوطواط ‘ نے الامل پر بڑے

۱ - علی بن مجد ، ف ۵۷۰ -

۲ - مجد بن مجد بن عبدالکریم ، ف ۵۶۳ -

۳ - ف ۵۷۱۸ -

کام کے حاشیے لکھے ہیں -

علامہ مجتہد ذوالفنون ابو شامہ عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم المقدسی ثم الدمشقی الشافعی نے ' کتاب الرّ و ضتین ، فی اخبار الدّولتین ، النوریّة والصلّاحیّة ' لکھی ہے ، اور خود ہی اس کا ذیل بھی لکھا ہے - انہوں نے اپنے کام کا آغاز سنہ ۵۹۰ سے کیا اور ان کی موت سنہ ۶۶۵ میں واقع ہوئی یعنی اسی سال جو کہ الحافظ العسّتم القاسم بن مجد البیرزالی کی ولادت کا سال ہے - اس طرح گویا البیرزالی کی وہ کتاب جس کا آغاز اسی سال سے ہوتا ہے ، ابو شامہ کی کتاب کا ذیل ہے - اس کا نام ' الْمُقْتَفَى ' ہے اور سنہ ۷۳۶ کے دوران ختم ہوتی ہے ، بلکہ اس کے تھوڑا عرصہ بعد بھی انہوں (البیرزالی) نے کچھ لکھا ہے - اس کا ذیل شام کے فقیہ التّقیّی ابوبکر بن قاضی شہبّہ نے لکھا ہے ، جن کی وفات سنہ ۸۵۱ میں ہوئی - ان میں سے ہر ایک کی کئی کئی جلدیں ہیں - البیرزالی نے ایک بڑی جامع ' مُعْجَم ' بھی لکھی ہے -

الکمال ابو الفضائل عبدالرزاق بن الفُوطیّی کی ایک بڑی تاریخ ہے جس کو وہ صاف (تسبیض) نہ کر پائے - ایک ذرا اس سے چھوٹی تصنیف بھی ہے جس کا نام ' مُعْجَم (مَجْمَع) الْأَدَاب ، و مُعْجَم الْأَسْمَاءِ عَلَی الْأَلْقَاب ، و دُرَر الْأَصْخَاف ، فی غُرَر الْأَوْصَاف ' ہے - یہ بھی بہت بڑی ، پچاس جلدوں میں ، ہے - وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے ایک ہزار کتابوں سے جمع کیا ہے جو تواریخ ، دواوین ، انساب ، اور مَجْمَع (ہر قسم کی معلومات کے مجموعوں) کی نوعیت کی ہیں - اس کے علاوہ ان کی ایک تاریخ اور ہے جس میں حوادث کی ترتیب کا لحاظ کیا گیا ہے -

قاضی ، فقیہ ، الشّہاب ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالمنعم بن ابی الدّم کی ، جو ابن الصّلاح کے معاصر تھے ، ایک مفید کتاب ہے - نیز ان کی ایک کتاب اور ہے جس کی ترتیب حروف کے مطابق ہے -

اس کے شروع میں سیرت نبتویہ ہے ، پھر خلفا ہیں ، پھر فقہاء ، پھر متکلمین ، پھر محدثین ، پھر زُہّاد ، پھر نحوی ، لُغوی اور مفسّرین اور وُزّرا اور سربراوردہ لوگ اور پھر شعراء۔ یہ سب وہ ہیں جن کا نام 'مجد' ہے۔ ان کے بعد مصنّف حروف کی ترتیب سے چلتے ہیں: پہلے صحابہ کو لیتے ہیں پھر خلفا کو یکے بعد دیگرے اسی طرح جیسا کہ اوپر درج ہے ، اور ہر حرف کے آخر میں 'النساء' (عورتیں) آتی ہیں۔ اس کتاب کا نام 'التاریخ المقفّی' ہے۔ میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے۔ الجمال بن سابق کے پاس اس کی تین جلدیں تھیں ، بلکہ ان کے پاس دوسری تاریخ بھی تھی۔

المویّد ، امیر حتماہ ، نے بھی ایک تاریخ لکھی ہے جس سے ذہبی نے اقتباسات لیے ہیں۔

[ص : ۱۴۸] الحافظ ابو عبد اللہ الذہبی کی 'تاریخ الاسلام' بیس سے زیادہ جلدوں میں خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ ان کی 'سیر النبلا' بھی کئی جلدوں میں ہے۔ 'دوّل الاسلام' کی ایک چھوٹی جلد ہے۔ 'الإشارة' اس سے بھی چھوٹی ہے۔ انہوں نے ان میں سے ہر ایک کا ذیل لکھا ہے۔ اس کے علاوہ التّقیّی الفاسی نے 'السبلا' اور الإشارة ' دونوں کے ذیل لکھے ہیں۔ 'الدّوّل' (کے ذیل کے طور) پر میں نے 'وَجِيزُ الْكَلَامِ' لکھی ہے۔ ذہبی کی ایک اور تصنیف 'الاعلام بوفیات الاعلام' ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف میں 'درّة التاریخ' اور ایک 'ورقہ' بھی ہے جس میں التّقیّی بن تسمیہ کے اصحاب درج ہیں اور اس کا نام 'القبتان' ہے۔

العَدْلُ شمس الدین مجد بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم الدّمَشَقِیّ ابن الجَزَرِیّ کی ایک بہت بڑی اور مشہور تاریخ ہے ، خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی محمودیّة میں موجود ہے۔ اس میں بڑی عجیب و غریب باتیں ہیں۔ ان کا انتقال سنہ ۷۳۹ کے وسط میں ہوا۔

محمد بن محفوظ بن محمد بن غالب الجہنی الشیبی المکی نے ایک چھوٹی سی تاریخ لکھی ہے جو ہاشمیوں کی حکومت کے خاتمے سے شروع ہو کر ۶۹۰ کے بعد کہیں جا کر ختم ہوتی ہے ، البتہ اس کے بیچ بیچ میں کچھ سنہ ایسے آگئے ہیں جن کے تحت انہوں نے کچھ بھی نہیں لکھا ہے ، وجہ یہ ہے کہ ان کے علم کے مطابق ان کے پیشرو حضرات نے ان سینہ کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے ۔ ہاں انہوں نے ایک تاریخ اور لکھی ہے جو ۷۲۵ سے لے کر ۷۶۰ والی دہائی کے آخر تک جاتی ہے ۔ التقی الفاسی نے اس سے بہت کچھ لیا ہے باوجودیکہ اس میں زبان کی غلطیاں اور غیر فصیح عبارتیں وغیرہ پائی جاتی ہیں ۔

الحافظ العمیاد بن کثیر کی تصنیف ' البیادۃ و النہایۃ ' چند جلدوں میں ہے ۔ اس کے شروع میں وہ کہتے ہیں کہ " اللہ کی توفیق کے مطابق ابتداء آفرینش کا ذکر کروں گا ، یعنی آفرینش عرش کی ، کرسی کی ، آسمانوں کی ، زمین کی ، جو کچھ ان کے اندر ہے اُس کی ، اور جو کچھ ان کے درمیان فرشتے اور جن اور شیطان ہیں اُن کی ۔ اس کے بعد (ذکر کروں گا) آدم (علیہ السلام) کی تخلیق کی کیفیت ، انبیاء (علیہم السلام) کے قصے ، اور اس جیسی ساری باتیں عہد بنی اسرائیل اور زمانہ جاہلیت تک کی ، جب سلسلہ نبی (صلی علیہ وسلم) کے دور تک پہنچے گا تو آپ کی سیرت شایان شان طریقے سے لکھوں گا ، جس سے سینہ ٹھنڈا ہو جائے گا ، پیاس بجھ جائے گی اور بیمار کی بیماری دور ہو جائے گی ۔ پھر اس کے بعد ہمارے زمانے تک جو کچھ ہوا وہ بیان کروں گا ۔ نیز ذکر کروں گا فتنوں کا ، طویل جنگوں کا ، قیامت کی علامتوں کا ، پھر مرنے کے بعد جینے اور اٹھ کھڑے ہونے کا ، اور قیامت کی ہولناکی کا ، پھر اس کی تفصیلات اور اس دن جو کچھ ہوگا اور جو بڑے بڑے ہولناک واقعات ہوں گے ان کا ، پھر دوزخ کی تفصیلات کا ، پھر جنت کی تفصیلات کا اور وہاں کی اچھی اور خوبصورت چیزوں کا ، اس کے علاوہ اور متعلقہ باتوں کا ، اور کتاب ، سنت ، احادیث اور اخبار منقولہ [ص : ۱۴۹] میں اس بابت جو کچھ آیا ہے ، اور جو نبیوں کے وارث اور محمد مصطفیٰ کی

نبوت (حاملِ نبوت پر بہترین صلاۃ و سلام) کے چراغ جلانے والوں یعنی علما کے نزدیک مقبول ہے اس کا۔ اسرائیلیات میں درج نہیں کروں گا بجز ان باتوں کے جن کے نقل کرنے کی شارع نے اجازت دی ہے اور جو ایسی ہیں کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ (صلعم) کی سنت سے ٹکراتی نہیں ہیں، یہ باتیں اس قسم کی ہیں کہ نہ تو ان کو سچ کہا جا سکتا ہے نہ جھوٹ، ان میں تفصیل ہے ان باتوں کی جو ہمارے یہاں اجمالی طور سے پائی جاتی ہیں اور نام ہیں ان کے جن کا ذکر ہماری شریعت میں مبہم ہے۔ ان کی تعیین میں ہمارے لیے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کو ہم صرف 'زیب داستان' کے طور پر درج کریں گے، نہ اس لیے کہ ہم کو ان کی ضرورت ہے یا ہمیں ان پر بھروسا ہے، اور سند کے قابل تو صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے جو 'صحیح' یا 'حسن' طریقے سے مروی ہو، جہاں کہیں ضعف ہوگا اسے ہم واضح کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے 'کَذَاكَ نَقْصٌ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ مَبْتُقٍ وَ قَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا' (یوں ہم نے سنائی ہیں تم کو خبریں گذشتہ زمانے کی اور پنہچائی ہیں تم تک اپنے پاس سے وہ باتیں جو یادداشت کے قابل ہیں)۔ چنانچہ اللہ نے اپنے نبی (صلعم) کو خبریں سنائی ہیں گذشتہ زمانے کی! معذرت کی پیدائش کی بابت، گذری ہوئی امتوں کے تذکرے کی بابت، اور اس بابت کہ اللہ نے اپنے اولیا کے ساتھ کیا کیا اور اپنے دشمنوں پر کیا مصیبت نازل کی۔ رسول اللہ (صلعم) نے یہ سب کچھ اپنی امت کے لیے تشفی بخش طریقے پر صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ہر فصل کے تحت ہم وہ آیتیں درج کریں گے جو اس سے متعلق وارد ہوئی ہیں اور آیتوں کے بعد وہ جو اس ذیل میں رسول اللہ سے نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ جن باتوں کی ہمیں ضرورت ہے وہ سب رسول اللہ نے بتا دی ہیں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں انہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس قسم کی باتیں جاننے کے لیے

اور ان کے سمجھنے میں قیاس آرائیاں کرنے کے لیے علمائے اہل کتاب کے گروہ کے گروہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں حالانکہ بیشتر لوگوں کے لیے وہ بے فائدہ ہیں۔ ہمارے یہاں بھی علماء کا ایک گروہ ہے جو یہ ساری باتیں پوری کی پوری نقل کر ڈالتا ہے۔ ہم نہ ان کی تقلید کریں گے اور نہ ان کے راستے پر چلیں گے۔ ہم تو ان باتوں میں سے بہت تھوڑی اور وہ بھی مختصر طریقے پر درج کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتادیں گے کہ کونسی بات حق ہے بایں معنی کہ جو کچھ ہمارے یہاں ہے اس کے موافق ہے اور کونسی اس کے مخالف ہے اور اس بنا پر موجب انکار۔ رہی وہ حدیث جو بخاری نے اپنی 'صحیح' میں عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا: **بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَلَا تَكْذِبُوا، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّخِذْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ** (میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل کی باتیں بھی نقل کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور میری حدیثیں سناؤ البتہ جھوٹ میری طرف منسوب نہ کرو، جس نے جان بوجھ کر جھوٹ میری طرف منسوب کیا اس کو تو چاہیے کہ بس دوزخ میں اپنی جگہ بنا لے) تو یہ حدیث ان اسرائیلیات پر محمول ہے جن کی بابت سکوت اختیار کیا جائے یعنی نہ تو ہمارے پاس یہ کہنے کو کچھ ہو کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ کہ جھوٹی ہیں۔ ان کی روایت عبرت کے فائدے کے مد نظر جائز ہے اور اسی پر ہم اس [ص: ۱۵۰] کتاب میں عمل کریں گے۔ جو باتیں ایسی ہیں کہ ہماری شریعت ان کو سچا بتاتی ہے تو ہمیں ان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہی کافی ہے، اور جن باتوں کو ہماری شریعت باطل بتاتی ہے وہ رد کرنے کے قابل ہیں، ان کا نقل کرنا جائز نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ ان کے نہ ماننے اور جھٹلانے کا پہلو نکلتا ہو۔ جب اللہ پاک نے، جو ہر تعریف کا حق دار ہے، ہمیں ہمارا رسول۔ محمد (صلعم)۔ دے کر تمام دیگر شریعتوں سے، اور اپنی کتاب دے کر تمام دوسری کتابوں سے،

مستغنی کر دیا ہے تو ہم ان باتوں کی طرف نہیں لپکتے جو دوسروں کے یہاں پائی جاتی ہیں اور وہ تو ایسی ہیں کہ ان میں بسا اوقات الٹ پلٹ ، غلطی ، جھوٹ ، من گھڑت ، پیر پھیر ، آدل بدل اور اس سے بھی بڑھ کر مسخ کرنے اور بگاڑنے کا عمل ہوتا رہتا ہے ۔ جتنا ہمارے لیے ضروری ہے اسے ہمارے رسول نے شرح اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ، جس کو اس کا علم ہو ہو اور جس کو نہ ہو نہ ہو ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ۔ کیا ہی خراب ہے ان کی تصریح اسرائیلیات سے نقل کرنے کی بابت ۔ یہی وہ سچی اور مانی ہوئی بات ہے جو ہم نے اپنی کتاب ' الاصل الاصحیح فی تحریم النقل من التوراة والانجیل ' میں لکھی ہے اور اس پر زور دیتے ہوئے اس کی تحقیق اور تحریر میں خاصی طوالت سے کام لیا ہے ۔ توفیق کا سرچشمہ تو اللہ ہی ہے ۔

حافظ عماد الدین کے بیٹے نے اس کتاب کا ذیل ایک جلد میں لکھا ہے ، بلکہ ہمارے شیخ (ابن حجر) کی کتاب ' انباء الغمہر فی انباء العمہر ' جو دو جلدوں میں ہے وہ بھی اس لائق ہے کہ اسے اس کتاب کا ذیل بنایا جائے اس لیے کہ انہوں نے اس کی ابتداء اپنی پیدائش کے سال یعنی سنہ ۷۷۲ سے کی ہے ۔ ابن کثیر (کی کتاب) کا ذیل الشہاب بن حبیسی نے بھی لکھا ہے ۔ وہ انتقال کے وقت اسے مسودے کی شکل میں چھوڑ گئے ۔ التتیبی بن قاضی شہبہ نے اسے لے کر صاف کیا اور اس میں اضافے بھی کیے ۔ ان کے علاوہ اور بھی (ذیل لکھنے والے) ہیں جیسے الصلاح مجد بن شاکر الکُتیبی الدیمشقی المورخ ، ان کی تصنیف ' عیون التواریخ ' ہے اور اس کی بابت الصّدّر ابو الحسن علی بن العلاء علی بن مجد بن مجد بن ابی العیز الحنفی قاضی دیمشق و مصر نے کہا ہے :-

۱ - احمد بن حبیسی ، ف ۵۸۱۶ ۔

۲ - ف ۵۷۹۲ ۔

‘ عيون التواريخ ’ الشريفة قد حوى
عيون المعاني و الفوائد و الفضلا

‘ عيون التواريخ ’ شريف مشتمل ہے اچھے اچھے معانی ، فوائد
اور فضل پر ،

فما من سوادٍ في بياضٍ رأيتُه
بأحسن من هذى العيون ولا أحلى

میں نے اور کہیں سفیدی میں سیاہی ایسی نہیں دیکھی جو ان
‘ عيون ’ (آنکھوں) سے زیادہ خوبصورت اور دلپسند ہو ۔

اور انہوں (ابن شاکر الکُتبی) نے تاریخ ابن خلکان کا بھی ذیل
لکھا ہے ، اس کا نام ’ فتوات الوفیات ’ ہے اور کئی جلدوں میں ہے ۔
ان کی وفات رمضان سنہ ۶۴۰ (۷) میں ہوئی ۔

بیتبرس المنصوری الدوادار نے ایک تاریخ پچیس جلدوں میں
لکھی ہے ، یہ الموبدیه میں پائی جاتی ہے نیز اس کا کچھ حصہ بنو فہد
کے ذخیرہ کتب میں ہے ، اس کا نام ’ زبدة الفكرة في تاريخ الهجره ’
ہے ، ایک اکیلے الصفدی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان کا ایک نصرانی
کاتب ، ابن کتبر نامی تھا ، اس نے اس کتاب کی تیاری میں ان کا ہاتھ
بٹایا ۔ لیکن دوسرے کئی [ص : ۱۵۱] سوانح نگاروں نے ان کی نیکی ،
بھلائی ، تہجد ، تلاوت وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یہ سب باتیں
اس امر کے خلاف جاتی ہیں کہ انہوں نے اس پر بھروسا کیا ہو ۔

الظہیر علی بن محمد بن محمود الکازرونی کی ’ روضة الاريب ’
۲۷ جلدوں میں ہے ۔

الشہاب احمد بن عبدالوہاب بن محمد النشویری نے ’ نيهاية
الارتب ’ تیس جلدوں میں لکھی ہے ۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے ۔ اس کے
باوجود انہوں نے اس کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دو ہزار درہم میں

الاعلان بالتوبیخ

بیچ ڈالا۔ اس کا اختصار خود انہوں نے یا کسی دوسرے نے کیا ہے۔

العنفیف الیافیعی کی تاریخ کا نام، جیسا کہ اوپر گزرا، 'میرآة العتبان' ہے، یہ بڑے کام کی ہے اس کی دو جلدیں ہیں۔

ناصر الدین محمد بن عبدالرحیم بن علی بن الفُرات^۲ کی تاریخ خوب طویل ہے۔ اس کا وہ جز جو آخری تین صدیوں سے متعلق ہے اسے انہوں نے تقریباً بیس جلدوں میں صاف کیا تھا۔ اس کی کتابت سنہ ۸۰۳ کے خاتمے پر ختم ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ اس کو مکمل کر لیتے تو ساٹھ جلدیں ہو جاتیں۔ اس کی کتابت اس فن کی حیثیت سے بڑی مفید ہے جس سے ان کا سروکار ہے، لیکن ان کا اعراب درست نہ تھا اس وجہ سے وہ زیر زبر کی فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ نیز ان کی عبارت عام بول چال کی زبان میں ہے۔ یہ کتاب مسودہ ہی کی شکل میں بیک گئی اور تتر بتر ہو گئی۔

القاضی ولی الدین بن خلدون کی تاریخ الباسیطیہ میں ہے۔ اس کا مقدمہ بہت خوب ہے۔ اس کا نام 'العیبتر فی تاریخ المنوک والامم والبتر' ہے۔ اس کی سات بڑی بڑی جلدیں ہیں۔ ان کے ایک شاگرد ابن عمّار نے اس کتاب کی تعریف میں بڑی مبالغہ آرائی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اس کا مقدمہ تمام علوم پر حاوی ہے، فصحا کی زبانیں اس کے نہج سے بہت دور ہیں، اس کی برابری تو کیا معنی، اس کے لگ بھگ بھی نہیں پنہچتیں۔ اپنی جان کی قسم یہ تو ان کتابوں میں سے ہے جن کے القاب ایسے مشہور ہو گئے ہیں کہ انہیں مضمون کتاب سے کوئی نسبت نہیں، مثلاً الاغانی، اس کے مصنف نے اس کو یہ نام (الاعغانی = گانے) دیا حالانکہ اس میں ہر قسم کی باتیں ہیں؛ الخطیب کی

۱ - لحظ ص ۳۰ سبق -

۲ - ف ۵۸۰۷ -

تاریخ ، اس کا نام انہوں نے ' تاریخ بغداد ' رکھا حالانکہ وہ تو ' تاریخ عالم ' ہے ۔ ابو نعیم کی ' حلیۃ الاولیاء ' انہوں نے اس کا یہ نام رکھا حالانکہ اس میں کیا کچھ نہیں ہے ۔ امام ابو عثمان الصابونی^۱ تو یہ کہا کرتے تھے کہ "ہر وہ گھر جس میں ' الحلیۃ ' ہو اس میں شیطان نہیں آسکتا"۔ اسی طرح ابن عمّار^۲ کے ساتھی التقی المتشریزی نے بھی ابن خلدون کی تاریخ کی تعریف کی ہے ۔ اس کے مقدمے کی بابت وہ کہتے ہیں "اس جیسی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ، اور بہت مشکل ہے کہ کوئی اپنی کوششوں سے اس کے مرتبے کو پہنچ سکے" اسی طرح وہ اور مبالغہ کرتے ہیں ، لیکن ہمارے شیخ (ابن حجر) ان سے اتفاق نہیں کرتے ، بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے ، ان کی تحقیق یہ ہے کہ ابن خلدون کو خبروں کا ، خاص طور سے مشرق کی خبروں کا ، ٹھیک ٹھیک علم نہ تھا ۔ یہ بات ہر اس شخص پر عیاں ہے جو ابن خلدون کے کلام پر نظر رکھتا ہے ۔

[ص : ۱۵۲] ابن خلدون سے پہلے الشرف عیسیٰ بن مسعود المغربی الزواوی^۳ ، شارح مسلم ، نے تاریخ لکھی جس کا آغاز ابتدائے آفرینش سے کیا ۔ انہوں نے اس کی دس جلدیں لکھیں ۔

صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المورخ کی تصنیف المؤید یہ میں ہے ۔ ان کی تصنیف ' تاریخ الاسلام ' اور ' تاریخ الاعشیان ' ہیں ۔ ان میں سے ایک منہ وار ہے اور دوسری کی ترتیب حروف کے مطابق ہے ۔ نیز ' أخبار الدولة التشرکیّة ' دو جلدوں میں ، اور سیرة الظاہر برقوق^۴ اور ' طبقات الحنفیّة ' جس کے سبب

۱ - اسماعیل بن عبدالرحمن ، ف ۵۴۹ -

۲ - ضمیر کا مرجع ابن خلدون بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔

۳ - ف ۵۴۳ -

انہیں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ ان کی تصانیف بڑے کام کی ہیں لیکن ان کی عبارت بول چال کی زبان میں ہے۔ انہوں نے اپنی اور دوسروں کی تصانیف ملا کر تاریخ کی تقریباً دو سو کتابوں کی کتابت کی ہوگی۔

التَّقِیِّی المَقْرِیْزِی کی 'السُّلُوك' - جیسا کہ اوپر گزرا - چار جلدوں میں ہے۔ میں نے اس کا ذیل 'التَّیْبِر المَتَشَبُوك' کئی جلدوں میں لکھا ہے۔ اس کا ذیل لکھنے والے اور بہت سے ہیں، ان میں سے ایک یوسف بن تَغْرِی بِرْدِی^۲ ہیں جن کا ذیل دو یا تین جلدوں میں ہے، دوسرے الیوسفی^۳ اور الفیثومی^۴ ہیں جن کا ذیل ایک جلد میں البدر الشاذلی الکتبی کے پاس تھا۔

ہلال بن المُحَسِّن بن ابراہیم بن ہلال الصَّابِی^۵ جو تنہا اپنے باپ اور دادا کے برعکس اسلام لائے، انہوں نے بھی ایک تاریخ چالیس جلدوں میں لکھی ہے۔

کتب 'تراجم' :-

یا مورخ کا سروکار ہوتا ہے 'تراجم' (سوانح) سے، اور ایسے بہت سے ہیں :-

ابن ابی الدائم - ان کی تاریخ 'المقفی' کا ذکر پوری تفصیل سے اوپر گزرا۔

القاضی الشمس احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن ختایکان، ان کی کتاب 'وقیات الاعیان' پانچ جلدوں میں ہے، لوگوں میں خوب مقبول ہے اور سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'انہوں نے اس میں بہت کم کسی صحابی یا تابعی کا ذکر کیا ہے۔

۱ - لحظ ص ۱۲۰ سبق -

۲ - ف ۵۸۷۴ -

۳ - موسیٰ بن محمد، ۶۹۶-۷۵۹ (؟) ۵ -

۴ - شاید علی بن محمد - بعد از ۵۷۰ء - ؟

۵ - ف ۵۴۴۸ -

خلفا میں سے بھی کسی کا ذکر نہیں کیا ، اس لیے کہ اس موضوع پر جو بے شمار کتابیں ہیں وہ بہت کافی ہیں ۔ ہاں ! البتہ انہوں نے بہت سے ایسے فاضل لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے ان کا ملنا ہوا اور جن سے انہوں نے روایت کی یا جو ان کے زمانے میں تھے اگرچہ ان سے مل نہ پائے ۔

نیز انہوں نے اپنی کتاب کو کسی معین گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے جیسے علما ، مُلوک ، اُمرا ، وزرا ، یا شُعرا ۔ بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو لیا ہے جسے لوگوں میں شہرت حاصل ہو ، اس کی ترتیب انہوں نے حروف مُعجم کے لحاظ سے رکھی ہے ۔ ایک حرف کے جو نام ہوں ان میں پہلے وہ فقہا کو لیتے ہیں ، پھر خلفا کو ، پھر ندیموں اور شاعروں اور ادیبوں اور کاتبوں کو ۔ زیادہ تر انہوں نے شعرا اور ان جیسے لوگوں کا ذکر کیا ہے ۔ بعض مورخین نے اس کا ذیل لکھا ہے ، ایک فضل اللہ النصرانی^۱ نے بھی لکھا ہے اور اس کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ابن فہد کی کتابوں میں موجود ہے ۔ بلکہ ایک نصرانی نے تو 'حوادث' پر تاریخ ترتیب دی ہے جس کا آغاز [ص : ۱۵۳] ابتدائے آفرینش سے ہوتا ہے ۔ جب وہ نبی (علسم) پر پہنچتا ہے تو ایسی عبارت لکھتا ہے جس سے نصرانیوں کی خاطر ملحوظ ہے ، اس کے بعد وہ اپنے زمانے تک کے حالات لکھتا چلا جاتا ہے ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نسخے پر ہمارے شیخ (ابن حجر) کے ہاتھ کی تحریر موجود ہے ، انہوں نے اس سے استفادہ کیا اور ان کا انداز تعریف کا ہے ۔ اصل کتاب کا اختصار التاج عبدالباقی بن عبدالمجید الیسمانی نے کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے 'لُقطة العَجَلان ، المُلَخَّص من وفتیات الاعشیان' ۔

ابراہیم بن عبدالعزیز بن یحیی اللثوری الکاتب ، جن کی وفات بمقام دمشق سنہ ۶۸۷ میں ہوئی ۔ ان کی تصنیف تین جلدوں میں

۱ ۔ فضل اللہ بن ابی الفخر ، ف ۵۷۶ ۔

ہے ، ان میں سے تیسری جلد ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ابن فسہد کی کتابوں میں موجود ہے ۔

ابو الخیر سعید بن عبداللہ الذہلی البغدادی^۱ نے اہل دمشق و بغداد کے بہت سے ' آعیان ' (بڑے بڑے لوگوں) کے سوانح لکھے ہیں ۔ ایک بات ان سب مصنفین میں مشترک ہے وہ اپنی (تراجم پر مشتمل) تصنیفات کو ' تاریخ ' کا نام دیتے ہیں ۔ ہاں ! ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی کتاب کو ' طبقات ' کا نام دیتے ہیں جیسے مسالم کی طبقات جو صرف صحابہ اور تابعین تک محدود ہے ۔ وہ ان دونوں قسموں (صحابہ و تابعین) کی ابتدا مدینہ والوں سے کرتے ہیں ، ان کے بعد مکے والے آتے ہیں ، پھر کوفے والے ، پھر بصرے والے ، پھر شام والے اور مصر والے وغیرہ وغیرہ ۔ وہ سوانح نہیں دیتے بلکہ صرف نام درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔

خلیفہ بن ختیاط کی ایک اور تصنیف ہے اس تصنیف کے علاوہ جس کا ذکر اوپر گزرا ۔

ابو حیویشہ^۲ ، اور ابوبکر بن البرقی^۳ اور ابو الحسن بن سعید کی بھی تصانیف ہیں ۔

ابو الولید بن الد^۴ بتاغ کی ' طبقات المعدّین ' ہے ۔
الواقدی کی ' تاریخ ' ہے ۔

ابوبکر بن ابی شیبہ ، اور سعید بن کثیر بن عوف المصری ، اور ابو موسیٰ محمد بن المثنی البصری الزمینی^۵ ، اور عمرو بن علی الفلّامی ، اور یعقوب بن سفیان الفسوی ، اور ابو زرعة عبدالرحمن بن عمرو الدمشقی البصری^۶ ، اور ابو الشیخ ، اور ابو عبداللہ بن

۱ - ف ۵۷۹ -

۲ - شاید ابن حیویہ محمد بن العباس ، ف ۵۳۸۲ -

۳ - بظاہر احمد بن عبداللہ ، ف ۵۲۷۰ -

۴ - النصری ؟

مُتَّهَد اور دوسرے بہتیرے ہیں جن کی تصنیفات تاریخ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ میں نے چاہا کہ ان سب کو حروف مُعْجَم کی ترتیب کے ساتھ سلسلہ وار لکھوں۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کی تصانیف میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ غرض یہ ہے کہ جو مُورِّخین کی فہرست بنانا چاہے تو دو طریقوں میں سے ایک یہ طریقہ بھی اس کے سامنے ہو :-

فہرست مورِّخین بہ ترتیب حروف مُعْجَم

ابراہیم بن عبدالعزیز بن یحییٰ الکاتب ،

ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالْمُنْعِم بن ابی الدائم ،

ابراہیم بن عُمَر البیضاءعی ،

ابراہیم بن ماہتویشہ الفارسی - انہوں نے مُبَرَّد کی 'کامل'

کا جواب لکھا ہے ، جیسا کہ آگے 'جعفر' کے تحت آئے گا۔

ابراہیم بن محمد بن دُقْمَاق ،

ابراہیم بن محمد بن عَرَفَة الواسیطی النّحوی نیفطویشہ ۲۔ ان کی

تاریخ کی بابت مسعودی کا کہنا ہے کہ 'خواص کی کتابوں کی

[ص : ۱۵۴] دلچسپ باتوں سے بھری ہوئی ہے اور سرداروں کی اچھی

اچھی باتوں سے پُر ہے " وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ " اس کے مصنف

اپنے زمانے کے سب سے اچھے ناقد اور سب سے دلچسپ مصنف تھے "

ابراہیم بن موسیٰ الواسیطی الکاتب ،

احمد بن سعید بن حَزْم المُنْتَجِلی ۳ ،

احمد بن صالح بن شافع الجبیلی ۴ ،

۱ - محمد بن یزید ، ف ۵۲۸۵ -

۲ - ف ۵۳۲۳ -

۳ - اصل : 'المسیحلی' -

۴ - ۵۲۰ - ۵۵۶۵ -

الاعلان بالتوبيخ

احمد بن ابی ظاہر، ابو الفضل الکاتب المشروزی - بڑے پایہ کے شاعر ہیں اور چوٹی کے بلیغ لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا قول ہے :-

حَسْبُ الْفَتَىٰ اِنْ يَكُوْنُ ذَا حَسَبٍ
مِنْ نَفْسِهِ لَيْسَ حَسْبُهُ حَسْبُهُ

ایک نوجوان کے لیے یہی سب کچھ ہے کہ اس کا حسب خود اپنا ذاتی ہو۔ (دوسرا) حسب اس کے لیے کافی نہیں۔

لَيْسَ التَّذِي يَبْتَدِي بِهِ نَسْبٌ
مِثْلَ التَّذِي يَنْتَهِي بِهِ نَسْبُهُ

وہ شخص جس سے نسب کی ابتداء ہو اس شخص کی طرح نہیں جس پر نسب کی انتہاء ہو۔

احمد بن عبدالوہاب بن محمد الشویری ،

احمد بن علی بن عبدالقادر المقریزی ،

احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن خلیکان ،

احمد بن محمد الخزاعی الانطواکی ، معروف بہ الختانی ،

احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری - ان کی تصنیفات 'التاریخ'

'السبلدان' اور 'النساب الاشراف' ہیں۔

احمد بن ابی یعقوب - یا ابن یعقوب - المصیری ،

اسحاق بن ابراہیم الموصلی ،

ابو بکر بن الحسین المراغی ،

ہیبترس المنصوری الدوادار ،

ثابت بن سینان الصنابلی ،

جعفر بن محمد بن حمّادان الموصیلی الفقیہ ۲ - ان کی ایک کتاب

۱ - ف ۵۳۶۵ - اصل 'العتابی' -

۲ - ف ۵۳۲۲ -

اخبار سے متعلق ہے جو انہوں نے مسبرد کی کتاب 'الروضۃ' کے جواب میں لکھی ہے، اس کا نام 'الباہر' ہے۔ مسبرد کے جواب میں ابراہیم بن ماہتویشہ نے بھی، جن کا ذکر اوپر گزرا، ایک کتاب لکھی ہے لیکن وہ مسبرد کی 'الکامل' کے جواب میں ہے۔

الحسن بن ابراہیم بن زولاق، ابو مجد المصری،

الحسین بن علی، ابو عبداللہ الکتیبی،

حمّاد بن ابی لیلیٰ، ابو الفاسم الراویۃ - اخبار کے ماہر اور بہت بڑے عالم تھے۔ عرب کے 'ایّام' (جاہلیت کی لڑائیوں) اور انساب اور واقعات اور لغات اور شعر سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔

حمّاد عَجْرَد^۲ - اخبار کے بڑے عالموں میں سے تھے۔

خالد بن ہشام ابو عبدالرحمن الأستوی - ان کی تعریف مسعودی

نے کی ہے۔

خليفة بن خياط،

الخليل بن الهيثم الهَرَثَمِي - کتاب 'الحييل و المتكائد

فی الحروب' وغیرہ کے مصنف ہیں۔

داؤد بن انجراح - علی بن عیسیٰ الوزیر^۳ کے دادا ہیں، مسعودی

نے ان کی تاریخ کی تعریف میں کہا ہے کہ ایرانیوں اور دوسری قوموں

کی بہت سی خبریں اس میں جمع ہیں۔ یہ مجد کے والد ہیں جن کا ذکر

آگے آئے گا۔

الزبیر بن بکّار القُرَشِي المَکِّي - حُفَظَا حَدِيثٍ میں سے ہیں،

نسب کے اور پرانے لوگوں کی خبروں کے عالم ہیں۔ 'نسب

[ص: ۱۵۵] قریش' کے مصنف ہیں۔

۱ - حمّاد بن مابور، ف ۵۱۵۵۔

۲ - حمّاد بن عدس، ف غالباً ۵۱۶۱۔

۳ - ف ۵۳۲۵۔

سعيد بن أوس ، ابو زيد الانصاري^۱ ،
 سعيد بن عبدالله ، ابو الخبير الذهلي ،
 سعيد بن يحيى الاموي ،
 سينان بن ثابت ابن قرة الحراني^۲ ،
 سهل بن هارون^۳ ،
 شرقى بن قطامي^۴ ،
 صدقة بن الحسين الفرضي^۵ ،
 العباس بن الفرح الرياشي النحوي اللخمي^۶ ،
 العباس بن محمد الاندلسي - انھوں نے المعتصم بن صالح کے لیے
 ایک تاريخ تيار کی ، جس کا آغاز سیرت نبوی سے کیا ۔
 عبدالباقي بن عبدالمجيد اليماني ،
 عبدالرحمن بن احمد بن يونس بن عبدالاعثلي ، ابو سعيد المصري ۔
 عبدالرحمن بن اسماعيل بن ابراهيم المقدسي ثم الدمشقي ،
 ابو شامة ،

عبدالرحمن بن عبدالحکم ، ابو القاسم المصري ،
 عبدالرحمن بن محمد بن محمد بن الحسن الولوي بن
 خلدون ،

عبدالرزاق بن الفسوطي :

- ۱ - ف ۵۲۱۵ -
- ۲ - ف ۵۳۳۱ -
- ۳ - ف ۵۲۱۵ -
- ۴ - ان کا نام شاید الوليد بن الحسين تھا ۔ المنصور کے عہد میں
 حیات تھے ۔
- ۵ - بظاہر = الحداد ، ف ۵۵۷۳ -
- ۶ - ف ۵۲۵۷ -
- ۷ - حاکم المراد ، ۴۴۳-۵۴۸۴ -

عبدالله بن احمد بن يوسف ، ابو الوليد بن الفرغی ،

عبدالله بن الحسين بن سعد الكاتب ،

عبدالله بن لتهيعة المصري ،

عبدالله بن محفوظ الانصاري البتلوري - یہ ساتھی ہیں ابو زید
عُمارة بن زید المدنی کے -

عبدالله بن محمد بن احمد بن خلف العتيف المصري ،

عبدالله بن محمد بن عبید ، ابوبکر بن ابی الدنيا - المكتفی بالله
کے اتالیق اور حافظ حدیث ہیں -

عبدالله بن مسلم بن قنسیبہ ، ابو محمد الدینوری - 'المعارف'
اور دوسری کتابوں کے مصنف ہیں - ان کی کتابیں بہت سی ہیں اور
تصانیف کا دائرہ بہت وسیع ہے -

عبدالله بن المُقَفَّع - پہلے قاف پھر فاء بر وزن 'مجد' - صحیح یہی

ہے مگر بعض کا کہنا ہے کہ فاء کے زیر کے ساتھ ہے اس لیے کہ وہ
'قفاع' یعنی کھجور کی ٹوکریاں بچا کر بیچا کرتے تھے - انہیں کا قول
ہے کہ: 'جو کتاب لکھتا ہے وہ سر اٹھاتا ہے ، اگر اس کا کام اچھا
ہے تو سر بلندی تسلیم کی جائے گی ، اور اگر برا ہے تو مار مار کے اس
کا سر نیچا کر دیا جائے گا - ان کی تصنیف 'الدُّرَّةُ الیْتِیْمَةُ' ہے جو
اپنے فن کی بے نظیر کتاب ہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ 'کتاب
کابیلہ و دیمشنتہ' کے مصنف ہیں ، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ مصنف
نہیں بلکہ انہوں نے اسے فارسی سے عربی میں منتقل کیا ہے -

عبدالملک بن فُریب الاضمعی ،

عبدالملک بن عائشة ،

عُبیید اللہ بن عبدالله بن خُرداذبہ ، ابو القاسم - ان کو 'اللسان'

(لسان العیزان) میں 'عبیداللہ بن احمد' کے تحت درج کیا ہے - ان کی

۱ - ف ۵۱۴۲ -

۲ - عبیداللہ بن محمد ، ف ۵۲۲۸ -

الاعلان بالتویخ

بابت مسعودی کا کہنا ہے کہ 'تالیف کے امام تھے۔ [ص: ۱۵۶] اور تصنیف کو نئے نئے انداز سے شیریں بنانا خوب جانتے تھے۔ بعد میں آنے والوں نے انہیں کا اتباع کیا، انہیں سے سب کچھ لیا، انہیں کے نقش قدم پر چلے اور انہیں کی پیروی کی۔ تاریخ پر ان کی جو کتاب ہے وہ اجزا کے لحاظ سے خاصی بڑی اور ترتیب کے لحاظ سے نہایت خوبصورت ہے۔ اس میں سب سے زیادہ علم ہے اور عجمی اور غیر عجمی قوموں اور ان کے باشاہوں کے اخبار و سوانح پر حاوی ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی نہایت عمدہ کتابوں میں سے وہ کتاب ہے جو 'المسالیک و الممالک' پر ہے۔

علی بن أنجب^۱ ابو طالب البغدادی الخازن - حُفَظَ حَدِيثَ مِیْن سے ہیں۔

علی بن الحسن ، ابو الحسن بن الماشیطة ،

علی بن الحسن بن الفتح ، ابو الحسن الکاتب ، معروف یہ ہیں
المُطَوَّق ،

علی بن الحسين بن علی المسعودی ،

علی بن سُجَاهِد ،

علی بن محمد بن سلیمان النوفلی ،

علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم بن الاثیر ،

علی بن محمد بن محمود الکازرُونی ،

علی بن محمد المدائینی^۱ ،

عُمارة بن وَثِیمة المصری^۲ ،

عَمرو بن بحر ، ابو عثمان الجاحظ^۳ ،

عُمَر بن شَبِیة ، ابو زید الشمیری البصری - حافظ حدیث اور اخبار

۱ - ف ۵۲۲۴ -

۲ - اصل میں 'البصری' غلط ہے ، ف ۵۲۱۹ -

۳ - ف ۵۲۵۵ -

کے عالم ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں : ایک تاریخ بصرے کی ہے ، دوسری کوفے کی ، تیسری مکے کی اور چوتھی مدینے کی۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

عمر بن محمد بن محمد بن فہد ،

عیسیٰ بن مسعود الزواوی المتغری ،

القاسم بن سلام ، ابو عبید البغدادی^۱۔ اماموں میں شمار

ہوتے ہیں۔

قُدامة بن جعفر ، ابو الفرج الکاتب۔ ان کے بارے میں مسعودی

کا کہنا ہے کہ ان کی تالیف بڑی اچھی اور تصنیف خوبصورت ہوتی ہے ،

الفاظ مختصر اور معانی قریب الفہم ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب 'زہر

الربیع' دیکھو تو اس کا ثبوت مل جائے گا۔

لُوط بن یحییٰ ، ابو سیخنتف العامری^۲ ،

محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم الدمشقی۔ الحریری ،

محمد بن ابراہیم بن یحییٰ الکتبی ، معروف بہ 'الوطواط'۔

محمد بن احمد بن حنّاد ، ابو بيشر الدولابی ،

محمد بن احمد بن محمد بن ابی بکر المقدسی^۳۔ ان کی کتاب میں

محدثین کے نام اور ان کی کنیتیں ہیں۔

محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان البخاری الحافظ غُشجاری ،

محمد بن احمد بن محمد الفارسی ،

محمد بن احمد بن سہدی الشاہد ،

محمد بن ابی الازہر^۴۔ تاریخ میں ان کی دو کتابیں ہیں۔

ایک کا نام 'الہرج والاحداث' ہے۔ ان کی بابت سنان بن

۱ - ف ۵۲۲۳ کے آس پاس۔

۲ - ف ۱۵۷ یا قبل ۵۱۷۔

۳ - ف ۵۳۰۱۔

۴ - محمد بن احمد البوشنجی ، مولود سنہ ۵۲۸۳۔

ثابت نے، جن کا ذکر اوپر گزرا، کہا ہے کہ: [ص: ۱۵۷] 'انہوں نے زبردستی ایک ایسے کام میں ہاتھ ڈالا جو ان کی علمی مہارت سے تعلق نہیں رکھتا، اور ایسے راستے پر چل پڑے جو ان کا اپنا راستہ نہ تھا، چنانچہ انہوں نے ایک کتاب لکھی جو ایک کاتب دوست کے نام خط کی شکل میں ہے۔ اس کے آغاز میں انہوں نے نفس انسانی کے اخلاق اور اس کے اقسام - ناطقہ، غضبیتہ اور شہوانیہ - سے متعلق بحث کا خلاصہ درج کیا ہے، اور شہروں کی سیاست کی جھلکیاں پیش کی ہیں اور وہ وہی ہیں جو افلاطون نے اپنی دس مقالات والی کتاب میں پیش کی ہیں - ساتھ ہی ساتھ وہ خاص خاص باتیں جو بادشاہوں اور وزیروں کے فرائض میں ہیں وہ بھی بتائی ہیں - اس کے بعد وہ خبروں کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی خبریں صحیح ہیں اگرچہ ان کے ذاتی مشاہدے سے خارج ہیں، ان کا سلسلہ المعتضد باللہ کی خبروں سے ملاتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی صحبتوں کا اور گزرے ہوئے زمانے کا ذکر کرتے ہیں، پھر یکے بعد دیگرے ایک ایک خلیفہ کو لیتے ہوئے تصنیف میں اوپر (ماضی) کی طرف چلتے ہیں - یہ عمل اخبار اور تاریخ کے مروجہ طریقے کے بالکل خلاف ہے اور مصنفین کے طریقہ کار سے مختلف ہے - اگر وہ تاریخ لکھنے میں کامیاب بھی ہوں اور اصل موضوع سے دور نہ ہوں جب بھی یہ ان کا عیب ہی گنا جانے کا کہ وہ اپنی مہارت کے دائرے سے باہر نکلے اور آورد کے بل بوتے پر وہ کام کیا جو ان کی دلچسپی کا نہ تھا - ہاں! اگر وہ اس علم کی طرف متوجہ ہوتے جس میں وہ یکتا ہیں یعنی علم اقلیدس و مُقَطَّعات و مجسطنطی و مُدَوِّرات، اور اگر وہ بقراط اور افلاطون اور ارسطاطالیمس کے خیالات سے اس موقع پر آغاز کرتے جب کہ معلومات بیان کرتے ہوئے 'اشیاء فلکیہ' کی 'آثار علثویہ' کی اور 'مزاجات طبیعہ' کی اور 'سبب' (علت) کی اور 'تالیف' (چیزوں کی آمیزش) کی اور نتائج اور مقدمات کی اور 'صنائع' (اعمال) کی اور 'مرئیات' کی اور طبیعیات اور المہیئات کا فرق پہچاننے کی، اور جواہر کی اور ہیئت کی اور 'مقادیر اشکال' کی اور

ان کے علاوہ فلسفے کی دیگر اقسام کی۔ تو ایسی صورت میں تکلف سے بچ جاتے اور جو کام کرتے وہ ان کی مہارت کے شایان شان ہوتا۔ لیکن اپنی قدر پہچاننے والے معدوم ہیں اور ایسے لوگ بھی نایاب ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ کہاں غلطی ہوئی ہے۔

محمد بن اسحاق بن العباس ، ابو عبدالله الفاکھی ،
محمد بن اسحاق بن محمد بن ہلال بن المعسّین الصّابی الکاتب ،
محمد بن اسحاق بن یسار - مصنف ' المغازی ' -

محمد بن جریر ، ابو جعفر الطبری - ان کی تاریخ کی بابت مسعودی کا قول ہے کہ ” وہ تمام تالیفات میں نمایاں ہے اور ساری کتابوں سے جو لکھی گئی ہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ہر قسم کی خبروں کو سمیٹے ہوئے ہے ، طرح طرح کی یادگار باتوں کو محیط ہے اور علم کے تمام شعبوں پر مشتمل ہے۔ اس سے بہت فائدہ ہے اور بڑا نفع حاصل ہوتا ہے “ پھر وہ کہتے ہیں : ” اور بھلا ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس کے مصنف اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے عبادت گزار ہیں اور ان پر فقیہان شہر کے علوم اور سنن و احادیث کا خاتمہ ہے “

محمد بن العارث الثعلبی - ان کی تصنیف ' اخلاق الملوک ' وغیرہ ہیں۔

[ص : ۱۵۸] محمد بن الحسین بن سوار ، معروف بہ ابن اخت عیسیٰ بن فرخان شاہ - ان کی تعریف میں مسعودی کا کہنا ہے کہ ’ وہ خبروں کا اور زمانہ قبل اسلام کے واقعات کا وسیع علم رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیف سنہ ۳۲۰ ہجری ختم ہوتی ہے۔

محمد بن الحسین بن عبدالله بن ابراہیم ، ابو شجاع البغدادی -
محمد بن خلف بن حیّان بن صدّقة ، ابوبکر الضبّی القاضی ،
معروف بہ وکیع - ان کی تصانیف ' اخبار القضاة ' اور ' الرّمی و

النسیضال ، اور ' السمکاییل و السموازین ' ہیں ۔ انہیں کے شعر ہیں :-

إف ما غَدَتْ طَلابَةُ العِلمِ تبتغی
من العِلمِ يوماً ما یُخلد فی الکُتبِ

جب کبھی طالبان علم تلاش کرتے ہیں وہ علم جو ہمیشہ کے لیے کتابوں میں محفوظ ہو ۔

غَدَوْتُ بِتَشْمیرِ و جِدِّ علیہم
و متَحَبَّرَتی اُذُنی و دَفترها قَلَشِبی

تو میں کمر باندھ کر پوری تیاری کیساتھ ان کے پاس جاتا ہوں اس حال میں کہ دوات تو میرا کان ہوتا ہے اور دفتر میرا دل ۔

محمد بن خلف بن التمرزبان ، ابوبکر ۔ مصنف ' فضل الکیلاب علی کثیر ممتن لبیس الثیباب ' اور ' الحاوی فی علوم القرآن ' اور دیگر کتب جن کا اوپر ذکر ہوا جیسے ' المتیشمین ' اور ' الشعراء ' ۔

محمد بن خلف الهاشمی ،

محمد بن داؤد بن الجراح ۔ وزیر علی بن عیسیٰ کے چچا

ابو عبداللہ الکاتب ۔ ویسے ہی تھے جیسا کہ خطیب نے ان کی بابت کہا ہے : وہ عام لوگوں کے واقعات اور خلفا اور وزرا کی خبریں بہت اچھی طرح جانتے تھے اور ان موضوعات پر ان کی تصانیف مشہور ہیں ۔

محمد بن زکریتا ، ابوبکر الرازی ،

محمد بن زکریتا الغلابی البصری ،

محمد بن ابی السری ، ابو جعفر ،

محمد بن سلامۃ بن جعفر القضاعی ،

محمد بن سلام الجمحی ،

۱ ۔ اصل نسخے میں ابو عبداللہ سے پہلے ' قال ' زائد ہے ۔

محمد بن سليمان المنقري الجوهري^۱ ،
 محمد بن شاکر الصلاح الدمشقي الکتبی^۲ ،
 محمد بن صالح بن النسطاح ،
 محمد بن عائذ القرشي الدمشقي الکاتب ،
 محمد بن عبدالرحيم بن علي بن الفرات ،
 محمد بن عبدالله بن عمر بن عتبة العتبي^۳ ،
 محمد بن عبدالله ، ابو الوليد الازرقی ،
 محمد بن عبدالملک الهمدانی ،

محمد بن علي بن الحسن العلوي الدینوری - ان کی کتاب المعتضید کی خلافت پر ختم ہوتی ہے - نبی (صلعم) کی ولادت سے شروع ہو کر وفات تک اور اس کے آگے معتضد کی خلافت تک ، جو بھی حادثات اور واقعات ان کے زمانے میں ہوئے (سب اس میں ہیں) -

محمد بن علی ، ابو شجاع الدہقان^۴ ،
 محمد بن عمر الواقیدی ،
 محمد بن محمود المصعب النجّار ،
 [ص : ۱۵۹] محمد بن الهيثم بن شبابة الخراساني ،

محمد بن يحيى بن عبدالله بن العباس الصولي - ان کی بابت مسعودی کا کہنا ہے کہ ” علم سے خوب بہرہ ور تھے ، معرفت ان کے نصیب میں آئی تھی ، اور تصنیف اور خوبی تالیف خداداد تھی “ -

محمد بن يزيد الازدي المبرّد ،
 محمد بن يوسف ، ابو عمر البکندري ،
 معمر بن المثنى ، ابو عبيدة ،
 موسى بن محمد بن احمد بن عبدالله اليونيني ،

۱ - مسعودی نے ان سے روایت کی ہے -

۲ - ف ۵۲۲۸ -

۳ - ف ۵۵۹۰ -

النضیر بن شُمیثل^۱ ،

ہلال بن المحسن بن ابراہیم بن ہلال ، ابو الحسن الصابی ،

الہیثم بن عدی الطائی ،

و ثیمہ بن موسیٰ بن الفرات بن الدوشاء ،

و ہب بن منبہ ،

یحییٰ بن المبارک بن المغیرة الیزیدی^۲ ،

یعقوب بن سفیان الفسوی ،

یوسف بن ابراہیم - مصنف ' اخبار ابراہیم بن المہدی ' وغیرہ ۔

یوسف بن تغری بیردی ،

یوسف بن قیزغلی ، سیبط بن الجوزی ،

ابو اسحاق بن سلیمان الهاشمی ،

ابو لبشر الدؤلای = ' محمد بن احمد بن حماد ' ۔

ابوبکر بن ابی عبداللہ المالکی ،

ابوبکر بن حیّان = محمد بن خلف ،

ابوبکر بن احمد بن محمد التقی بن قاضی شہبہ ،

ابو حسن الزیادی ،

ابو السائب المخزومی ،

ابو عبداللہ بن حارث الرقیق الکاتب^۳ ،

ابو علی بن البصری ،

ابو عمر الصمدی القرطبی ،

ابو عمر الکنندی = محمد بن یوسف ،

ابو عیسیٰ بن المنجم^۴ - ان کی تاریخ کی بابت مسعودی کا

۱ - ف ۲۰۴ یا ۵۲۰۳ -

۲ - ف ۵۲۰۲ -

۳ - الرقیق الکاتب (ابو اسحاق) ایک دوسرے مصنف ہیں - سخاوی نے دونوں کو ایک بنا دیا ہے -

۴ - احمد بن علی بن یحییٰ - ان کے بھائی ہارون ۵۲۸۸ میں فوت ہوئے -

کہنا ہے کہ وہ ان خبروں پر مبنی ہے جو تورات اور اس کے علاوہ انبیا اور ملوک کی تاریخوں میں پائی جاتی ہیں ، -

ابو کامل ،

ابن ابی الازہر^۱ = مجد ،

ابن ابی الدنیا = عبداللہ بن مجد بن عبید ،

ابن عائذ = مجد ،

ابن عباس (تحت^۱) = - - - - - ،

ابن قانع ،

ابن الكلثبی = - - - - - ،

ابن مسکویہ ،

ابن المقفع^۱ = عبداللہ ،

ابن واضح^۲ = - - - - - ،

ابن التوشاء = خیال ہوتا ہے کہ یہ وثیمہ ہیں -

ابن یونس = عبدالرحمن بن حامد بن یونس ،

الاصمعی = عبدالملک بن قریب ،

الأموی = سعید بن یحیی ،

الریاشی = العباس بن الفرّج ،

الصولی = مجد بن یحیی ،

العُتبی^۱ = مجد بن عبداللہ بن عمر بن عتبہ ،

الفیومی = - - - - - ،

المصری ، مصنف 'زہرة العیون و جلا القلوب' -

[ص : ۱۶۰] الیزیدی = یحیی بن المبارک بن المغیرة ،

الیوسفی = - - - - - ،

۱ - کئی جگہ 'فی' کے بعد نام درج نہیں ہے -

۲ - بظاہر احمد بن ابی یعقوب الیعقوبی -

کتب 'وفیات'

بعض مورخین صرف وفیات سے سروکار رکھتے ہیں۔ ذہبی نے اپنی تاریخ کے مقدمے میں لکھا ہے کہ پرانے لوگوں نے وفات کی تاریخیں لکھنے کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا کہ چاہیے تھا، انہوں نے بہت کچھ اپنے حفظ پر بھروسہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بڑے بڑے صحابہ اور شافعی کے زمانے سے قریب تابعین تک کی وفات کی تاریخیں ضائع ہو گئیں۔ بعد کے لوگوں نے علما کی اور ان کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی وفات کی تاریخیں لکھنے کا اہتمام کیا، چنانچہ انہوں نے بہت سے ایسے لوگوں کی وفات کی تاریخیں لکھ ڈالیں جو ہمارے علم کے لحاظ سے 'مجهول' (غیر معروف) ہیں۔ اسی لیے بہت سے مجهولین کی وفات کی تاریخیں تو لکھی ہوئی ہیں اور اس کے برخلاف بہت سے جانے پہچانے اماموں کی وفات کی تاریخوں کا کچھ پتا نہیں، ہ ق۔ جنہوں نے اس قسم کی کتابیں لکھی ہیں وہ یہ ہیں :-

ابو الحسین عبدالباقی بن قانع البغدادی الحافظ۔ ان کی تحریر سنہ ۳۴۶ پر ختم ہوئی۔

ابو محمد۔ و ابو سلیمان۔ بن احمد بن ربیعہ بن زبیر البغدادی الدمشقی قاضی مصر۔ ان کی کتاب کی ابتدا سنہ ۳۳۸ ہجری سے ہوتی ہے اور انتہا ۳۳۸ پر۔

ان دونوں (کے قابل وثوق ہونے) میں کلام ہے۔ مؤخر الذکر کی کتاب کا ذیل ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکینانی نے لکھا۔ پھر کنانی کا ذیل ابو محمد ہیبة اللہ بن احمد الکفانی نے لکھا، ان کے کام کی مدت تقریباً بیس سال ہے، پھر ان کا ذیل ابو الحسن علی بن المفضل

۱۔ ابو محمد عبداللہ بن احمد، ف ۵۳۲۔ ان کے بیٹے ابو سلیمان محمد بن عبداللہ، ف ۵۳۷۔ لیدن کے مخطوط میں 'و ابو سلیمان' کے بجائے 'عبداللہ' ہے۔

۲۔ ف ۵۶۱۱۔

دو جلدوں میں ہے ، اور اس میں زیادہ تر وفیات ہی ہیں ۔

منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے وفیات پر کتابیں لکھی ہیں ایک ابو القاسم عبدالرحمن بن منشدہ ہیں ۔ ذہبی کا کہنا ہے : ” میں نے اور کوئی کتاب نہیں دیکھی جس میں اس (ابن منشدہ کی کتاب) سے بڑھ کر موضوع کا احاطہ کیا گیا ہو “۔

الغرض بعد کے ذیول پہلے کے ذیول کی بہ نسبت زیادہ مفصل اور زیادہ مفید ہیں اور ابن زبیر کی کتاب تو سب سے زیادہ ناقص ہے ۔ ابوبکر بن طرہ خان کہتے ہیں : میں نے ابو عبداللہ محمد بن نصر فتوح بن عبداللہ الحمیدی یعنی مصنف ’ التجمیع بین الصحیحین ‘ کو کہتے سنا کہ : علوم حدیث کی تین کتابیں خوب اچھی طرح پڑھنی چاہئیں : ایک کتاب ’ العیال ‘ پر ، اس موضوع کی بہترین کتاب دار قطنی کی ہے ۔ ایک کتاب ’ المؤتلف والمختلف ‘ پر ، اس موضوع کی بہترین کتاب امیر ابن ماکولا کی ہے ۔ اور ایک کتاب ’ وفیات الشیوخ ‘ پر ، اس موضوع کی کوئی ایک کتاب نہیں ، یعنی ایسی نہیں جس میں موضوع کا احاطہ کیا گیا ہو ۔ جب میں نے وفیات پر ایک کتاب تیار کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے امیر (ابن ماکولا) نے کہا ” پہلے کتاب کو سینین کے مطابق (سنہ وار) ترتیب دو اور اس کے بعد حروف کے مطابق “ ان کی مراد یہ تھی کہ دو مستقل کتابیں ہوں ایسی کہ ہر ایک سے مقصد پورا ہو سکے ، یا یہ کہ صرف ایک کتاب ہو اور اس کی دو قسمیں ہوں ، ایک میں سارا مواد ہو اور دوسری میں حوالے ہوں ، مثلاً حرف عین کے تحت یہ ہو : ” عیکثریمہ ، مولیٰ ابن عبّاس ، تابعین کے فلان طبقے میں “ ۔ اس طرح ڈھونڈنے والے کو راوی کا پتا لگانے میں آسانی ہوگی قطع نظر اس سے کہ وہ اس کا نام جانتا ہے یا طبقہ ۔ لیکن ذہبی نے جس طریقے پر کام کیا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ تھی کہ ہر طبقے کی دو قسمیں ہوں ، ایک قسم میں حروف کی ترتیب کے لحاظ سے نام ہوں اور دوسری میں ’ حوادث ‘ ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں حمیدی کے موانع کے تحت

حُمیدی کا قول نقل کیا ہے اور ابن طرخان کا یہ قول یاد دلایا ہے کہ ان کے شیخ حُمیدی 'الجمع بین الصحیحین' میں اس قدر مشغول رہے کہ (وفیات کی کتاب کی بابت) اپنے ارادے اور عزم کی تکمیل کیے بغیر مر گئے ، - اس کے بعد لکھا ہے ، بجنسہ الفاظ یہ ہیں : " اللہ نے ہماری اس کتاب (تاریخ الاسلام) سے کاسیابی کی راہ کھول دی " اس سے وہی معلوم ہوتا ہے جو میں نے اوپر لکھا - اللہ ان پر اور ہم پر رحم فرمائے -

اخیر زمانے کے ایک مصنف نے یوں اختصار کیا ہے : [ص : ۱۶۲] تاریخ کے مصنفین دوسری صدی میں اللیث^۱ تھے اور ان سے پہلے ابن سعد جنہوں نے الطبقات لکھی ہے ؛ تیسری صدی میں احمد (بن حنبل) اور شیخین (بخاری و مسلم) اور النسائی ؛ چوتھی میں الطبری اور ابن عدی ؛ پانچویں میں الخطیب اور الشیخ ابواسحاق الشیرازی ؛ چھٹی میں ابن عساکر اور ابن الجوزی ؛ ساتویں میں ابن خلدکان اور المُنذری ؛ آٹھویں میں المیزنی^۲ اور الذہبی ؛ نویں میں ابن حجر اور العیثی وغیرہ بے شمار ہیں -

جنہوں نے مخصوص طور سے 'ضعفا' (ضعیف راوی) اور 'متروکین' (جن کی حدیث ناقابل قبول ہو) پر کتابیں لکھی ہیں وہ یہ ہیں : ابن مسہدی^۲ ، البخاری ، النسائی ، ابن عدی ، ابن حبان ، ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں - سب سے آخر میں ذہبی ہیں جن کی تصنیف 'میزان الاعتدال' ہے اور ابن حجر ہیں جن کی تصنیف 'لسان المیزان' ہے -

ابن الجوزی کہتے ہیں : میں نے یہ دیکھا ہے کہ مورخین کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں ، کچھ تو ابتداء آفرینش کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں ، کچھ بادشاہوں اور خلفا کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں ، حدیث

۱ - بظاہر اللیث بن سعد لیکن ان کا زمانہ ابن سعد سے پہلے ہے -

۲ - عبدالرحمن بن مسہدی ، ف ۱۹۸ -

الاعلان بالتوبیخ

سے دلچسپی رکھنے والے علماء کے تذکرے کو زیادہ پسند کرتے ہیں ، زاہد لوگوں کو نیکو کاروں کی باتوں کا شوق ہوتا ہے ، ادب والے عربی دانوں اور شاعروں کی طرف مائل ہوتے ہیں ۔ ویسے یہ تو معلوم ہی ہے کہ ساری باتیں قابل توجہ ہیں ، ان میں سے جو بات بھی نظر انداز کر دی جائے اس کا شوق باقی رہ جاتا ہے ۔

ابن ابی الدّم نے بھی ایسی ہی بات بتاتے ہوئے مندرجہ ذیل کتابوں کے نام لیے ہیں : مغازی ابن عقیبہ ، تاریخ ابی جعفر الطبری والخطیب و سیف و ابن واضح ، الکامل از ابو العباس المبرد ، العقد از ابن عبد ربّہ ، معارف ابن قُتیبہ ، الحلیۃ از ابو نعیم ، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اپنے پیش نظر موضوع سے تجاوز کیا ہو ۔ پھر یہ کہ ان کتابوں کا سلسلہ ان کے مصنفین کی موت سے ختم ہو جاتا ہے اور بقیہ زمانے سے کوئی واسطہ نہیں رہتا ، مطلب یہ کہ بہت سے نئے نئے مقاصد ان کے بعد سامنے آئے ہیں ۔ میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ ان سے تو بہت سی باتیں چھوٹ بھی گئی ہیں جو انہوں نے نہ تو بیان کیں اور نہ جمع کیں ۔

تاریخ کی کتابوں کے بعض مصنفین عمدہ خبروں کے ساتھ پسندیدہ اشعار بھی ملا دیتے ہیں جیسے 'التذکرۃ الحمدونیۃ' اور ریثانۃ الادب ، از ابن سعید ، اور 'العقد' از ابن عبد ربّہ ، اور 'فصل الخطاب' از التّیفاشی ، اور 'نثر الدرر' از الآبی ۲ ۔

اسی سلسلے میں سفر نامے بھی بہت مفید ثابت ہوتے ہیں ، جیسے سفر نامہ (الترحلتہ) ابو الحسین محمد بن احمد بن جبیر الیکفانی کا ، اور ابو عبد اللہ محمد بن رشید کا ، ۔ اسی طرح کی کتاب ابو حیان کی 'النضار' بھی ہے ۔ [ص : ۱۶۳] اور سفرنامہ العلم القاسم بن یوسف

۱ ۔ لحظہ ص ۱۰ سبق : تجارب الامم لابن سعید ، وہاں غلط ہے اور یہاں صحیح ۔

۲ ۔ اصل : " فصل الخطاب للسیفاسی وھودرر اللالی " ۔

التشجیبی کا ، جو تین جلدوں میں ہے ۔ اس میں انہوں نے انہیں (ابن رشید) کی تقلید کی ہے جن کا ذکر ان سے پہلے ہوا ۔ وہ ان (ابن رشید) سے تقریباً دس سال پہلے سفر پر روانہ ہوئے تھے ۔ ابن رشید کے مقابلے میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مشرق میں ان کے جو شیوخ تھے ان کے سوانح بھی قلمبند کر دیے ہیں ۔ یہ چھ جلدوں میں ہیں اور ان میں بڑے کام کی باتیں ہیں ۔ میں نے ان کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا ہے ۔

’رجال‘ کے ماہرین :

’رجال‘ سے بحث کرنے والے بہت سے ہیں ۔ یہ گویا راستہ دکھانے والے ستارے اور ظلمتوں کے چراغ ہیں ، ان کے نور سے ہلاکت دفع کی جاتی ہے ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر آج تک کی تعداد کا شمار ناممکن ہے ۔ ابن عدی نے اپنی کتاب ’کامل‘ کے مقدمے میں ان میں سے اپنے زمانے تک کے بہت سے لوگوں کے نام گنائے ہیں ، صحابہ میں سے جن لوگوں کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں : عمر ، علی ، ابن عباس ، عبداللہ بن سلام ، عبادة بن الصامت ، انس ، عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان میں سے ہر ایک کا یہ قول بھی تصریح کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جو ان کی باتوں کو سچا نہ مانے وہ جھوٹا ہے ۔ تابعین میں سے انہوں نے چند اشخاص کا ذکر کیا ہے ، جیسے شعیب ، ابن مسیرین ، سعید بن المسیب ، ابن جبیر ۔ لیکن ان کے بعد آنے والوں کی بہ نسبت ان میں ایسے لوگ کم ہیں جن پر حرف آتا ہو ، وجہ یہ ہے کہ ان کے پیشرو (متبوع) ایسے ہیں کہ ان میں ضعف کم پایا جاتا ہے ، بیشتر تو ان میں سے صحابہ ہیں جن کی نیکی مسلم ہے (’عدول‘ ہیں) اور جو پیشرو صحابہ میں سے نہیں ہیں ان میں بھی بیشتر ’ثیقہ‘ ہیں ۔ پہلے ’قرن‘ (دور) میں جو صحابہ اور بڑے بڑے تابعین پر ختم ہوتا ہے بمشکل ہی کوئی ’ضعیف‘ پایا جاتا ہے ، اکا دکا

کی بات اور ہے جیسے الحارث الاعشور^۱ اور المختار^۲ الکتذاب۔ جب قرن اول تمام ہوا اور قرن ثانی آیا تو اس کے شروع ہی میں متوسط تابعین میں سے چند ایسے 'ضعیف' پائے گئے جن کو احادیث کے ٹھیک ٹھیک یاد رکھنے اور روایت کرنے کے بارے میں بسا اوقات ضعیف قرار دیا گیا، چنانچہ دیکھا گیا کہ وہ 'موقوف'،^۳ حدیثوں کو 'مرفوع' بنا ڈالتے ہیں (رسول اللہ تک پہنچا دیتے ہیں) اور 'ارسال'،^۴ تو بہت زیادہ کرتے ہیں، اور غلطیاں بھی کرتے ہیں جیسے کہ ابو ہارون العبّادی^۵ کی مثال ہے۔ جب متوسط تابعین ختم ہوئے اور تابعین کا دور آیا یعنی سنہ ۱۵۰ کے آس پاس تو بہت سے اماموں نے توثیق اور تجرّیح (راویوں کے ثقہ اور مجروح یعنی ناقابل اعتبار ہونے) کے بارے میں بولنا شروع کیا، چنانچہ ابو حنیفہ نے کہا: میں نے جابر الجعفی^۶ سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ الاعشم نے بھی چند کو ضعیف اور چند کو ثقہ بتایا۔ شعبہ نے بھی رجال کو پرکھا، دراصل وہ بڑے محتاط تھے اور ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔ یہی حال مالک کا تھا۔ اس زمانے میں جو لوگ اس مرتبہ کے تھے کہ جو بات کہیں وہ مان لی جائے، وہ یہ ہیں: معمر^۸، ہشام الدمشقی^۹، الاوزاعی، الثوری، ابن الماجشون^{۱۰}،

- ۱۔ الحارث بن عبداللہ، ف ۵۶۵ تقریباً۔
- ۲۔ المختار بن ابی عبید، ف ۵۶۷۔
- ۳۔ جس کی سند صحابی پر ختم ہو جائے۔
- ۴۔ تابعی کے بعد سند میں خلل پایا جانا۔
- ۵۔ عمارۃ بن جوین، ف ۵۱۳۴۔
- ۶۔ جابر بن یزید، ف ۵۱۲۸۔
- ۷۔ شعبہ بن الحجاج، ف ۵۱۶۰۔
- ۸۔ معمر بن راشد، ف ۵۱۵۳۔
- ۹۔ ہشام بن عبداللہ، ف ۱۵۴ یا ۱۵۱ یا ۵۱۵۴۔
- ۱۰۔ عبدالعزیز بن عبداللہ، ف ۵۱۶۴۔

حمّاد بن مسلمة^۱ ، اللّیث بن سعد ، وغیرہم ۔

ان کے بعد جو طبقہ ہے اس میں ایسے لوگ ہیں جیسے ابن المبارک، [ص : ۱۶۴] ہشیم^۲ ، ابو اسحاق الفزازی ، المعافق بن عمران المتوصلی^۳ ، بشر بن المفضل^۴ ، ابن عیینة ، وغیرہم ۔ انہیں کے زمانے میں ایک طبقہ اور تھا ابن علیة ، ابن وھب اور وکیع جیسے لوگوں کا ۔ نیز انہیں کے زمانے میں الحافظ الحجّة یحییٰ بن سعید القطّان اور الحافظ الحجّة ابن مہدی نے آگے بڑھ کر رجال کی اچھائیاں اور برائیاں کھول کر رکھدیں ، چنانچہ جس کو انہوں نے 'مجروح' کیا اس کے زخم کا مندمل ہونا مشکل ہو گیا، اور جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا وہ مقبول ہوا ، اور جس کی بابت ان دونوں میں اختلاف ہوا ، حالانکہ ایسے بہت کم ہیں ، اس کے معاملے میں اجتہاد سے کام لیا گیا ۔ ان کے بعد کے ایسے لوگ جن کی بات سنی جاتی تھی یہ ہیں : ہمارے امام شافعی رضی اللہ عنہ ، یزید بن ہارون^۵ ، ابو داؤد الطیالسی^۶ ، عبدالرزاق ، الفرّابی^۷ ، ابو عاصم النبیل^۸ ، وغیرہم ۔ ان کے بعد جو طبقہ ہے اس میں ایسے لوگ ہیں : الحُمّیدی^۹ ، القعنبی ، ابو عبید ، یحییٰ بن یحییٰ^{۱۰} ، ابو الولید الطیالسی^{۱۱} ۔

- ۱ - ف ۱۶۷ یا ۵۱۶۹ ۔
- ۲ - ہشیم بن بشیر ، ف ۵۱۸۳ ۔
- ۳ - ف ۱۸۴ یا ۱۸۵ یا ۵۱۸۶ ۔
- ۴ - ف ۵۱۸۷ ۔
- ۵ - بظاہر : السلمی ، ف ۵۲۰۶ ۔
- ۶ - سلیمان بن داؤد ، ف ۲۰۳ یا ۵۲۰۴ ۔
- ۷ - محمد بن یوسف ، ف ۵۲۱۲ ۔
- ۸ - الضحاک بن مخلد ، ف ۲۱۱ یا ۵۲۱۳ ۔
- ۹ - عبداللہ بن الزبیر ، ف ۵۲۱۹ ۔
- ۱۰ - غالباً ابوزکریا النیسابوری ، ف ۵۲۲۶ ۔
- ۱۱ - ہشام بن عبدالملک ، ف ۲۲۷ یا ۵۲۲۶ ۔

الاعلان بالتوبیخ

اس کے بعد جرح و تعدیل اور 'عیاتل' (احادیث کے مخفی عیوب) پر کتابیں تصنیف ہوئیں اور جمع کی گئیں اور صاف صاف بتا دیا گیا کہ کون وثوق اور اعتماد کے لحاظ سے ایک ستون کی طرح ہے، کون وثوق کے لحاظ سے ایک صحت مند جسم رکھنے والے نوجوان کی طرح ہے، کون 'لَتَّيْن' (کمزور) ہے اس شخص کی طرح جس کے سر میں درد ہو اور وہ بحال نظر آتا ہو اور تندرست شمار کیا جاتا ہو، کس کا حال اس شخص جیسا ہے جسے بخار چڑھا ہو مگر صحت کا پہلو زیادہ نمایاں ہو کس کا حال اس مریض کا جیسا ہے جو مرض سے بھرا ہوا ہو، اور ان کے علاوہ کون اس شخص کی طرح ہے جس کے قوی جواب دے چکے ہوں اور مرنے کے قریب ہو، جو ایسا ہو اسی کی حدیث ساقط ہوتی ہے۔

اوپر ہم جن کا ذکر کر آئے ہیں ان کے علاوہ جرح و تعدیل کے حقدار یحییٰ بن مَعِیْن تھے۔ ایک نہیں بلکہ بہت سے حُفَّاط (حدیث) ان سے رجال کی بارے میں پوچھتے رہتے تھے، اسی وجہ سے بعض رجال کے بارے میں ان کی رائیں اور عبارتیں مختلف ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے فقہاء کے اجتہاد میں اختلاف ہے اور ان کے متعدد اقوال اور طرح طرح کی باتیں ہیں، وہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جس طرح کہ ابن مَعِیْن رجال کے بارے میں اجتہاد کرتے تھے۔ انہیں کے طبقے میں سے احمد بن حنبل ہیں، ان کے بہت سے شاگرد ان سے رجال کی باہت پوچھتے رہتے تھے اور وہ اس بارے میں جو کچھ کہتے تھے اعتدال، انصاف، ادب اور پرہیزگاری کا لحاظ کرتے ہوئے کہتے تھے۔ ابو عبد اللہ محمد بن سعد کاتب الواقدی نے بھی اپنی 'طبقات' میں اچھے اور مقبول طرز بیان میں جرح و تعدیل سے بحث کی ہے۔ نیز ابو خثیمہ زُہیر بن حرب نے بہت سی باتیں کہی ہیں جو ان کے بیٹے احمد وغیرہ نے ان سے روایت کی ہیں۔ دیگر جرح و تعدیل سے بحث کرنے والے یہ ہیں :-

ابو جعفر عبدالله بن محمد النبیل^۱، حافظ الجزیرة، انہیں کی بابت ابوداؤد نے کہا تھا کہ میں نے ان سے بڑھ کر (حدیثوں کا) حافظ نہیں دیکھا۔

علی بن المدینی، ان کی بہت سی تصنیفیں عکّل اور رجال پر ہیں۔

محمد بن عبدالله بن نُمَیر^۲، انہیں کی بابت احمد (بن حنبل) نے کہا تھا کہ وہ 'عراق کے موقی، ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبہ، مصنف 'المُسْنَد'۔ 'حِیْظ' میں ایک نمونہ تھے اور وہی مرتبہ رکھتے تھے جو احمد کا 'علم' میں تھا۔

[ص: ۱۶۵] عبید اللہ بن عُمَر القَوَارِیرِ^۳، ان کے متعلق صالح جزرہ نے کہا تھا کہ جہاں تک میرا تجربہ ہے وہ اہل بصرہ کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

اسحاق بن راہویثہ، خراسان کے امام ہیں۔

ابو جعفر محمد بن عبدالله بن عَمَّار المَوْصِلِی الحافظ^۴۔ انہوں نے جرح و تعدیل پر اچھی بحث کی ہے۔

احمد بن صالح الطَّبَّری۔ مصر کے بڑے حافظ ہیں، ان جیسے لوگ بہت کم ہیں۔

ہارون بن عبدالله الحَمَّال^۵۔

یہ سب کے سب جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ ان کی جگہ ایک اور طبقے نے لی جس کا تعلق انہیں سے ہے، اس میں یہ لوگ ہیں: اسحاق

۱ - النّبیل؟ (بدل 'النبیل') ف ۵۲۳۴۔

۲ - ف ۵۲۳۴۔

۳ - ف ۵۲۳۵۔

۴ - صالح بن محمد، ف ۲۹۳ یا ۵۲۹۴۔

۵ - ف ۲۳۳ یا ۵۲۴۹۔

الاعلان بالعویخ

الکتوسیج^۱ ؛ الدارمی^۲ ؛ الذہلی^۳ ؛ البخاری ؛ العیجلی الحافظ جو مغرب میں جا بسے ۔ ان کے بعد ابو زرعة الرازی ؛ ابو حاتم الرازی ؛ مسلم ؛ ابوداؤد السیجستانی ؛ بقی^۴ بن مخلد^۴ ؛ ابو زرعة الدمشقی ، وغیر ہم ۔ ان کے بعد عبدالرحمن بن یوسف بن خیراش البغدادی ، ان کی ایک کتاب جرح و تعدیل پر ہے اور ان کی تحریر ویسی ہی زوردار ہے جیسی ابو حاتم کی ؛ ابراہیم بن اسحاق الحرّبی^۵ ؛ محمد بن وضّاح الاندلسی^۶ ، قرطبہ کے بڑے حافظ ؛ ابوبکر بن ابی عاصم ؛ عبداللہ بن احمد^۷ ؛ صالح جزّار^۸ ؛ ابوبکر البزّار^۹ ؛ ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ ؛ یہ ضعیف ہیں لیکن اس میدان کے امام ضرور ہیں ؛ محمد بن نصر المروزی^۹ ۔

ان کے بعد ابوبکر الفرّابی ، البرّدیشجی^{۱۰} ، النّسائی ، ابو یعلیٰ ، الحسن بن سفیان^{۱۱} ، ابن خزیمہ^{۱۲} ، ابن جریر الطّبری ، الدّولابی ، ابو عمرو الحمرّانی ، ابوالحسن احمد بن عمّیر بن جوصنا^{۱۳} ، ابو جعفر العقیلی ۔

- ۱ - اسحاق بن منصور ، ف ۵۲۵۱ ۔
- ۲ - عبداللہ بن عبدالرحمن ، ف ۵۲۵۵ ۔
- ۳ - محمد بن یحییٰ ، ف ۲۵۸ یا ۲۵۲ یا ۲۵۶ یا ۵۲۵۷ ۔
- ۴ - ف ۵۲۷۶ ۔
- ۵ - ف ۵۲۸۵ ۔
- ۶ - ف ۲۸۷ یا ۵۲۸۶ ۔
- ۷ - بظاہر ابن حنبل کے بیٹے ، ف ۵۲۹۰ ۔
- ۸ - احمد بن عمرو ، ف ۲۹۱ یا ۵۲۹۲ ۔
- ۹ - ف ۵۲۹۳ ۔
- ۱۰ - احمد بن ہارون ، ف بعد ۵۲۰۳ ۔
- ۱۱ - ف ۵۳۰۳ ۔
- ۱۲ - محمد بن اسحاق ، ف ۳۱۱ یا ۵۳۱۰ ۔
- ۱۳ - ف ۵۳۲۰ ۔

پھر ایک اور طبقہ ہے جس میں یہ لوگ ہیں : ابن ابی حاتم ، ابو طالب احمد بن نصر البغدادی الحافظ^۱ ، یہ دارقطنی کے شیخ ہیں ، ابن عقیثہ ، عبدالباقی بن قانع ۔

ان کے بعد : ابو سعید بن یونس ، ابو حاتم بن حبان البُستی ، الطَّبْرانی ، ابن عدی الجرجانی ، ان کی جو کتاب رجال پر ہے وہ جرح میں حرف آخر ہے ۔

ان کے بعد : ابو علی الحسین بن محمد الماسر^۲ جسی النیسابوری^۲ ، ان کی 'مُسْنَدُ مُعَلَّل' ایک ہزار تین سو جز میں ہے ، ابو الشیخ بن حیبان ، ابوبکر الاسماعیلی ، ابو احمد الحاکم^۳ ، الدارقطنی ، ان پر 'عیلّ' کے علم کا خاتمہ ہو گیا ۔

ان کے بعد : ابو عبد اللہ بن مسنّدہ ، ابو عبد اللہ الحاکم ، [ص : ۱۶۶] ابو نصر الکتلا باذی ، ابو المظرف عبدالرحمن بن فطیس ، قرطبہ کے قاضی تھے ، ان کی 'دلائل السنّة' پانچ جلدوں میں ہے ، اس میں صحابہ کے فضائل ہیں ، عبدالغنی بن سعید ، ابوبکر بن مرْدَوَيْه الاصبہانی ، تَمَام الرّازی ۔ ان کے بعد : ابو الفتح محمد بن ابی الفوارس البغدادی^۴ ، ابوبکر البسرقانی ، ابو حاتم العبّیدوری^۵ ، ان سے (علم حاصل کرتے ہوئے) دس اشخاص نے دس ہزار جز لکھے ، خَلْف بن محمد الواسیٹی^۶ ، ابو مسعود الدمشقی ، ابو الفضل الفلکی^۷ ، ان کی 'کتاب الطبقات' ایک ہزار جز میں ہے ، ابو القاسم حمزة السہمی ، ابو یعقوب القتراب النہروی^۹ ،

۱ - ف ۵۳۲۳ -

۲ - ف ۵۳۶۵ -

۳ - محمد بن محمد ، ف ۵۳۷۸ -

۴ - محمد بن احمد بن محمد ، ف ۵۴۱۲ -

۵ - بظاہر ابو حازم عمر بن احمد ، ف ۵۴۱۷ -

۶ - ف ۵۴۰۱ -

۷ - ابراہیم بن محمد ، ف ۵۴۰۰ -

۸ - علی بن الحسین ، ف ۵۴۲۹ -

۹ - اسحاق بن یعقوب -

ابو ذرّ الہرّوی -

ان کے بعد : ابو محمد الحسن بن محمد الختلال البغدادی^۱ ، ابو عبد اللہ الصّوری^۲ ، ابو سعد السّمّان^۳ ، ابو یعلیٰ الختلیلی -

ان کے بعد : ابن عبد البسرّ الاندلسی ، ابن حنّام الاندلسی ، البیہقی ، الخطیب -

ان کے بعد : ابو القاسم سعد بن محمد الزّنجانی^۴ ، شیخ الاسلام الانصاری ، ابو صالح المؤدّن ، ابن ماکولا ، ابو الولید الباجی ، انہوں نے جرح و تعدیل پر کتاب لکھی ہے ، بڑے عالم اور حُجّت ، (مانی ہوئی سند) تھے ، ابو عبد اللہ الحُمّیدی ، ابن سفّوزّ المعافیری الشّاطیبی^۵ -

ان کے بعد : ابو الفضل بن طاہر المقدّسی ، شجاع بن فارس الذّہلی^۶ ، المؤتمّن بن احمد بن علی السّاجی^۷ ، شیشرویشہ الدّیلمی ، ابو علی الغسانی^۸ -

ان کے بعد ، ابو الفضل بن ناصر السّلامی^۹ ، القاضی عیاض ، السّلفی ، ابو موسیٰ المدینی ،

ابو القاسم بن عساکر ، ابن بششکوال -

۱ - ۳۵۲-۵۴۳۹ -

۲ - محمد بن علی ، ف ۵۴۴۱ -

۳ - اسماعیل بن علی ، ف ۵۴۴۵ -

۴ - سعد بن علی بن محمد ، ف ۵۴۷۱ -

۵ - طاہر بن مغوز ، ف ۵۴۸۴ -

۶ - ف ۵۵۰۷ -

۷ - ف ۵۵۰۷ -

۸ - الحسین بن محمد ، ف ۵۴۹۸ -

۹ - محمد بن ناصر ، ف ۵۵۵۰ -

ان کے بعد : عبدالحق الاشبیلی^۱ ، ابن الجوزی ، ابو عبد اللہ بن الفخّار المالقی^۲ : ابو القاسم السہیلی -

ان کے بعد : ابوبکر الحازمی^۳ ، عبد الغنی المتقدسی ، الرشادوی^۴ ، ابن مفضل المتقدسی -

ان کے بعد : ابو الحسن بن القطان^۵ ، ابن الانصاری^۶ ، ابن نُقطة ، ابن الدبیبی ، ابن خلیل الدمشقی^۷ ، ابوبکر بن خلفون الازدی^۸ ، ابن النجّار -

ان کے بعد : الزکری المنذری ، ابو عبد اللہ البیزالی^۹ ، الصقر یفیشی ، الرشید العطّار ، ابن الصّلاح ، ابن الابرار ، ابن العدیم ، ابو شامة ، ابو البقاء خالد بن یوسف النابلسی^{۱۰} ، ابن الصّابوتی^{۱۱} -

ان کے بعد ، الدمشقی ، ابن الظّاہیری ، الشرف المیثدومی^{۱۲} ، ابن دقیق العیثد ، ابن فرح^{۱۳} ، [ص: ۱۶۷] عبید الیمشیردی^{۱۴} ،

۱ - عبدالحق بن عبدالرحمن ، ف ۵۵۸۱ -

۲ - محمد بن ابراہیم ، ف ۵۵۹۰ -

۳ - محمد بن موسیٰ ، ف ۵۵۸۴ -

۴ - عبدالقادر بن عبد اللہ ، ف ۵۶۱۲ -

۵ - علی بن محمد ، ف ۵۶۲۸ -

۶ - اسماعیل بن عبد اللہ ، ف ۵۶۱۹ -

۷ - یوسف بن خلیل ، ف ۵۶۴۸ -

۸ - محمد بن اسماعیل ، ف ۵۶۳۶ -

۹ - محمد بن یوسف ، ف ۵۶۳۶ -

۱۰ - ف ۵۶۶۳ -

۱۱ - ابو حامد محمد بن علی ، ف ۵۶۸۰ -

۱۲ - محمد بن ابراہیم ، ف ۵۶۸۳ -

۱۳ - احمد بن فرح ، ف ۵۶۹۹ -

۱۴ - عبید بن محمد ، ف ۵۶۹۲ -

سعدالدين العارثی ، ابن تیمیہ ، المیزنی ، القطب الحلبي ، ابن سيّد الناس ،
 التاج ابن مکتوم ، ابن البيرزالي ، الشمس الجزري الدمشقي ، ابو عبدالله بن
 آيبك السروجي ، الكمال جعفر الادفوي ، الذهبي ، ابو الحسين بن
 ايبك الدمياطي ، اشهاب بن فضل الله ، النجم ابو الخير الذهلي
 البغدادي ، العتاي ، المغلطي ، الصفدي ، الشريف الحسيني
 الدمشقي ، التقي بن رافع ، لسان الدين بن الخطيب ، ابو الاصبغ بن
 سهيل ، الزين العيراق ، الشهاب بن حيجي ، الصلاح الاقشمسي ،
 الولي العراقي ، الشريف التقي الفاسي ، البرهان الحلبي ، العتلا بن
 خطيب الناصيري ، ہمارے شيخ (ابن حجر) ، العيني ، العيز الكناني ،
 النجم بن فهد ، ابن ابی عذیبہ ، البيهقي . یہ (آخر کے)
 دونوں ہمسر ہیں ۔ جو ان کے نیچے ہیں وہ بہت ہی پست ہیں ۔

ان کے علاوہ ہر زمانے میں اور لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں
 نے (راویوں کو) عادل 'مجروح' ضعیف اور صحیح کہا ہے ۔
 پرانے لوگ راستی سے قریب اور ملامت سے دور تھے بہ نسبت بعد میں آنے
 والوں کے ۔ پھر بھی جو باتیں چھپی کی چھپی رہ گئیں وہ بہت زیادہ ہیں ۔
 راقم الحروف (سخاوی) کی بھی اس فن میں بہت سی کتابیں ہیں گو وہ
 اس میں ہمدتن مصروف نہیں ہے ، نہ ہی اس نے وہ سب باتیں بتائی ہیں
 جو اس کے علم میں ہیں کہ اس فن والوں اور اس کے راویوں میں کیا
 کوتاہیاں ہیں ۔

ذہبی نے رجال سے بحث کرنے والوں کو کئی قسموں میں
 تقسیم کیا ہے : ایک قسم ان کی ہے جو تمام راویوں سے بحث کرتے ہیں
 جیسے ابن متعین اور ابو حاتم ۔ ایک اور قسم ان کی ہے جو بہت سے راویوں
 سے بحث کرتے ہیں جیسے مالک اور شعبہ ۔ ایک اور قسم ان کی ہے جو

ایک ایک آدمی سے فرداً فرداً بحث کرتے ہیں، جیسے ابن عیینہ اور شافعی۔ وہ (ذہبی) کہتے ہیں کہ ان سب کی پھر تین قسمیں ہیں: ایک قسم ان کی ہے جو بڑی مشکل سے کسی کو ثقہ کہتے ہیں اور جب تک پوری چھان بین نہیں کر لیتے عادل نہیں کہتے۔ دو تین غلطیاں ہوں تو بھی راوی پر چوٹ کر جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگر کسی شخص کو ثقہ کہیں تو ان کی بات کو 'دانت سے پکڑو' اور ان کی توثیق پر پورا بھروسا کرو اور اگر وہ کسی آدمی کو ضعیف بتائیں تو یہ دیکھو کہ کیا کوئی اور بھی ان سے اتفاق کرتے ہوئے اس آدمی کو ضعیف بتاتا ہے، اگر کوئی اور بھی اتفاق کرتا ہے اور ماہرین میں سے ایک بھی اس آدمی کو ثقہ نہیں کہتا تو پھر وہ آدمی واقعی ضعیف ہے، اور اگر کوئی ایک اسے ثقہ بتاتا ہے تو پھر یہ آدمی وہی ہے جس کی بابت کہتے ہیں کہ 'اس کی برائی میں جو کچھ کہا جائے وہ قابل قبول نہ ہوگا تاوقتیکہ اس کی تفسیر نہ بیان کی جائے، مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں مثال کے طور پر ابن معین کا یہ قول کافی نہ ہوگا کہ 'وہ ضعیف ہے' بغیر اس کے کہ ضعیف کا سبب بیان کیا جائے، درانحالیکہ بخاری وغیرہ آ کر اس کو ثقہ بتائیں۔ ایسے شخص کی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار [ص: ۱۶۸] دینے کی بابت اختلاف ہے، اسی بنا پر ذہبی، جو نقد رجال سے متعلق تمام چیزوں پر نظر رکھنے والوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ "دو—یعنی اس میدان کے علما کے ایک ہی طبقہ میں سے دو عالم کبھی کسی ضعیف کو ثقہ کہنے یا ثقہ کو ضعیف کہنے پر متفق نہیں ہوئے۔ (۵ ق)۔ اسی لیے نسائی کا مذہب یہ تھا کہ وہ کسی شخص کی حدیث ترک نہیں کرتے تھے جب تک کہ سب کے سب اس کے ترک کرنے پر متفق نہ ہو جائیں۔ کہنا یہ ہے کہ رجال پر تنقید کرنے والوں کا کوئی طبقہ مستشدد (سخت گیر) اور متوسط سے خالی نہیں ہوتا۔ پہلے (طبقے) میں شعبہ اور ثوری ہیں، ان دونوں میں شعبہ سخت ہیں۔ دوسرے میں یحیی القطان اور ابن مسہدی ہیں، ان دونوں میں یحیی سخت ہیں۔ تیسرے میں ابن معین اور احمد ہیں،

الاعلان بالتوبیخ

ان دونوں میں ابن متعین سخت ہیں - چوتھے میں ابو حاتم اور بخاری ہیں ، ان دونوں میں ابو حاتم سخت ہیں - چنانچہ نسائی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک کسی شخص کو ترک نہیں کیا جائے گا ناوقتیکہ سب کے سب اس کے ترک کرنے پر متفق نہ ہوں - مثلاً اگر ابن مسہدی ایک کو ثقہ بتائیں اور القطنان اس کو ضعیف کہیں تو اس کو ترک نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یحییٰ (القطنان) اور ان جیسے لوگوں کی نقد کے بارے میں سخت گیری مشہور ہے - ہمارے شیخ (ابن حجر) کی تحقیق ختم ہوئی -

دوسری قسم ان کی ہے جو بہت زیادہ نرم (مُتَسَمِّح) ہیں جیسے ترمذی اور حاکم -

میں کہتا ہوں : اور جیسے ابن حزم جو مشہور مشہور لوگوں کی بابت یعنی ترمذی مصنیف 'الجامع' اور ابو القاسم البغوی اور اسماعیل بن محمد الصفار اور ابو العباس الاصبہانی وغیرہم میں سے ہر ایک کی بابت کہتے ہیں نہ وہ 'مجہول' ہے^۳ -

اور ایک (تیسری) قسم ان کی ہے جو مُعْتَدِل ہیں جیسے احمد اور دارقطنی اور ابن عدی - اللہ ان میں سے ہر ایک کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے نیک جزا دے اور خدا نے چاہا تو وہ اجر پائیں گے -

(تتمتہ) کسی وفیات کے مصنف کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے :-

ما زال يماشيحُ بالاموات يكتبها
حتي غدا و هو في الاموات مكتوبا

۱ - ف ۵۳۴۱ -

۲ - محمد بن يعقوب ، ف ۵۳۴۶^۸

۳ - بظاہر سخاوی کا یہ قول سخت گیروں کی قسم سے متعلق ہے -

وہ ہمیشہ اموات کا شائق رہا اور انہیں درج کرتا رہا تاآنکہ وہ خود اموات میں شامل ہو کر درج کر دیا گیا۔

ذہبی کا قول ہے :-

[ص : ۱۶۹] إذا قرأ الحديثَ عليَّ شخصٌ
و اخلیٰ سوَضِعَا لوفاءِ ميثلي

جب کوئی شخص مجھ سے حدیث پڑھتا ہے اور میرے جیسے کی وفات (درج کرنے) کے لیے جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے۔

فما جازي باحسانٍ لاني
أريدُ حياتَه و يُريدُ قَتلي

تو وہ نیکی کی جزا نہیں دیتا اس لیے کہ میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔

الزَّيْنِ الْعِرَاقِي نے اس کی تضحیم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

إذا قرأ الحديثَ عليَّ شخصٌ
وأمَّـلَ ميثتي ليرُوجَ بعدى

جب کوئی شخص مجھ سے حدیث پڑھتا ہے اور امید لگاتا ہے میری موت کی تاکہ میرے بعد اس کا شہرہ ہو۔

فما هذا بانصافٍ لاني
أريدُ بقاءَه و يُريدُ فقدي

تو یہ انصاف نہ ہو اس لیے کہ میں اس کی بقا چاہتا ہوں اور وہ مجھے نابود کرنا چاہتا ہے۔

الصَّالِحِ خَلِيلِ الصَّفَدِيِّ کو جب اپنے شیخ ذہبی کے دو بیت

۱۔ عمرو بن معدیکرب کا بیت ہے اَبِيّ المُرَادِي کے بارے میں :
أريدُ حياءَه و يُريدُ قتلي عذيرك من خليلك من مُرادٍ (رغبة
الآمل ۱۲۴/۸) دوسرے مصرع کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔

الاعلان بالتوبیخ

کا پتا چلا تو انہوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا اور اس انداز سے کہ گویا انہوں نے وہ دو بیت ذہبی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ان کی کسی چیز پر دیکھے :-

خَلِيلُكَ مَالَهُ فِي ذَا مُرَادٍ
فَدُمُّهُ كَالشَّمْسِ فِي عَلِيَا مَتَحَلٍّ

تیرے 'خلیل' (دوست) کا ایسا کوئی مقصد نہیں، آپ ہمیشہ ہمیشہ سورج کی طرح بلند مقام پر رہئے۔

وَحَظَّتْ بِي أَنْ تَتَعَيْشَ مَدَى اللَّيَالِي
وَ أَنْتَ لَا تَتَمَلَّحُ وَأَنْتَ تَتَمَلَّحُ

میری خوش قسمتی اس میں ہے کہ آپ آخر زمانہ تک سلامت رہیں اور بغیر ناگواری کے برابر املا کرتے رہیں۔

الصفدی کہتے ہیں کہ ذہبی کو میرا قول 'خلیلک' بہت پسند آیا اس لیے کہ اس میں جس بیت کی تضمین کی گئی ہے اس کے باقی حصے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے: 'عذیرک من خلیلک من مُراد' (کون مجھے معذور سمجھے گا میرے دوست کے بارے میں جو قبیلہ مراد سے ہے)۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ (میرا) نام 'خلیل' ہے۔

نیز امام البدر عبداللطیف بن محمد بن محمد الحموی الفقیہ الشافعی کا یہ قول کیا ہی خوب ہے جو البیرزالی نے ان سے سنا تھا۔

إِذَا سَمِعَ الْحَدِيثَ عَلَى شَخْصٍ
لِيُرْوِيَهُ إِذَا مَا كَانَ فَتَوَى

جب کوئی شخص مجھ سے حدیث پڑھتا ہے تاکہ جب میں فوت ہو جاؤں تو وہ اس کی روایت کرے۔

۱ - کیا یہ اور عبداللطیف بن محمد بن الحسين الحموی، ف. ۱۰۷، دونوں ایک ہیں؟

سُرِّرَتْ بِهِ لِيَيْدَ عُوْتِي وَاِنِي
اُوْدُ حَيَاتِهِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِي

تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ وہ میرے لیے دعا کرے
اور میں اپنی موت کے بعد اس کی زندگی دل سے چاہتا ہوں۔

فَاِنْ يَسْمَعُ وَاِنْ يَدْعُو لِيْ تَجِيْبُهُ
مَلٰئِكَةُ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ صَوْتٍ

پس اگر وہ مہربان ہو کر میرے لیے دعا کرے تو جواب دیں گے
اس کو آسمان کے فرشتے بغیر آواز کے۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں بچائے اپنے نفس کی برائیوں
سے اور اپنی زبان کے عواقب سے، اور راضی کر دے ہم سے ہمارے
دشمنوں کو، اور اصلاح کر دے ہمارے دلوں اور ہماری نیتوں کے
فساد کی، اور اچھا کر دے ہمارے اعمال کو تاآنکہ ہمارا کام تمام ہو،
اور وہ بھی خاص طور پر اس طرح کہ خاتمہ بالخیر ہو اور حواس صحیح
ملاست رہیں۔ آمین۔

مولف کتاب (رح و رض) آخر میں فرماتے ہیں: یکے از دو ربیع
(اول و آخر) سنہ ۸۹۷ بمقام مکہ شریف کتاب کی 'تبیض' (آخری شکل
میں صاف لکھائی) ختم ہوئی، گو میں اپنا منصوبہ تمام و کمال پورا نہ
کر سکا۔ یہ قول اور تحریر مجدد بن عبدالرحمن السخاوی الشافعی کی ہے۔
اللہ ہمارے سردار مجدد اور آپ کے آل اور اصحاب پر بہت بہت درود اور
سلام بھیجے۔

[ص: ۱۷۰] اس نسخے کی کتابت فقیر عبدالوہاب بن محی الدین
السلطی (باعبار نسب) و اللہ مَشْقِي (باعبار وطن و جائے پیدائش) کے
ہاتھ سے۔ اللہ اس کی اور اس کے والدین کی اور سارے کے سارے مسلمانوں
کی مغفرت فرمائے۔ بروز جمعرات ۱۳ ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۱۵ تمام
ہوئی۔ بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو ہمارے سردار اور آقا مجدد پر



الاعلان بالتوبيخ

اور آپ کے سارے آل اور اصحاب پر والحمد لله رب العالمین (اور ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے)۔

۱ - دوسرے تیموریہ نسخے کی اصل جو رواق الاتراک ، ازہر شریف ، میں محفوظ ہے ، اس کے خاتمے کی عبارت یہ ہے :-
یہاں کتاب ختم ہوئی بروز جمعرات ۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰۰ (نوسو) ، مکہ شریف میں کاتب کے گھر پر : اللہ کی مہربانی اور مدد کا طلب گار ابو الخیر اور ابو فارس محمد مسمیٰ عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن فہد الهاشمی المتکی الشافعی الاثری ۔ اللہ ان سب کو اپنے لطف پنہاں سے نوازے ۔

الاخبار الطوال

مصنف ابوحنیفہ الدینوری

مترجم : پروفیسر محمد منور

مسلمانوں کو تاریخ نویسی سے ہمیشہ گہرا شغف رہا ہے۔ الاخبار الطوال کا شمار ہماری ملی تاریخ کے قدیم اور مستند ترین مآخذ میں ہوتا ہے۔ ابوحنیفہ الدینوری نے دیگر عرب مولفوں کی طرح اپنی تاریخ حضرت آدم سے شروع کی ہے لیکن جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے مصنف نے بعض 'خبروں' یا واقعات کو خاص طور پر طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نے حضرت عمر کے عہد میں فتح ایران حضرت علی اور معاویہ کی چپقلش اور شہادت حسین کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے چنانچہ اس ہنگامی دور کے واقعات پر روشنی ڈالنے کے سلسلے میں اس کی کتاب بے حد اہمیت رکھتی ہے۔

ترجمے کے بارے میں خود مترجم نے لکھا ہے: "میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ خود کو ابوحنیفہ بنا لوں۔ انہیں کی طرح سلیس و سادہ زبان کو کام میں لاؤں، فقرے لمبے نہ ہونے دوں، کوئی جملہ یا لفظ نہ رہ جائے جس کا معنی اردو میں منتقل نہ ہو۔ لفظی ترجمہ کرنے کے باوصف میں نے اردو زبان کا کینڈا مجروح نہیں ہونے دیا۔

اس ترجمے کے ہمراہ عالم اسلام کے جید عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا مقدمہ اور ضمیمہ بھی پیش خدمت ہیں۔ انہوں نے کمال سہربانی سے مشہور مستشرق طوطیو کراچ کوفسکی کے تبصرے کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی کیا ہے جس سے کتاب کے اس ایڈیشن کی وقعت بہت بڑھ گئی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے اردو کے سرمایے میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔